یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
شیخ الاسلام
کے
حیرت انگیز واقعات
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعاتِ زندگی کا دلآویز مجموعہ جس کا
مطالعہ آپکو ایمان ویقین کی حلاوت اور فقہ وتصوّف کی بصیرت عطا کریگا
مرتب:- ابوالحسن بارہ بنکوی
ناشر
مکتبہ دینیہ ◉ دیوبند (یو-پی)

ترتیب

انتساب

جانشین حضرت شیخ الاسلامؒ صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے نام جنکے مجاہدانہ کارناموں نے جمعیۃ العلماء ہند کی تاریخ میں عزم و حوصلہ اور خدمت قوم کے زریں ابواب کا اضافہ کیا اور جن کی سیاسی بصیرت پر آج بھی قوم کے صالح اور باشعور عناصر کو مکمل اعتماد ہے۔

ابوالحسن غفرلہٗ

۱۴ ستمبر ۶۵ء

مآخذ

(۱) نقشِ حیات
(۲) حیات شیخ الاسلام
(۳) انفاس قدسیہ
(۴) تذکرہ شیخ مدنی
(۵) صبح صادق اور مدنی آفتاب
(۶) خدام الدین (مدنی نمبر)
(۷) الجمعیۃ (شیخ الاسلام نمبر)
(۸) الحرم (مدنی نمبر)
(۹) نئی دنیا (عظیم مدنی نمبر)
(۱۰) چٹان ویکلی
(۱۱) کشفِ حقیقت
(۱۲) مکتوبِ ہدایت
(۱۳) ملفوظاتِ شیخ الاسلام
(۱۴) فرموداتِ حضرت مدنی
(۱۵) متعدد قلمی مسودے۔

نقشِ اوّلیں

وہ ایک لمحہ کو گذرے جہاں وہاں ابتک
ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

واقعات و مشاہدات کی یکسانیت ہمیں ایک خاص اندازِ فکر کا خوگر بنا دیتی ہے اور احوال و کوائف کا تکرار ہماری شعوری قوتوں کو ایک ایسے متعین راستے پر ڈال دیتا ہے جس سے انحراف انتہائی دشوار ہوتا ہے، اسی لئے وہ مظاہرِ فطرت ہمیں سنسنی خیز محسوس ہوتے ہیں جو غور و فکر کی جانی پہچانی راہوں سے ہٹے ہوئے ہوں حالانکہ ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں جو اپنی بے پناہ اہمیت کے باوجود ہمارے لئے کوئی جاذبیت نہیں رکھتے محض اس لئے کہ اُن کا مشاہدہ روزمرہ کا معمول بن چکا ہے " وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ " (زمین و آسمان میں کتنی ہی ایسی نشانیاں ہیں جن کے پاس سے وہ بے اعتنائی برتتے ہوئے گذر جاتے ہیں ۔ مفہوم آیت ۔) شاید اسی لئے تقریباً ہر دور میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ محوِ حیرت بنا دینے والے واقعات کا سلسلہ بھی پایا جاتا ہے جو اپنی حیرت انگیزی کی بنا پر ایسے افراد کے احساس و شعور کے لئے خاص طور پر مہمیز ثابت ہوتے ہیں جن کی فکری صلاحیتیں مضمحل ہو چکی ہیں یا جن کی نگاہوں پر بغض و عناد کے پردے پڑے ہوئے ہیں ۔ جہاں تک اہلِ علم و اصحابِ بصیرت کا تعلق ہے وہ شخصیت کی عظمت و عبقریت کا راز کشف و کرامات میں نہیں بلکہ کردار و عمل کے آئینے میں تلاش کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک اتباعِ سنت و شریعت، حُبِ خدا و رسول اور کیرکٹر کی پختگی ہی عظمت و برتری کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے ۔ پھر بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محیرالعقول واقعات عوام کے اذہان کو براہِ راست اپیل کرتے ہیں نیز اُن کے دل و دماغ اور

فکر و نظر کی خوابیدہ قوتوں کے لئے سامانِ بیداری ثابت ہوتے ہیں، اسی نوع کے واقعات کو اگر ان کا تعلق آفتابِ نبوت سے ہے تو معجزات ورنہ کشف وکرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعات مقصود بالذات نہیں ہوتے بلکہ کسی برگزیدہ شخصیت اور اس کے عظیم پیغام کے لئے مؤید ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے اگر ایمان ویقین میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ عملی سرگرمیوں کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ ہمارے ذہن پر اُن کے مثبت اثرات مرتب نہیں ہو رہے ہیں۔

اگرچہ پیشِ نظر کتاب کا معتدبہ حصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے ایسے واقعاتِ زندگی پر مشتمل ہے جنھیں کشف وکرامات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ترتیب مضامین میں اس امر کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ان کا دائرہ صرف دلچسپ وحیرت انگیز واقعات تک محدود نہ رہے بلکہ آپ کی اس مجاہدانہ زندگی کا پُورا خاکہ ناظرین کے سامنے آجائے جو سراپا جدوجہد اور پیغامِ عمل تھی۔ توقع ہے کہ اس طرح حیرت انگیز واقعات یقینی طور پر ہمیں عزم وعمل کی توانائی عطا کریں گے اور اُن کی وہ لذت آفریں کیفیت جاتی رہے گی جو عملی سرگرمیوں پر جمود واضمحلال کا سایہ ڈال سکتی ہے اور جس سے خوف ورجا کا وہ توازن درہم برہم ہوسکتا ہے جو انسان کو مصروفِ عمل رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے! یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کی غرض سے کشف وکرامات کے پہلو بپہلو آپ کے کردار وعمل کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ نیز کتاب کے صفحات آپ کے گرانقدر علمی افادات سے مزین ہیں اور اسی کے ساتھ مشاہیر ملک وملت کے وہ تاثرات پیش کئے گئے ہیں جنھیں بارگاہِ شیخ الاسلامؒ میں خراجِ عقیدت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

بہ طور معذرت یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ درجن مطبوعہ وغیر مطبوعہ مآخذ سے استفادہ کے وقت حزم واحتیاط کا تقاضا تھا کہ بعض واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے، ممکن ہے اس سے کسی کو شکایت ہو لیکن معاندین کے ذہن میں پیدا ہونے والے امکانی شبہات کے سدّباب کی غرض سے ایسا کرنا ضروری تھا لہٰذا ہمیں معذور تصور فرمائیں۔

اگرچہ بادہ فرح بخش وباد گل بیز است
ببانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است

توقع ہے کہ حیرت انگیز و درس آموز واقعات و کوائف کا یہ مجموعہ ان حضرات کے لئے خاص طور پر دلچسپی کا باعث ہوگا جو حیاتِ شیخ الاسلامؒ کے مطالعہ سے تاہنوز محروم رہے ہیں، جہاں تک وابستگان حضرت شیخؒ کے تاثرات کا تعلق ہے ان کے لئے آپ کی زندگی کے ایمان افروز و کیف آفریں واقعات جو دلکشی و جاذبیت رکھتے ہیں اس کی تشریح میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ:

مو ہیں اپنی جگہ آسودگانِ کوئے دوست
آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

ابوالحسن غفرلہ
۲۷ ستمبر ۱۹۶۵ء

رویائے صالحہ

ارشادِ رسول: "ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات" رویائے صالحہ کی عظمت و اہمیت کا واضح ثبوت ہے خصوصاً جبکہ ان کا تعلق ذاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو۔ مندرجہ بالا عنوان کے تحت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ان رویائے صالحہ کو یکجا کر دیا گیا ہے جن کا تذکرہ آپ نے اپنی خود نوشت سوانح "نقشِ حیات" میں فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نقشِ حیات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کے بعد چوتھے روز جب قضیمہ سے رابغ کو قافلہ جا رہا تھا۔ رات کو اونٹ پر سوتے ہوئے خواب میں دیکھا کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں، میں قدموں پر گر گیا۔ آپ نے میرا سر اُٹھا کر فرمایا۔ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا جو کتابیں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں اُن کو سمجھنے کی قوت ہو جائے تو فرمایا: تجھ کو دیا۔

ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں:

بہرحال مدینہ منورہ زید شرفاً میں سلسلہ رویائے صالحہ وغیرہ بکثرت جاری رہا۔ مگر اُس وقت لکھنے اور ضبط کرنے کا خیال نہیں ہوا۔ خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اولیائے عظام، ائمہ فخام اور جناب باری عز اسمہٗ کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ قلمبند کرنے کی نوبت نہیں آئی اس لئے بلا ترتیب زمانہ جس قدر یاد ہے، لکھتا ہوں۔

(۲) ایک مرتبہ دیکھا کہ آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف

کے شمالی دروازہ باب مجیدی کے باہر بجانب شمال منہ کئے ہوئے (قبلہ مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کا بجانب جنوب ہے) مسجد سے نکل کر کھڑے ہیں اور آپ کے لپ (دونوں ہاتھوں کا مجموعہ) میں میٹھے کدو (جس کو کہنڑا اور عرب میں دبائے رومی کہتے ہیں) کے بیج بھرے ہوئے ہیں میں سامنے سے حاضر ہوا۔ جب میں قریب پہنچا تو آپ نے لپ کو نیچے سے کھولدیا کچھ بیج نیچے کو گرے تو میں نے دامن میں لے لئے اُن کی مقدار تقریباً تیس عدد تھی۔

(۳) دیکھا کہ مسجد شریف میں منبر شریف کے سامنے مکبّریہ کے نیچے لیٹا ہوں اور مجھ پر سبز شال پڑی ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ تیرے قدم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم جیسے ہیں اس کی تعبیر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اتباعِ سنت سے دی تھی

(۴) دیکھا کہ ایک جگہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مُبارک کُھلی ہوئی ہے میں نے دیکھا کہ لاش مبارک سفید کفن میں قبر کے پاس باہر ہے کفن کُھلا ہوا ہے۔ چہرۂ مبارک نہایت تروتازہ گورا گورا اور تمام جسم مبارک بھی تروتازہ ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چت سو رہے ہیں۔

(۵) دیکھا کہ روضۂ مطہرہ (وہ حجرۂ مطہرہ جس میں قبر مبارک ہے) اس کی جنوبی دیوار کی جڑ میں ایک پختہ خندق تقریباً ڈیڑھ دو ہاتھ گہری اور کئی گز لانبی بنی ہوئی ہے جس کی لمبائی دیوار کی جڑ سے متصل سر مُبارک کی طرف سے پاؤں کی طرف کو چلی گئی ہے اور کچھ لوگ کھڑے ہو کر لانبی جھاڑو سے اس میں جھاڑو دے رہے ہیں میں ایسی ہی لانبی جھاڑو لے کر پہنچا تو وہ لوگ ہٹ گئے میں نے تمام خندق میں جھاڑو دی اور پانی ڈال کر پانی کو جھاڑو ہی سے صاف کیا میں جھاڑو سے پانی کو صاف کرتا ہوں اور صاف کردہ جگہ میں پانی خشک ہوتا جاتا ہے۔ پھر دیکھتا ہوں کہ اُس میں رُومی قالین خوش رنگ بچھ گئے ہیں۔ خندق کے آگے بجانبِ قبلہ قبر شریف کی طرف چہرہ کئے ہوئے کچھ لوگ تلاوتِ قرآن شریف میں مشغول ہیں۔

(۶) دیکھا کہ باب السّلام (مسجد نبوی کا سب سے بڑا دروازہ جو بجانب مغرب واقع ہے) مسجد میں داخل ہوا اور حجرۂ مطہرہ کی طرف جا رہا ہوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مُبارک پر ایک کرسی پر رونق افروز ہیں قبلہ کی طرف آپ کا چہرہ مبارک ہے۔ میں

داہنی جانب سے حاضر ہوا۔ جب میں بالکل قریب پہنچا تو آپ نے مجھ کو چار چیزیں عطا فرمائیں۔ اُن میں سے ایک علم ہے باقی تین اشیا کو نہیں جانتا کہ کیا تھیں۔ اس کے بعد میں کرسی کے پیچھے سے ہوتا ہوا ایک باغ میں (جو کہ بجانب قبلہ آنحضرت علیہ السّلام کے آگے تقریباً دس بارہ گز دوری پر واقع ہے) داخل ہوا اس میں میوہ دار درخت ہیں جن کی اونچائی قدِ آدم سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ ہے، اِن درختوں کے پتے سیب کے پتوں جیسے ہیں اور اُن میں پھل کالے کالے لگے ہوئے ہیں اور کچھ لوگ اِن درختوں میں سے پھل چُن چُن کر کھا رہے ہیں۔ میں نے بھی ان سیاہ پھلوں کو توڑ کر کھایا مقدار میں یہ پھل چھوٹے انجیر کے برابر تھے مگر اُن کا مزہ ان موجودہ پھلوں سے سب سے علٰحدہ اور اس قدر لذیذ تھا کہ اس قدر لذیذ پھل میں نے کبھی نہیں کھائے۔ اس کے بعد میں نے ایک درخت اسی باغ میں بڑے شہتوت کا دیکھا جس میں شہتوت لگے ہوئے ہیں جن میں کے پکے ہوئے پھل زرد رنگ کے ہیں۔ میں نے ان میں سے پکے ہوئے شہتوت توڑے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کسی قدر ناساز ہے۔ یہ شہتوت آپ کے واسطے لئے جا رہا ہوں — (نوٹ: میں نے اس خواب کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا اور عرض کیا کہ حضرت معلوم نہیں کہ ان چار چیزوں میں سے جو کہ مجھ کو عطا فرمائیں علاوہ علم کے باقی تین کیا تھیں تو حضرت نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی ملے وہ خیر ہی ہے۔

(۷) ایک روز ایک کتاب اشعار کی دیکھ رہا تھا اُس میں ایک مصرعہ تھا

"ہاں اے حبیب رُخ سے ہٹا دو نقاب کو"

یہ اُس وقت بہت بھلا معلوم ہوا۔ میں مسجد شریف میں حاضر ہوا اور مواجہ شریفہ میں بعد ادائے آداب و کلماتِ مشروعہ انہی الفاظ کو پڑھنا اور شوق دیدار میں رونا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی جس پر یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھ میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ حجاب دیواروں اور جالیوں وغیرہ کا حائل نہیں ہے اور آپ کرسی پر سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کا چہرۂ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔

(۸) جبکہ میں کراچی سے گنگوہ شریف کے قصد سے سفر کر رہا تھا اور گاڑی ملتان کے قریب چل رہی تھی خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں اور ہر دو صاحبان کے ہاتھ ایک کے دوسرے سے تشبیک کئے ہوئے ہیں (یعنی ہاتھوں کی انگلیاں باہم دگر پیوستہ ہیں)

(۹) میں نے خواب میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو اُن سے دونوں ہاتھ ملا کر بیعت کی اور یہ الفاظ کہے :- ابایعك علیٰ ما بایعت به النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۰) دیکھا کوئی شخص کہتا ہے کہ ائمہ مذاہب اربعہ یا کہا کہ ائمہ طرق اربعہ تیرے لئے دُعا کرتے ہیں کیونکہ تو اثنار درس میں جب کسی کا ذکر آتا ہے تو اُن کے لئے رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتا ہے یا کہا کہ دُعا کرتا ہے اور میں نے خواب ہی میں دیکھا کہ کچھ لوگ مختلف مقامات پر گرد و پیش بیٹھے ہوئے ہاتھ اُٹھائے دُعا کر رہے ہیں۔ نوٹ : میں نے اپنی عادت ہمیشہ سے کر رکھی تھی کہ جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آئے تو علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسّلام یا علیہ السّلام کہوں اور اگر کسی صحابی کا نام تنہا آئے تو رضی اللہ عنہ کہوں اور اگر سند حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آئے تو رضی اللہ عنہ وعنہم کہوں اور اگر ائمہ مذہب اور علمار و اولیار سلف کا نام آئے تو رحمہم اللہ تعالیٰ کہوں خواہ اپنے مذہب کے ہوں یا شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ ہوں بشرطیکہ اہلِ سنت والجماعت ہوں۔

(۱۱) خواجہ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ ایک کرسی پر رونق افروز ہیں میں حاضر ہوا تو ایک کھجور کا تہائی حصہ مجھے عطا فرما کر کہا کہ باقی دو حصے اور مشائخ کے ذریعہ سے پہونچائے جائیں گے۔

(۱۲) دیکھا کہ گیارہ بارہ اولیار اللہ کبار مشائخ میں سے تشریف لائے ہیں اور سب نے اجازتِ بیعت عطا فرمائی ہے۔

(۱۳) دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے اور اُس میں آسمان سے معلق ڈول لٹک رہے ہیں جن کے وہ تار جن سے آسمان تک اُن کا علاقہ ہے میں دیکھ رہا ہوں اور وہ ڈول برابر یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور میں ڈولوں کو الٹتا ہوں تو مٹھائی زمین پر اقسام مختلفہ کی ڈھیر ہو جاتی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت بڑا ڈھیر مٹھائی کا ہو گیا ہے اور لوگ اس کو وہاں کھا رہے ہیں۔

(۱۴) اس زمانہ میں (جبکہ خواب دیکھا ہے) التزام کرتا تھا کہ باوضو سویا کروں چنانچہ باوضو شب کو چھت پر سویا تھا اور یہ مکان بقیع شریف اور حجرۂ مطہرہ کے تقریباً درمیان میں واقع

تھا، نصف شب سے پہلے دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھ کو امام زماں اور افسرج بنائیں گے ۔
میں نے اس خواب کو شرم کی وجہ سے نہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے اور نہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا۔ اور اسی طرح والد صاحب مرحوم اور بھائی صاحب بلکہ غالباً سوائے حکیم فرزند علی صاحب مرحوم دہلوی (مہاجر مدینہ منورہ) کسی سے بھی ابھی تک ذکر نہیں کیا۔

(۱۵) دیکھا ایک بہت بڑا درخت ہے جس کی ٹہنیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی سایہ فگن ہیں۔ اس درخت کی سب سے فوقانی سطح پر سمجھ رہا ہوں کہ جناب باری عز اسمہٗ جلوہ فرما ہیں۔ ہیبت وجلال بے حد محسوس کر رہا ہوں اور کچھ اوپر سے ارشاد ہو رہا ہے (جس کی پوری تفصیل یاد نہیں رہی)

(۱۶) ایک روز مسجد نبوی کے اگلے حصہ کی محراب میں (جسکو محراب عثمانی کہا جاتا ہے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے وقت کھڑے ہوتے تھے) ذکر کر رہا تھا کہ نیند آگئی۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اُن کو بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوتا ہے کہ تم فنا ہو جاؤ اُنھوں نے ایک بُرش پر جو کہ مثل اُلٹے طشت کے ہے اپنا سر فنا ہونے کے لئے رکھ دیا۔ اس خواب کو گنگوہ شریف لکھا تو جواب آیا کہ تیری نسبت عثمانی ہے اور اسی وجہ سے تو لوگوں سے حیلہ کی بنا پر مسجد شریف چھوڑ کر جنگل میں ذکر کے لئے جاتا ہے۔

(۱۷) ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں مسجد شریف میں چار زانو بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز بائیں جانب تشریف فرما ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف سے تشریف لائے اور آپ کے دست مبارک میں کوئی کتاب ہے۔ نوٹ: چونکہ عادت یہ تھی کہ اگر کوئی تکلیف یا مصیبت ہوتی تھی تو اس قسم کا کوئی خواب دیکھتا تھا جس میں بجز معیت و امداد اور کوئی امر مفہوم نہیں ہوتا تھا تو مجھ کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ وہ کونسی صعوبت ہے جس کے دفعیہ کے لئے ہر دو مقدس آقا تشریف ارزانی اور امداد فرما رہے ہیں۔ دو ہی چار روز گذرے تھے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی آئے اور اُنھوں نے وہ عظیم الشان فتنہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ اور ہم سبھوں کے متعلق اُٹھایا کہ الامان والحفیظ مگر بفضلہ تعالیٰ وہ اور اُن کی جماعت اس فتنہ میں جو کہ ہم سبھوں کے متعلق تھا کامیاب نہیں ہوئی اگرچہ اس کا اثر دیر تک کچھ نہ کچھ رہا۔

اِن رویائے صالحہ کے علاوہ اور بھی رویار واقع ہوئیں مگر مرورِ زمانہ کی بنا پر پوری یاد نہیں رہیں جن میں سے متعدد میں دودھ یا چھاچھ وغیرہ کا پینا بھی ہے۔ اگرچہ حسب ارشادِ نبوی (علیہ الصّلوٰۃ والسّلام) ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات قالوا وما المبشرات یا رسول اللّٰہ۔ قال الرؤیاء الصالحۃ یراھا المومن او ترٰی لہ اور حسب ارشاد علیہ السّلام من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل بی (او کما قال علیہ السّلام) ان رویائے صالحہ سے بہت کچھ اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حسبِ ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ودیگر اکابر بعض اشیار عالمِ مثال میں متحقق ہوتی ہیں مگر اُن کا وجود اس قدر ضعیف ہوتا ہے کہ عالمِ شہادت تک پہنچتے پہنچتے وہ مضمحل ہوجاتی ہیں اس لئے اگرچہ رویائے صادقہ میں عالمِ مثال کی کوئی چیز دیکھی گئی ہے مگر بعض اوقات عالم شہادت میں وہ متحقق الوقوع نہیں ہوتی نیز ہر رویا کے لئے شروط و موانع وغیرہ ہوتے ہیں جو بسا اوقات دیکھنے والے کے ذہن سے جاتے رہتے ہیں اس لئے ان کو متیقن الوقوع نہیں کہا جا سکتا بنا بریں ان رویائے صالحہ وغیرہ پر کوئی یقین بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اولاً یہی امر مشتبہ ہے کہ آیا یہ رویار منجملہ رویائے صالحہ ہیں بھی یا نہیں کہیں خیالاتِ مستقرہ فی القلب کا عکس تو نہیں ہیں یا کسی خلط کے غلبہ کا شگوفہ یا اضغاثِ احلام وغیرہ میں سے تو نہیں۔ اور اگر رویائے صالحہ میں سے ہو تو بھی اس کا من کل الوجوہ محفوظ رہنا مشتبہ ہے پھر اگر محفوظ بھی مانا جائے تو تعبیر مشتبہ رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ بجز انبیار علیہم السّلام کی رویار کے کسی کا خواب شریعت میں حجت نہیں نہ کسی کا کشف اور الہام قابلِ احتجاج ہے، ہاں اُمیدیں باندھنا اور جناب باری عزّ اسمہٗ کی رحمتوں پر نظر رکھنا ہمیشہ بندوں کا فریضہ ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ اور انا عند ظن عبدی بی جیسے ارشادات عالیہ بہت کچھ اُمیدیں دلانے والے ہیں۔ اگرچہ نہایت افسوس کے ساتھ مجبوراً یہ ظاہر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنی بداعمالی اور سوءِ احوالی اور آرام طلبی و نفس پروری وغیرہ ہر طرف سے مایوسی ہی دکھلا رہی ہے کیا عجب ہے کہ اکابر و اسلاف کی جوتیوں کے طفیل میں مستقبل میں کسی وقت فضل وکرم خداوندی دستگیری فرمائے۔ وما ذالک علی اللّٰہ بعزیز۔

(۱۸) احمد آباد جیل میں خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اوپر سے کہہ رہا ہے کہ جو رحمت خداوندی حضرت شیخ الہند قدس اللّٰہ سرہ العزیز کی طرف دنیا میں متوجہ کی گئی تھی وہ اب تیری

طرف پھیر دی گئی۔

(۱۹) ایک مرتبہ ایک خواب بہت مفصل دیکھا جس میں سے اس قدر یاد ہے کہ میں حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں حضرت بہت زیادہ الطاف فرما رہے ہیں، میں نے عرض کیا: حضرت! مجھ کو اپنے ضمن میں لے لیجئے غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرمالیا اور پھر اسی خواب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی شرف حاضری حاصل ہونا دیکھا۔

(۲۰) ایک مرتبہ ہدایہ اخیرین میں ایک مسئلہ ایسا آگیا کہ بہت غور وفکر اور حواشی وشروح کے مطالعہ سے بھی حل نہ ہوسکا سخت عاجز ہوکر حجرۂ مطہرہ نبویہ پر حاضر ہوا اور بعد سلام ودرود عرض کیا تھوڑی ہی دیر میں سمجھ میں آگیا۔

(۲۱) (گنگوہ شریف میں) عصر کے بعد خدمت (حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) میں قریب بیٹھ کر مشغولیت مراقبہ سے مجھ کو نہایت قوی اور بہت زیادہ فائدہ ہوتا تھا چند دنوں کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی میدان میں وہ گولر جو صحن حجرہ میں تھا اور اس کے سایہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے، کھڑا ہے اور اس میں گولر پکے ہوئے لگے ہیں کچھ لوگ ڈلے پھینک رہے ہیں تاکہ پکا ہوا گولر حاصل کریں۔ میں نے بھی بہی کوشش کی مگر کوئی گولر ہاتھ نہیں آیا۔ یکایک دیکھا کہ ایک پکا ہوا گولر مع اس ٹہنی کے جس میں وہ لٹک رہا تھا خود بخود ٹوٹا اور لٹکتا ہوا نیچے اُترتا ہوا آہستہ آہستہ میرے پاس آگیا اور میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس خواب کو میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا فرمایا کہ ثمرۂ مقصود ہاتھ آئے گا۔

ایک روز عشا کے بعد دوسرے خدام کے ساتھ میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بدن دبا رہا تھا میں پشت کی طرف تھا دباتے دباتے آنکھ جھپک گئی تو دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ ۴۰ دن گذرنے کے بعد مقصود حاصل ہوگا۔ اس تاریخ کے ٹھیک چالیس دن گذرنے پر عصر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ۔ بھائی صاحب لے آئے حضرت نے ہر ایک کے سر پر اُس کا عمامہ باندھا، جس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرے سر پر عمامہ باندھ رہے تھے مجھ پر زور دار گریہ طاری تھا اور اپنی کم مائگی اور خجالت کا شدید احساس تھا۔

اس کے بعد بھائی صاحب سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیسی دستار ہے، بھائی صاحب نے عرض کیا کہ دستارِ فضیلت ہے فرمایا کہ نہیں دستارِ خلافت ہے میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔

(۲۲) ایک مرتبہ برقی کیفیت کے انوار پیش آئے، حضرت رحمۃ اللہ سے ذکر کیا تو وہ کیفیت بھی جاتی رہی ہاں یہ بہت پیش آیا کہ اپنے سامنے بدریا تیز روشنی کی شمع یا دائیں جانب ایک ایک یا دو دو شمع بین النوم والیقظہ دیکھتا تھا جس کی تعبیر ظاہر ہے یہ حالت مدینہ منورہ میں بھی اور بعد میں احمد آباد جیل وغیرہ میں بھی کبھی کبھی رہتی تھی جس سے حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی امداد معلوم ہوتی ہے۔

(ماخوذ از نقشِ حیات)

خوارقِ عادات

"خوارقِ عادات" کے تحت پیش کردہ واقعات کے سلسلہ میں اہلِ علم حضرات سے گذارش ہے کہ عنوان د معنون میں بجائے انطباقِ کلی" تغلیب اور ادنیٰ مناسبت کو پیشِ نظر رکھیں:

دُعا کی برکت

سلہٹ میں ایک مرتبہ شہر کے کسی حصّہ میں آگ لگ گئی۔ حضرتؒ اسوقت سلہٹ ہی میں موجود تھے لوگوں نے آپ سے دُعا کی درخواست کی آپ کا دُعا میں مصروف ہونا تھا کہ اچانک آگ بُجھ گئی۔ لوگ یہ دیکھ کر نہایت متاثر ہوئے۔

(مولانا لطف الرحمٰن صاحب برنوی)

گیارہ روپے واپس فرمادیئے

مولانا اسحٰق صاحب حبیب گنجی بیان کرتے ہیں کہ سلہٹ کے مدرسہ میں میری طالب علمی کا زمانہ تھا اس وقت ہر سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ سلہٹ ہی میں رمضان المبارک گذارتے تھے اور اہل سلہٹ مصارفِ سفر چندہ کرکے بھیجدیا کرتے تھے چندہ کے سلسلہ میں کچھ حضرات ایسے بھی تھے جو ایک متعین رقم رمضان سے قبل ادا کر دیا کرتے تھے ایک دوکاندار گیارہ روپے دیا کرتا تھا ایک مرتبہ چندہ کی غرض سے لوگ اُس کے پاس پہنچے تو اُس نے روپے تو دیدیئے لیکن اُس کی زبان سے اتفاقاً یہ الفاظ بھی نکل گئے کہ :- چندہ نہ ہوا انکم ٹیکس ہوگیا کہ کسی سال بھی اس سے مفر نہیں۔ بات رفت وگذشت ہوگئی اور رقم بذریعہ منی آرڈر حضرت کو ارسال کردی گئی لیکن کچھ دنوں بعد مرسلہ رقم سے گیارہ روپے واپس آگئے۔ دوکاندار کو بھی اپنی گستاخی کا احساس ہوگیا اور جب حضرتؒ سلہٹ تشریف لائے تو اُس نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر پاؤں پکڑ کر معافی مانگی۔

طلبہ حادثہ سے محفوظ رہے

ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ برہمن باڑی کے مدرسہ میں تشریف لائے واپسی کے موقعہ پر مدرسہ کے طلبہ آپ کے ساتھ اکھاواڑا جنکشن تک گئے اور جب حضرت کو چاندپور جانے والی گاڑی میں سوار کرکے رخصت ہونے لگے تو آپ نے طلبہ سے فرمایا کہ:۔ دیکھو برہمن باڑی جاتے ہوئے گاڑی کے سب سے آخری ڈبے میں ہرگز نہ بیٹھنا انجن ہی کے قریب کسی بوگی میں سوار ہوجانا اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا۔ طلبہ نے حضرت کی نصیحت پر عمل کیا اور جب وہ برہمن باڑی کی طرف روانہ ہوگئے تو اثنائے سفر میں ٹرین کے تین آخری ڈبوں کو حادثہ پیش آگیا کافی مسافر زخمی ہوگئے لیکن طلبہ بالکل محفوظ رہے۔ (مولانا اسحٰق صاحب دولت پوری)

ٹرین واپس آگئی

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سلہٹ سے دیوبند کے لئے مراجعت فرما رہے تھے، سلہٹ اسٹیشن پر مغرب کا وقت ہوگیا۔ گاڑی روانہ ہونیوالی تھی مگر حضرت نے جماعت کے ساتھ نماز مغرب شروع فرمادی ابھی آپ نماز سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ٹرین روانہ ہوگئی تمام لوگ پریشان تھے لیکن حضرت نے انتہائی اطمینان و سکون کے ساتھ نماز پوری فرمائی ٹرین کافی دُور تک جاچکی تھی کہ اچانک لوگوں نے دیکھا وہ واپس آرہی ہے خدا جانے انجن میں کیا خرابی پیدا ہوگئی تھی کہ اُسے دوبارہ پلیٹ فارم پر آنا پڑا اور تمام حضرات ٹرین میں سوار ہوگئے۔ (مولانا لطف الرحمٰن صاحب برنوی بحوالہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب للا بازاری)

ازالۂ مرض کا عجیب واقعہ

مولانا امان اللہ صاحب کریم گنجی مجاز حضرت شیخؒ اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔ میرا منہ لقوہ سے اس طرح متاثر تھا کہ میں گفتگو نہیں کرسکتا تھا۔ کافی علاج معالجہ کے بعد بھی حصول مقصد میں ناکام رہا۔ ایک مرتبہ ڈاکٹر کے پاس جارہا تھا۔ دل میں خیال آیا کہ حضرت سلہٹ میں مقیم ہیں کیوں نہ آپ سے دعا کی درخواست کی جائے چنانچہ اسی وقت مسجد نئی سڑک پہنچ گیا اور درخواست پیش کرنے کے مقررہ وقت پر میں نے بھی اپنا عریضہ پیش کیا۔ حضرت نے دیگر تمام عریضہ گذاروں کو تو یاد فرمالیا لیکن میری درخواست کے بارے میں کچھ نہ فرمایا۔ مجھے بے حد پریشانی لاحق ہوئی دوستوں سے اپنا اضطراب بیان کیا تو اُنھوں نے مشورہ دیا کہ تراویح کے بعد جب حضرت حجرے میں آرام کی

غرض سے تشریف لے جائیں اُس وقت میں وہاں پہنچ جاؤں۔ میں اُن کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے کمرے میں حاضر ہوگیا اور سلام عرض کیا حضرت بیدار تھے مگر مجھ سے گفتگو نہ فرمائی بلکہ چادر اوڑھ لی۔ میرا بُرا حال ہوا۔ تمام رات گریہ وزاری میں گذر گئی اور نمازِ فجر میں نے حضرتؒ کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت نے خود ہی فرمایا کہ مولانا امان اللہ صاحب کریم گنجی کہاں ہیں۔ میں نے فوراً سامنے حاضر ہوکر سلام کیا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ: کیا ہوا؟ اور جب میں نے جواب دینے کی کوشش کی تو یکلخت محسوس ہوا کہ زبان حسب سابق صحت مند ہے اور میں بسہولت گفتگو کرنے لگا۔

(حضرت بردوی)

گستاخی کا نتیجہ

ایک مرتبہ مولوی بازار میں جلسہ ہو رہا تھا اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے آپ کو دیکھ کر ایک اسٹوڈنٹ نے کچھ گالیاں دیں اور چل دیا۔ راستے میں وہ دردِ شکم میں مبتلا ہوگیا اور خون کی قے شروع ہوگئی اُس کے ایک رشتہ دار کو واقعہ معلوم ہوگیا تھا اُس نے آکر حضرت سے معافی طلب کی اور دعا کے لئے اصرار کیا۔ آپنے پانی دم کرکے عنایت فرمایا اور طالب علم شفایاب ہوگیا (مولانا برنی)

بے ادبی کا انجام

مولوی عبدالرحیم صاحب آزاد راوی ہیں کہ حضرت شیخ ایک جلسہ گاہ میں تشریف فرما تھے۔ بی گنج بھرگاؤں کے مولوی ممتاز الدین نے آپکی پیشانی پر سجدہ کا نشان دیکھکر ازراہِ تمسخر کہا کہ یہ تو جوتے کا داغ معلوم ہوتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) لوگوں نے دیکھا کہ ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ اس گستاخ نے قادیانیت اختیار کرلی۔ اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن گیا۔

مار گزیدہ کی شفایابی

ایک مرتبہ جبکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سلہٹ میں قیام فرما تھے رات کے وقت کچھ مشتاق زیارت حضرات نئی سڑک کی مسجد آرہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص کو راستے میں سانپ نے ڈس لیا اور وہ بیہوش ہوگیا۔ لوگ انھیں اُٹھاکر مسجد میں لائے اور حوض کے کنارے لٹا دیا۔ حضرت مولانا رحؒ کو خبر ہوئی تو آپ فوراً تشریف لائے لوگوں کو وہاں سے دُور ہٹا دیا اور چھڑی سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا وہ شخص فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے اور زہر کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ (مولانا حبیب الرحمن صاحب بحوالہ مرقاحبیدا نور صاحب اندشہری)

کشف مولانا مصباح الدین صاحب حبیب گنجی اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:- میں جس وقت دیو بند میں تھا میرے مکان سے خط آیا جس میں فرزند کی ولادت کا مژدہ تھا' اور یہ بات بھی تحریر تھی کہ حضرت مدنیؒ سے اس بچہ کا نام رکھنے کی درخواست کرو۔ میں خط کو لئے ہوئے حضرت کی پُشت کی جانب بیٹھا ہوا تھا اور یہ سوچ ہی رہا تھا کہ موقعہ ملتے ہی خط حضرت کی خدمت میں پیش کردوں گا کہ اچانک آپ نے اپنی پشت کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا:- لاؤ! دیدو تاکہ پڑھ لوں۔ میں نے خط پیش کردیا اور آپ نے بچے کا نام قمرالزماں تجویز فرمایا۔

کچھ خبر نہیں کیا ہوا۔ کیسے ہوا؟ مولانا فضل الرحمٰن و مولانا مصدر علی صاحب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ سلہٹ میں عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ایک شخص کے حلق میں اس طرح مچھلی کا کانٹا پھنس گیا کہ شفاخانہ والے بھی پریشان ہوگئے۔ مریض کی حالت لمحہ بہ لمحہ بدتر ہورہی تھی۔ اور ڈاکٹر نے اپنے اس خیال کا اظہار کردیا تھا کہ شاید بغیر آپریشن علاج میں کامیابی نہ ہوسکے، مریض کے تمام رشتہ دار بھی حیران تھے۔ اتفاقاً کسی کے ذہن میں بات آگئی اور اُس نے کہا کہ حضرت مدنی کی خدمت میں چلے جاؤ وہاں انشاءاللہ کام ہوجائے گا۔ چنانچہ مریض کو آپ کی خدمت میں لایا گیا' آپ نے فرمایا کہ میں کیا کرسکتا ہوں جب لوگوں نے بہت سفارش کی تو فرمایا اچھا ایک گلاس پانی لاؤ اور تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ! آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگوں کو دوبارہ حاضری کی اجازت دیدی گئی' جب ہم لوگ واپس آئے تو مریض بالکل صحیح اور بشاش بیٹھا ہوا تھا، بعد میں جب مریض سے کیفیت معلوم کی گئی تو اُس نے کہا مجھے کچھ خبر نہیں کیا ہوا اور کیسے ہوا۔ بس خدا ہی کو صحیح علم ہے۔

استمدادِ رُوحانی کالی باڑی (مولوی بازار) کے نواح میں رہنے والے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں جس زمانہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ سے مُرید ہوا اس وقت ڈھاکے میں سرکاری ملازم تھا ایک مرتبہ کسی کام سے مجھے شیلانگ جانا ہوا۔ جو راستہ سلہٹ کی طرف سے شیلانگ جاتا ہے وہ بہت دشوار گذار ہے' پہاڑی سلسلے میں کہیں کہیں تو راستہ اس قدر تنگ ہے کہ اس پر صرف ایک ہی موٹر چل سکتی ہے۔ ایک طرف پہاڑ کی سربفلک چوٹیاں نظر آتی ہیں اور دوسری جانب خطرناک اور عمیق کھائیاں ہیں اس لئے سفر کے لئے نہایت تجربہ کار

اور ہوشیار ڈرائیور کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری موٹر ایک ایسے ہی راستے پر چل رہی تھی اچانک دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے سے ایک گھوڑا دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ گھوڑے پر کوئی شخص سوار نہیں تھا لیکن وہ بگڑا ہوا معلوم ہوتا تھا اور اُس کے دوڑنے کا انداز بڑا خطرناک تھا اسے دیکھ کر ہم لوگوں کا تو خون خشک ہوگیا کیونکہ حادثے کی شکل میں گھوڑا اور موٹر دونوں اسفل السافلین پہونچ سکتے تھے اور کم از کم ایک کی تو خیر تھی ہی نہیں اس وقت گھبرا کر میں نے اپنے شیخ کے طفیل دعا مانگی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ کار تک پہنچنے سے پہلے ہی نہ معلوم کس طرح گھوڑا لڑھکتا ہوا کھائی میں غائب ہوگیا۔ (مولانا برنوی)

عقیدت کی برکت

ابوالہاشم صاحب کہتے ہیں کہ میرے دوست علیم اللہ عالی پوری اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں :- میری اہلیہ بیمار تھی، دردِ شکم کی سخت تکلیف میں مبتلا تھی میں ایک مولوی کے پاس تعویذ کی غرض سے گیا جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص حضرت شیخ کو گالیاں دیتا ہے یہ سُن کر میں نے کہا خواہ کچھ بھی ہو، مریضہ زندہ رہے یا مر جائے میں اس شخص سے تعویذ نہ لوں گا، یہ کہہ کر میں واپس ہوگیا۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ اہلیہ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے اور کسی قسم کی کوئی شکایت باقی نہیں ہے۔

حلقۂ نور

مولانا عبدالحمید صاحب بنیا چنگی فرماتے ہیں کہ:- ایک مرتبہ سفر حج میں خاکسار حضرت کے ساتھ تھا۔ جہاز پر میری سیٹ ایسی جگہ تھی کہ آمد و رفت کے وقت مجھے آپ کے سرہانے کی جانب سے گذرنا پڑتا اور اس بات سے میری طبیعت میں سخت انقباض تھا۔ ایک دن آپ کے سر پر تیل کی مالش کر رہا تھا اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کاش حضرت مجھے سیٹ بدلنے کا حکم فرما دیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنا بستر وغیرہ میرے قریب ہی لے آؤ، مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ خدمت میں آسانی رہے گی اور میں آپ کے قریب ہی آگیا۔ ایک رات میں سو رہا تھا اس طرح کہ میرا سر آپ کے سینہ کی محاذاۃ میں تھا۔ تقریباً دو بجے اچانک آنکھ کھل گئی میں نے حضرت شیخ کی جانب دیکھا تو عجیب منظر سامنے تھا۔ چاندنی جیسی ایک روشنی آپ کے سینے سے بلند ہو رہی تھی بتدریج یہ روشنی تیز ہوتی رہی اور اس کے حلقے میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ ہمارے آس پاس کی جگہ روشن ہوگئی۔ یہ دیکھ کر میرے جسم میں لرزہ شروع ہوگیا

اور میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ یکلخت روشنی بھی ختم ہوگئی۔ حضرت نے بیدار ہو کر میری جانب نظر اُٹھائی اور فرمایا کہ ابھی تو کافی رات باقی ہے اتنی جلدی کیوں اُٹھ بیٹھے؟ میں نے واقعہ بیان کر دیا اور پھر لیٹ گیا آپ بھی لیٹ گئے، آدھ گھنٹہ بعد تقریباً پہلی ہی جیسی کیفیت دوبارہ سامنے آئی مگر اس مرتبہ روشنی ہلکی تھی اس لئے میں اضطراب میں نہ مبتلا ہوا۔ بعد ازاں تقریباً سوا تین بجے تہجد کے لئے اُٹھا پہلے آپ کے لئے پانی لایا اور مصلّیٰ بچھا دیا۔ آپ بھی عادت کے مطابق اُٹھے وضو فرمایا اور مصلّیٰ اُٹھا کر بالائی منزل پر تشریف لے گئے اس وقت آپ کے چہرے پر عجیب رونق کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔

چارپائی سے ذکر کی آواز

مولوی عبدالباری صاحب نبی گنجی ہیڈ ماسٹر جے، کے اسکول فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کریم گنج تشریف لائے ہوئے تھے۔ ملاقات کی غرض سے میں بھی وہاں گیا، حُسنِ اتفاق سے اسی دن بدرپور میں جلسہ تھا خاکسار وہاں بھی پہنچا مدرسہ کے صحن میں ایک چھوٹی سی چارپائی پڑی ہوئی تھی، میں اس پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر گذری تھی کہ محسوس ہوا کہ ذکر کی آواز آرہی ہے، ساتھ ہی چارپائی میں ارتعاش پیدا ہوا مجھ پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوئی اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ میں نے تفتیش کی تو پتہ چلا کہ حضرت شیخ نے اس چارپائی پر بیٹھ کر وضو فرمایا ہے اور یہ چارپائی اسی غرض سے رکھی گئی ہے۔ مولوی عبدالباری صاحب نے یہ واقعہ مولانا برنوی سے بیان کیا جب کہ آپ اعتکاف میں تھے۔

روشنی ہی روشنی

مولانا لطف الرحمن صاحب برنوی فرماتے ہیں کہ سلہٹ میں ایک بار میں حضرت شیخ کے ساتھ تہجد میں شریک ہوا آپ نہایت محویت کے عالم میں تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ اثنائے تلاوت "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ" پر پہنچے تو شرکارِ جماعت میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ میں حضرت کے پیچھے ہی تھا، غیر اختیاری طور پر میری نگاہ حضرت کی جانب اُٹھ گئی میں نے ایک نہایت حیرت انگیز منظر دیکھا، آپ کے جسم پر کھدر کا کرتا تھا اور اُس کی ہلکی بافت سے جسم کی روشنی چھنتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی یہی کیفیت

ایک دوسری آیت پر بھی پیدا ہوئی۔ حضرت کے قریب ہی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری موجود تھے اور شریکِ جماعت تھے۔ نماز کے بعد میں نے اُن سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو اُنھوں نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے بھی یہ منظر محسوس کیا۔ روشنی پوری مسجد میں پھیلی ہوئی تھی۔

کھانے میں حیرت انگیز برکت

حاجی احمد حسن صاحب (دکھیا) دیوبند بیان کرتے ہیں کہ:۔ ایک مرتبہ دیوبند میں (سیاسی) کانفرنس تھی اس موقعہ پر میں نے پچاس مہمانوں کو مدعو کیا ان میں سے پچیس مہمان کانفرنس کے تھے اور پچیس حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان تھے۔ مختصر یہ کہ میں نے پچاس افراد کے لئے کھانے کا انتظام کیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو مولانا عثمان صاحب نے مولانا سلطان الحق صاحب سے کہا کہ جاؤ حضرت کو بُلا کر لے آؤ مولانا سلطان الحق صاحب حضرت کی خدمت میں تشریف لے گئے لیکن وہاں سے واپس آکر مولانا عثمان صاحب سے سرگوشی کے انداز میں کوئی بات کہی اور مولانا عثمان صاحب نے مجھ سے کہا کہ مولانا تمہارے ہی بلائے آئیں گے تم خود چلے جاؤ۔ یہ سُن کر میں حضرت کے مکان پر پہنچ گیا۔ آپ تیار ہو کر پہلے ہی باہر آچکے تھے۔ آپ نے بآوازِ بلند فرمایا کہ سب مہمان چلے آئیں، تمام مہمان چلے آئے، جن کی تعداد تین اور چار سو کے درمیان تھی۔ مہمانوں کو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ بھائی اسعد صاحب نے مجھے پریشان دیکھ کر سبب معلوم کیا تو میں نے صاف بات ظاہر کر دی کہ میں نے صرف پچاس ساٹھ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا ہے اور مہمانوں کی تعداد آپ دیکھ ہی رہے ہیں وقت اس قدر تنگ ہے کہ مزید انتظام کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ بھائی اسعد صاحب نے مشورہ دیا کہ یہ صورتِ حال تم خود جا کر حضرت سے بیان کر دو! میں نے جا کر حضرت سے عرض کر دیا کہ اس وقت کھانا کم تیار ہے اور مہمان بہت زیادہ ہیں اب کیا کرنا چاہیئے؟ یہ سُن کر حضرت کھانے کے پاس تشریف لائے، روٹی کا ٹوکرا، پلاؤ کی دیگ کے پاس ہی رکھوایا اور دیر تک کچھ پڑھنے کے بعد کھانے پر دم کر دیا اور فرمایا کہ کھانا کھلانا شروع کر دو اور کھانا نکالنے کے بعد دیگ کو بند کر دیا کرنا اور یہاں میرے لئے ایک چارپائی منگا دو میں (یہیں) لیٹ جاؤں گا چنانچہ فوراً چارپائی بچھا دی گئی اور آپ اس پر لیٹ گئے۔ مہمانوں نے کھانا شروع کر دیا جب تین محفلیں کھانا کھا کر فارغ ہو گئیں تو

چوتھی اور آخری محفل میں حضرت بھی شریک ہوئے جب آخری محفل بھی اُٹھ گئی تو ہم منتظمین نے اطمینان کا سانس لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھانے میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت عطا فرمائی کہ تقریباً چار سو آدمی شکم سیر ہو گئے۔ بہرحال مہمانوں کے جانے کے بعد ہم چند آدمی رہ گئے اور خیال تھا کہ چاولوں کا تو نام ونشان بھی نہ ہوگا البتہ روٹیاں کافی بچ گئی ہیں اسی پر اکتفا کریں گے مگر جب میں دیگ کے قریب گیا اور اُس کے اندرونی حصے کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس میں چاول اس قدر موجود تھے جسے ہم سب مل کر کھا سکیں۔

لاش تک نہ ملی

(اس) واقعہ کے راوی جالندھر کے ایک نوجوان مولوی محمد اکرام صاحب قریشی ہیں جو حمید نظامی مرحوم کے جگری دوست مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں اُن کے دست و بازو اسلامیہ کالج کے فارغ اور لیگ کے آغاز سے آج تک اسکے حامی چلے آتے ہیں، وہ مولانا مدنی اور اُن کے مدرسۂ فکر کے کبھی ہمخیال نہیں رہے بلکہ ان نوجوانوں میں سے تھے جنھیں جالندھر میں لیگ کا ہراول دستہ کہا جاتا تھا..... اس واقعہ کے راوی یہی محمد اکرام قریشی ہیں جن کو لاہور کے احباب ڈاکٹر بھی کہتے ہیں اور آج کل بیڈن روڈ لاہور میں رہ رہے ہیں، اُن کی روایت کے مطابق اس واقعہ کے کئی راوی اب تک بقید حیات ہیں (اُن کا بیان ہے کہ) ابھی پاکستان نہیں بنا تھا اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا زمانہ تھا۔ مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ پنجاب یا سرحد کے سفر سے واپس جا رہے تھے جالندھر کے اسٹیشن پر یہی نوجوان مسٹر شمس الحق کی ہمراہی میں اپنے رہنماؤں کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ رہنما کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے شمس الحق کی نظریں مولانا مدنیؒ پر پڑ گئیں وہ اپنے ساتھ کے نوجوانوں کو لے کر اُن کے ڈبے پر چڑھ دوڑا نعرے لگائے سب وشتم کیا حتیٰ کہ داڑھی کو پکڑ کر کھینچا، ایک بیان کے مطابق رخسار پر طمانچہ مارا مولانا صبر کی تصویر تھے آہ تک نہ کی۔ اس کارنامہ کے بعد شمس الحق یا اُس کے کسی ساتھی نے یہ واقعہ مولانا عطائی سے بیان کیا جو جالندھر لیگ کے نائب صدر تھے اُنھوں نے سنتے ہی کانپ کر پوچھا کیا یہ صحیح ہے؟ جب تصدیق کی گئی تو اُن پر رعشہ سا طاری ہو گیا۔ اکرام قریشی کہتے ہیں کہ وہ کانپ رہے تھے اور اُنھوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا: اگر یہ سچ ہے تو جس نے حضرت مدنیؒ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے اُس کی لاش نہیں ملے گی اُس کو زمین جگہ نہیں دے گی۔ عطائی کانپ رہے تھے اُن کا

چہرہ اشکبار تھا اور آنکھیں پرنم تھیں۔ آپ جانتے ہیں کہ شمس الحق کون تھا؟ یہ وہی نوجوان ہے جو لائل پور میں قتل و خون کا شکار ہو گیا، جس کی نعش کا پتہ نہ چلا، کفن ملا نہ قبر، اس واقعہ کو تقریباً گیارہ بارہ سال ہو چکے ہیں، روایتوں پر روایتیں آتی رہیں، خود لیگ کے زعماء مہر بلب رہے، کسی نے کہا بھٹہ میں زندہ جلا دیا گیا۔ کسی نے کہا لاش کے ٹکڑے کر کے دریا برد کر دیا گیا جتنے منہ اتنی باتیں۔ پولیس نے انعام بھی رکھا، سب کچھ کیا لیکن شمس الحق کا سُراغ نہ ملا۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور۔ مارچ ۱۹۶۲ء)

گستاخی کرنیوالوں کا عبرتناک انجام

سید پور ضلع رنگ پور میں لیگی غنڈوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نہایت غیر شریفانہ اور وحشیانہ برتاؤ کیا تھا، یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے اس واقعہ کی تفصیل میں مولانا کفیل احمد صاحب بجنوری کا مضمون ہدیہ ناظرین ہے۔ یہ مضمون روزنامہ حقیقت (لکھنو) میں شائع ہوا تھا جو بعینہٖ درج ہے:۔

سید پور اور بھاگل پور میں جس نوعیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات بابرکات پر قاتلانہ اور وحشیانہ حملے ہوئے وہ ہر سنجیدہ شخص کے لئے انتہائی رنج و قلق کا موجب ہیں۔

حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سید پوری جو کہ حضرت شیخ مدظلہ کے میزبان اور سید پور لانے کے باعث تھے وہ کلکتہ تشریف لائے ہوئے ہیں، موصوف نے راقم الحروف کو نماز جمعہ سے قبل نمازیان مسجد کولوٹولہ کی موجودگی میں اپنی دردبھری داستان سُنائی کہ حضرت مدنی صاحب اپنے خادم احسان الحق صاحب مرحوم کی تعزیت میں قصبہ سونا تشریف لائے ہوئے تھے اور میری درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کے لئے سید پور کے اسٹیشن پر اُترے تھے، افسوس کہ موصوف کو میرے غریب خانہ تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ دفعتاً تقریباً سات سَو لوگوں کا انبوہ لیگی نعرے لگاتا ہوا اسٹیشن پر آدھمکا اور حضرت شیخ کو عریاں دشنام دہی شروع کر دی ہاتھوں میں لاٹھیاں، ڈنڈے اور چھریاں تھیں، بے تمیزی سے نام لے کر قتل کر دو، مار ڈالو، ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، یہ غدار ہے، ایسا ہے ویسا ہے جو کچھ منہ پر آ رہا تھا بکواس کی۔ ہم بنا بر استقبال صرف دس پندرہ آدمی تھے اور ان لوگوں میں برابر ایک شخص کے نا قوس پر ناقوس بجانے پر باقی

ہو رہی تھی، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سید پور ورکشاپ اور مضافات سے جمع ہو گئے اور پھر کربلا کا منظر حسین احمد ابن حسین کے سامنے آ گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) مار دھاڑ شروع کر دی اور ہم چند لوگ جو شیخ مدظلہٗ کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے کچھ مجروح اور کچھ مضروب ہو رہے تھے اور خدا جانے ہم لوگوں میں آیا فرشتے آ گئے تھے یا کیا بات تھی کہ بے انتہا قوت ہمارے اندر پیدا ہو رہی تھی اور ہم کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ بنے ہوئے تھے۔ اسی اثنار میں ایک فرعون بے سامان نے اپنی فرعونیت کا شدید ترین مظاہرہ کیا۔ اُس نے مدنی صاحبؒ کو زمین پر پچھاڑنے کی کوشش کی بے دردی سے گریبان پکڑا اور آخر میں سخت مدافعت کے باوجود کلاہ سر مبارک سے اُتار لی۔ بیہودہ کلمات بکتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا اور پھر اُس کو جلا دیا۔ ہم میں سے بعض اشخاص نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی تھا امداد کے لئے متوجہ کیا مگر افسوس اُس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے ابتداءً لطائف الحیل سے کام لے کر کچھ دیر بعد صاف و صریح انکار کر دیا کہ میں اس بڑے مجمع کو قابو میں لانے سے معذور ہوں۔ جب اس پولیس افسر نے اپنی شرعی و قانونی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا تو ہم میں سے بعض مایوسانہ طریقہ پر ورکشاپ کے اینگلو انڈین افسر کے پاس پہنچے، وہ فوراً اسٹیشن پر آیا اور اُس نے فی الواقع امن و امان قائم کرنے کی بہت کوشش کی، اپنے ماتحت مزدوروں سے یہاں تک کہا کہ خبردار! یہ تم کیا کرتے ہو؟؟ ہم جانتے ہیں کہ یہ شخص تمہارا بہت بڑا پوپ ہے، زبردست پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے۔ کیا تم اسی طرح غنڈہ پن سے شراب پی پی کر پاکستان لینا چاہتے ہو۔ دور ہو جاؤ! دفع ہو جاؤ۔ تمہارے منہ سے شراب کی بو آتی ہے! غرض اس افسر نے سب کو سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا اور مدنی صاحب اسی درمیان میں بمشکل تمام ویٹنگ روم میں داخل کئے جانے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی طرح مظلومانہ محصور تھے۔ ان کامی کے بعد اسٹیشن افسران وغیرہ کی سعی کے ذریعہ غنڈوں سے یہ طے پایا کہ مولانا کو اس صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ اسی شب دارجلنگ میل سے واپس ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت شیخ ۸ ½ بجے شام سے لے کر ۱ ½ بجے شب تک پانچ گھنٹے اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا رہ کر دارجلنگ میل سے بھاگلپور کے لئے روانہ ہو گئے، پھر بھاگلپور پہنچ کر دوبارہ جو مصیبت آئی وہ بھی اخبارات میں مجملاً آ چکی ہے یہ ہے وہ رقت خیز و روح فرسا داستان کہ جس سے سوائے لیگی پریس کے ہر شخص مغموم و متاثر ہے اور

ارباب لیگ کی طرف سے واقعہ کی تکذیب کی جارہی ہے۔ افسوس صد افسوس ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مولانا ریاض الدین صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت اپنے دوستوں کو صبر و سکون کے ساتھ تسلی و تشفی دیتے رہے اور فرمایا:- یہ تو کچھ بھی نہیں آئندہ ملک کی اس سے بھی زیادہ خراب حالت ہونے والی ہے، حملوں اور سب وشتم کے وقت حضرت شیخ کی کیا حالت تھی؟ مولانا ریاض الدین صاحب فرماتے ہیں کہ چہرے پر قطعاً خوف وہراس نہ تھا اور مدنی صاحب اکثر مراقبہ کی حالت میں ہو جاتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ممدوح سے دیگر حضرات نے تحریری طور پر اجازت طلب کی کہ ہم غنڈوں کے قلع قمع کے لئے حاضر ہیں مگر مولانا مدظلہٗ نے بلوہ کے اندیشہ اور اپنے اعتماد علی اللہ کی بنا پر اجازت نہیں دی۔ غالباً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس میں رسول اللہ صلعم نے "نام الملك ووقع الشیطان" فرمایا تھا ممدوح کے پیش نظر تھا یہ بھی عامل بالحدیث ادام اللہ فضلہ وظلہ علی المسلمین والمسترشدین۔

اولیاء اللہ سے جو عداوت کرتا ہے وہ دراصل باری تعالیٰ سے جنگ کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کے نیک بندوں کا بحالت مظلومیت صبر وضبط رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلین نے زیادہ عرصہ میں نہیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنی ذلت و رسوائی کا جو مہیب نقشہ دیکھا وہ اسلامی تاریخوں میں آج بھی روشن ہے۔ مظلوم حسین احمد بھی غالباً حدود بنگال سے باہر نہیں نکلے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا قہر وغضب ظالموں کی طرف متوجہ ہو گیا اور منتقم حقیقی کی گرفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ مولانا صالح صاحب سید پوری فاضل دیوبند خلف رشید مولانا ریاض الدین صاحب کا گرامی نامہ آج ہی اپنے پدر بزرگوار کے نام کلکتہ پہنچا۔ مکتوب بنگلہ زبان میں ہے مگر راقم الحروف اُس کا اُردو ترجمہ جناب قاری عتیق الرحمٰن صاحب فرید پوری مدرس اعلیٰ شعبۂ تجوید مدرسہ عالیہ کلکتہ اور جناب قاری شریعت اللہ صاحب میمن سنگھی مدرس تجوید مدرسہ عالیہ سے کرا کے بعینہٖ درج ذیل کرتا ہے۔ مقام عبرت ہے کہ جس فرعون بے سامان نے زیادہ فرعونیت سے کام لیا تھا وہ تو اگلے ہی دن تالاب میں غرق ہو کر فوت ہو گیا اور جس پولیس افسر نے اپنی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری

کو محسوس نہیں کیا تھا اور کھڑے ہوئے کلوخ اندازی وغیرہ کا تماشہ دیکھا تھا وہ بھی اپنے نوجوان فرزند کو سپردِ خاک کر کے سراپا تماشا بن گیا پھر خدا کی شان کہ جس خیال سے یہ ہڑبونگ مچائی گئی تھی کہ جمعیۃ علمار کی تبلیغ نہ ہو آج بڑے اہتمام سے اسی جگہ جمعیۃ قائم کی جا رہی ہے۔ جو لوگ اب تک غنڈہ بنے ہوئے تھے وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم کر رہے ہیں اور جس جھنڈے کے تحت یہ سب خرافات کی گئی تھیں اسی جھنڈے کی اب علانیہ مخالفت شروع کر دی گئی ہے۔
اللہ رے قدرت کیا برعکس معاملہ ہے۔ صالح صاحب لکھتے ہیں:۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ابا جان! آپ کا خط موصول ہوا ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں، ہم لوگوں کے لئے کسی قسم کی فکر نہ کریں، بے فکر ہو کر کام کاج کریں اور ہم لوگوں کے لئے دعا کرتے رہیں۔ جن غنڈوں نے جناب حضرت قبلہ مولانا مدنی کے ساتھ گستاخی کی تھی وہ لوگ اب اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ بڑے داروغہ کا بڑا لڑکا دوسرے ہی دن قضا کر گیا۔ یہ بات شاید آپکو معلوم نہ ہو۔ اس کے بعد جس شخص نے حضرت کے سرِ مبارک سے ٹوپی اُتار کر جلا دی تھی دوسرے دن وہ بھی تالاب میں ڈوب کر مر گیا، سید پور میں ہلڑ مچ گیا۔ بشیان ڈاکٹر اور چتینا سب لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم ان غنڈوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہم لوگوں سے ایسا ذلیل کام نہیں ہو سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ لیگیوں میں دو فرقے ہو گئے ہیں بہت سے لوگ افسوس کر رہے ہیں کہ ایسا کام کرنا لیگیوں کی غلطی ہوئی ہے کہ لوگ لیگ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ کل بعد جمعہ قربِ جوار کے گاؤں کے سردار لوگ ہمارے گھر آگئے اور تبلیغی جماعت قائم کی اور جمعیۃ علمار ہند کی ایک شاخ قائم کی جس کا صدر آپ کو بنایا گیا ہے اور مرحوم مظہر اللہ منڈل کے لڑکے عبدالکریم منڈل صاحب کو اسسٹنٹ سکریٹری بنایا گیا ہے۔ آس پاس کے لوگوں کے نام کی فہرست بھیجی ہے۔ آپ کے گھر آنے پر تمام سردار لوگ آپکے پاس آئیں گے فقط صالح
آپ نے دیکھا کہ سچے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کس طرح سچا ثابت کرتا ہے۔ گو تفصیلات کا انتظار ہے مگر تاہم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی یہ کیسی زبردست اور کھلی ہوئی کرامت ہے۔ ——— (انتھٰی بلفظہ)

فرمایا یہ کون سا اسٹیشن ہے؟ ادراکِ نسبت کا دلچسپ واقعہ

قاضی محمد زاہد الحسینی تحریر فرماتے ہیں کہ:
حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۶ء میں انتخابی دورہ فرماتے ہوئے صوبہ سرحد کو اپنے قدم سے شرف بخشا۔ مجھے ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو پتہ چلا کہ میں پشاور کے ارادہ سے جب نوشہرہ سے کچھ آگے گذرا تو لب سڑک کھڑے ہوئے مشتاقان دید سے معلوم ہوا کہ حضرت ابھی نوشہرہ تشریف لا رہے ہیں میں وہیں بس سے اتر کر جاں نثاروں کی صف میں کھڑا ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد کوکبہ جلال و جمال حسینیت کا پرچم لہراتا ہوا جلوہ افروز ہوا۔ تقریباً چار میل کا فاصلہ طے ہو کر جلسہ گاہ میں تشریف فرما ہوئے جہاں پہلے سے تقریر کا انتظام کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کے بعد حضرت رح نے ارشادات سے نوازا پروگرام ختم ہونے کے بعد میں نے واپسی کے بارے میں دریافت کیا آپ نے حضرت بادشاہ گل صاحب سے فرمادیا کہ پروگرام بتادیں۔

حضرت تو کسی اور جگہ تشریف لے گئے اور میں سیدھا گھر چلا آیا اور یہاں آکر مشتاقان دید کو اطلاع کردی کہ کل ۲۸ جنوری کو صبر حسینؓ کا علمبردار کیمبلپور سے گذرے گا۔ چنانچہ اکثر احباب ۲۸ کو کیمبل پور پہنچ گئے۔ شام کو حضرت کے استقبال اور زیارت کے لئے مسلمانان کیمبل پور کا ایک انبوہ جس کی قیادت میں سید میر حضرت شاہ صاحب مرحوم ایڈوکیٹ پیش پیش تھے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ گاڑی کے پہنچتے ہی حضرت نے سب سے مصافحہ فرمایا اور اسٹیشن کے برآمدہ میں نماز باجماعت ادا فرمائی جس کے امام آپ خود بنے۔ جب ریل کیمبل پور سے چلی تو یہ سیہ کار بھی ڈبہ میں سوار ہو گیا ٹکٹ پہلے ہی راولپنڈی کا لے رکھا تھا۔ گاڑی میں کھانا گرم کیا گیا اور راس (راقم الحروف) نے میزبانوں کے بادشاہ کے ساتھ کھانا کھایا۔ کتنا پرلطف اور پرکیف وہ منظر تھا، کھانے کے بعد آپ اپنی برتھ پر لیٹ گئے، احقر آگے بڑھا اور پاؤں دبانے کی سعادت حاصل کرنی شروع کردی دل میں ڈر رہا تھا کہ یہ پیکرِ انکسار و مجسمۂ تواضع مجھ کو روک نہ دیں۔ مگر اس آن دلربائی کے قربان! کچھ بھی نہ فرمایا جی کھول کر سعادت حاصل کی حتیٰ کہ گولڑہ کے اسٹیشن پر ریل آکر کھڑی ہوئی۔ راستہ میں کسی بھی اسٹیشن پر کچھ دریافت نہ فرمایا تھا۔ لیکن یہاں پہنچتے ہی فرمایا:۔ کون سا اسٹیشن ہے؟ میں نے عرض کیا کہ گولڑہ ہے۔ یہ سن کر فرمایا:۔ گولڑہ شریف! (جہاں تک خیال ہے چونکہ) حاجی صاحب

نور اللہ مرقدہٗ کے گلشنِ صابری کا ایک سدا بہار پھول یہاں بھی عطر بیز ہے اسی لئے اس مقام کی جانب خصوصی طور پر آپ متوجہ ہوئے (انتھیٰ بلفظہ بتغییر یسیر)

تصرفِ باطنی

حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری تحریر فرماتے ہیں کہ:- ابتدا میں شامتِ اعمال سے فجر و ظہر کے وقت میری آنکھ نہ کھلتی تھی اور نماز فوت ہو جایا کرتی تھی، میں نے اپنی حالت سے حضرت کو مطلع کیا سخت تنبیہہ فرمائی چنانچہ مکتوب ۲۵ مد، مکتوباتِ شیخ الاسلام میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد سے میری یہ کیفیت ہوگئی کہ بلاناغہ فجر و ظہر کے وقت خواب میں حضرت کو غصے کی حالت میں فرماتے دیکھتا تھا کہ کیوں نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے ؟ ؟ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھتا تھا۔ یہ کیفیت تقریباً ایک ماہ رہی جب اچھی طرح نماز کا پابند ہوگیا یہ کیفیت ختم ہوگئی۔

غیر معمولی کرامت

والدہ امین مرحوم (یعنی میری اہلیہ) کا دماغی توازن دفعۃً خراب ہوگیا۔ ۲ ½ سالہ ام سلمیٰ کو ذبح کردینے کی فکر ہر وقت رہتی تھی جب مقامی علاج سے کچھ افاقہ نہ ہوا تو زنانہ ہسپتال سیتاپور لے گیا وہاں بھی شورش کی وہی کیفیت تھی یہ علاج بھی ناکام رہا۔ میں نے انتہائی پریشانی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں تار ارسال کیا اور خود بھی دیوبند روانہ ہوگیا۔ اسی شب میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ نوم و بیداری کی درمیانی حالت میں اُنھوں نے دیکھا کہ وہ ایک دریا کے کنارے جا رہی ہیں۔ ایک درخت کے نیچے ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں اُن کے دل میں معاً خیال آیا کہ میں ناشاد ہوں اور یہ بزرگ شیخ الہند قدس سرہٗ ہیں دفعتاً حضرت کے پاؤں پر گر پڑیں اور رو کر عرض کیا کہ میں مجنون ہوگئی ہوں۔ میرے ماں باپ کا انتقال ہوگیا ہے حضرت میری دستگیری فرمائیں! حضرت نے اُن کے سر کو اوپر اٹھایا اور بڑی شفقت سے فرمایا:- بیٹی تو اس قدر پریشان کیوں ہے، میں نے تجھ کو حسین احمد کے سپرد کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہوگیا اور اُن کو احساس ہوا کہ وہ اسپتال میں پلنگ پر ہیں دفعتاً ہال کی چھت میں ایک تڑاخے کے ساتھ شگاف ہوگیا اور اس سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نہایت وقار کے ساتھ نیچے تشریف لاتے ہوئے دکھائی دیئے اور آتے ہی فرمایا کہ احمد حسین کا تار آیا ہے آخر تم نے کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے ؟ اُنھوں نے اپنا پورا واقعہ عرض کیا۔

نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ اتنی وحشت و پریشانی کی ضرورت نہیں میں نے تم کو اپنی بیٹی بنالیا ہے پھر تم کو اس قدر بدحواس ہونیکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد اُن کے دونوں شانوں کے درمیان اپنا پاؤں رکھ کر دبایا اور چھت کے شگاف سے واپس چلے گئے۔

جب میں دیوبند حاضر ہوا تو اُن کے حالات کو سُن کر بہت افسوس فرمایا اور صاحبزادہ سلمٗ کے ماموں قاری محمد اسحاق صاحب کو ہدایت فرمائی کہ مجھ کو میاں صاحب (یعنی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب) کی خدمت میں پہنچائیں اور میاں صاحب سے تعویذ بھی لکھوا دیں۔ اس زمانہ میں حضرت تعویذ وغیرہ نہیں لکھتے تھے بلکہ اس کام سے بہت دور بھاگتے تھے۔ دیوبند سے واپسی پر میں مریضہ کو مکان لے آیا اور بغیر کسی علاج معالجہ کے چند دنوں میں وہ بالکل تندرست ہوگئیں۔ تعویذ بھی نہیں استعمال کئے گئے، اس دن سے آج تک ان کی دماغی حالت نہایت اچھی ہے حالانکہ یہ مقولہ مشہور ہے کہ جس کو ایک بار جنون ہو جائے تو اس کی سنک عمر بھر باقی رہتی ہے۔ (احمد حسین صاحب لاہرپوری)

رُوحانی تصرف اور برکت

غالباً ۱۹۳۳ء میں اصلاح المسلمین کے جلسہ میں حضرت لاہرپور تشریف لائے۔ کانگریس کا جلسہ بھی انہی تاریخوں میں تھا جس میں آنریبل حافظ ابراہیم صاحب نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ کھانا تقریباً دس آدمیوں کے لئے پکوایا گیا لیکن شب کے کھانے میں باہر دسترخوان پر تیس پینتیس آدمی ہوگئے اور تقریباً اتنی ہی تعداد زنانخ میں تھی۔ گھر میں بحلف بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے تقریباً ستر اسی آدمیوں کا کھانا نکالا۔ لطف یہ ہے کہ صبح کو کافی کھانا دیگچوں میں بچا ہوا پایا گیا۔ یہ محض حضرت کا تصرفِ رُوحانی تھا۔

(حاجی صاحب لاہرپوری)

قبولیتِ دُعا

ایک بار حضرت جولائی میں لاہرپور تشریف لائے۔ امسال باراں (قحط) کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ میں نے مغرب سے متصل حضرت سے دعا کے لئے عرض کیا۔ دعا فرمائی اور مولانا ابوالوفا صاحب کی طرف متوجہ ہو کر بڑی حسرت سے فرمایا۔

؎ یظن الناس بی خیراً و انی　　　لشر الناس ان لم یعف عنی

(یعنی لوگ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں حالانکہ اگر میری مغفرت نہ ہو تو میں سب سے بُرا آدمی ہوں)

حضرت کی دعا کے بعد ابھی جلسہ کے لئے فرش بچھائے جا رہے تھے کہ عشاء سے قبل ہی بارش ہو گئی۔ (حاجی صاحب لاہر پوری)

رُوحانی تصرّفات

میری لڑکی ریحانہ کی عمر تقریباً چار پانچ سال کی تھی۔ گلسوے نکلے تمام چہرہ متورّم ہو گیا تھا بخار بہت تیز تھا ڈاکٹر نے مرہم لگایا اور اُس پر رُوئی رکھ کر پٹی باندھ دی تھی۔ لڑکی بخار کی شدّت کی وجہ سے غافل تھی۔ دفعتہً اُس نے چیخنا شروع کر دیا کہ مولانا دادا آئے ہیں' مولانا دادا آئے ہیں' اُٹھ بیٹھی اور پٹی نوچنی شروع کر دی ہم لوگ پریشان ہو گئے کہ سرسام ہو گیا ہے۔ لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہ ذرا دیر کے بعد نہ بخار تھا اور نہ ورم۔ ریحانہ بالکل اچھی تھی۔ حالانکہ اس نے اپنے ہوش میں حضرت کو دیکھا بھی نہ تھا۔ (لاہر پوری صاحب)

مشتبہ چیز سے حفاظت

اسٹیشن پھگواڑہ (ریاست بیکانیر) پر ہم لوگ ٹرین کے انتظار میں کھڑے تھے حضرت کا سامان میری زیرِ نگرانی تھا جو لالٹین کے ستون کے قریب رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک کتّا آیا اور اُس نے ستون پر پیشاب کر دیا۔ صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پیشاب کی چھینٹیں پانی کی صراحی پر پڑی ہیں یا کہ نہیں۔ ٹرین پلیٹ فارم پر آ چکی تھی قلی نے سامان اُٹھانا ہی چاہا تھا کہ صراحی میں کسی چیز کی ٹکر لگی اور پاش پاش ہو گئی اس طرح اس شبہ سے نجات ملی۔ (موصوف)

ایک حیرت انگیز کرامت

مدینہ منورہ میں قبلہ دکن جانب ہے۔ قبہ خضرا پُورب کے گوشہ میں واقع ہے پچھم جانب بابُ الرحمۃ کے متصل دالان میں حضرت درس دے رہے تھے قبہ خضرا کی جالیاں سامنے تھیں تلامذہ میں سے ایک صاحب کو حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کافی شکوک تھے دورانِ درس ایک بار اُنھوں نے جو نگاہیں اٹھائیں تو سامنے نہ قبہ خضرا تھا اور نہ جالیاں، بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف فرما تھے' اُنھوں نے کچھ کہنا چاہا (شاید دوسرے طلبہ کو متوجہ کرنا چاہتے ہوں) تو حضرت نے اشارے سے منع فرمایا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو سب چیزیں اپنی سابقہ حالت پر تھیں اس وقت مجھے مطلق یاد نہیں آ رہا ہے کہ یہ واقعہ مجھ سے کہاں بیان کیا گیا ہندوستان میں یا مدینہ منورہ میں۔ (حاجی احمد حسین لاہر پوری)

روضۂ مطہرہ سے آپکو سلام کا جواب ملا

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر المدرسین مدرسہ عالیہ فتحپوری (دہلی) تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب انبیٹھوی مرحوم مفتی مالیر کوٹلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے جن کو خدا نے علم ظاہری کے ساتھ تقویٰ اور طہارتِ باطنی کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ صاحبِ سلسلہ بزرگ تھے اور تقریباً سو سال کی عمر میں اب (۱۳۸۰ھ) سے تقریباً پندرہ سال قبل عالمِ آخرت کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ اس خادم کو مرحوم سے شرفِ نیاز حاصل تھا جب کبھی دہلی تشریف فرما ہوتے اکثر و بیشتر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ چونکہ حضرت شیخ سے بھی اس خادم کو شرفِ تلمذ حاصل ہے، اس تعلق کے لحاظ سے مرحوم سے اثنائے ملاقات حضرت شیخ کا بھی ذکر آجایا کرتا تھا ایک ملاقات میں مرحوم نے فرمایا کہ:۔

ایک بار زیارت بیت اللہ سے فراغت کے بعد دربارِ رسالت میں حاضری ہوئی تو مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سُنا کہ امسال روضۂ اطہر سے عجیب کرامت کا ظہور رہوا۔ ایک ہندی نوجوان نے جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھا تو دربارِ رسالت سے " وعلیکم السلام یا ولدی " کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا۔ مولانا مرحوم نے فرمایا۔ اس واقعہ کو سُن کر قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ مزید خوشی کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ سعادت ہندی نوجوان کو نصیب ہوئی ہے۔ دل تڑپ اُٹھا اور اس ہندی نوجوان کی جستجو شروع کی تاکہ اس محبوبِ بارگاہِ رسالت کی زیارت سے مشرف ہو سکوں اور خود اس واقعہ کی بھی تصدیق کروں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ وہ ہندی نوجوان سید حبیب اللہ مہاجر مدنی کا فرزند ارجمند ہے۔ مرحوم نے فرمایا کہ سید صاحب سے ایک گونہ تعارف و تعلق بھی تھا۔ گھر پر پہنچا، ملاقات کی۔ اپنے اس دوست کے سعادتمند سپوت ہندی نوجوان کو ساتھ لے کر گوشۂ تنہائی میں چلا گیا۔ اپنی طلب و جستجو کا راز بتایا اور واقعہ کی تصدیق کی۔ ابتداءً خاموشی اختیار کی لیکن اصرار کے بعد کہا:۔ " بے شک جو آپ نے سُنا وہ صحیح ہے "۔ یہ واقعہ بیان فرمانے کے بعد مولانا مرحوم نے فرمایا:۔ سمجھے؟ یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہی تمہارے استاذ مولانا حسین احمدؒ!۔۔۔

منامی اشارے

مولانا ابوالحسن صاحب حیدری (الہ آباد) تحریر فرماتے ہیں کہ :۔ جب حضرت اقدس مرادآباد جیل میں تھے تو میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرتِ اقدس ایک بہت بڑے کمرے میں فرش زمین پر ایک گاڑھے کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں اور میں حضرتِ اقدس کے پاؤں دبا رہا ہوں۔ میرے اس خواب دیکھنے کے تقریباً ڈیڑھ ہفتہ بعد حضرت کو مرادآباد جیل سے نینی جیل الہ آباد منتقل کر دیا گیا۔ اس خواب کے بارے میں جناب مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کو میں خط لکھ چکا تھا اور تعبیر دریافت کی تھی۔ موصوف کا جواب آیا کہ :۔ لو! اب حضرت کے پیر دباؤ، تمہارا خواب صحیح ہوا۔ اس خواب کی یہی تعبیر ہے۔

مغفرت ہوگئی

جناب حاجی حبیب الرحمٰن صاحب سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں :۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے وقت حضرتؒ سیوہارہ تشریف لے آئے تھے۔ بعد عصر والد صاحب کی درخواست پر حضرت نے اُن کے قلب پر توجہ دی جس سے والد صاحب کو ذکر جاری ہوگیا اور در و دیوار سے اسم ذات کے انوار ظاہر ہونے لگے اس کے بعد کچھ ہی دیر میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا اور حضرت دیوبند تشریف لے گئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد ایک صاحب نے خواب میں ایک بزرگ کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ میاں! مولانا حسین احمد کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے چودھری مختار احمد صاحب کو بھی بخش دیا۔ فللہ الحمد۔

اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے

مولانا عطاء اللہ صاحب بخاری پر جس زمانہ میں سر سکندر حیات کی حکومت نے ایک مقدمہ چلا رکھا تھا جس میں پھانسی کی سزا کا اندیشہ تھا اور لوگ سخت پریشان تھے اس وقت کچھ لوگ نہایت متفکرانہ انداز میں حضرتؒ کی خدمت میں دعا کی درخواست کرنے آئے۔ حضرت سب کی سنتے رہے آخر میں کچھ فرمایا جس کا خلاصہ غالباً یہ تھا کہ راہِ حق میں قربان ہوجانا تو بہت بڑی سعادت ہے اس میں فکر کی کونسی بات ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور شاہ صاحب موصوف بری ہوگئے۔ (مولانا سید طاہر حسن صاحب)

کھانے میں برکت

مولانا عبدالسمیع صاحبؒ مدرس دارالعلوم نے مشکوٰۃ شریف کے درس کے دوران کتاب المعجزات کے ضمن میں حضرتؒ کا ایک واقعہ قسم کھا کر سنایا تھا

اس موقعہ پر سو سے زیادہ طلبہ موجود تھے۔ انھوں نے بیان فرمایا کہ:۔ میں نے ایک روز حضرتؒ کی دعوت کی تھی۔ اتفاق سے اس وقت مہمان تھوڑے تھے، حضرت شیخ نے دعوت قبول فرمائی۔ جب کھانے کا وقت قریب آیا تو مہمان زیادہ ہو گئے۔ حضرت شیخ تمام مہمانوں کو ساتھ لے کر میرے مکان پر تشریف لے آئے مہمانوں کی کثرت دیکھ کر میں پریشان ہوا جس کو حضرت نے محسوس فرمالیا اور مجھے علیحدہ لے گئے۔ میں نے تمام صورتِ حال حضرت کے سامنے رکھدی اور گذارش کی کہ اتنی دیر ٹھہریں کہ میں مزید کھانے کا انتظام کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہی کھانا کافی ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق تمام روٹی و سالن آپ کے پاس لاکر رکھ دی گئی۔ روٹیوں پر ایک کپڑا ڈھک دیا گیا اب حضرت شیخؒ نے اپنے ہاتھ سے کھانا نکال نکال کر دینا شروع کیا مولانا عبدالسمیع صاحب قسم کھا کر فرماتے تھے کہ وہی کھانا سب کو کافی ہو گیا۔ گھر والوں نے بھی کھالیا اور کچھ بچ بھی رہا۔ (مولانا سید طاہر حسن صاحب)

وفاتِ شیخؒ سے پھول بھی کمھلا گئے دارالعلوم کے ایک طالب علم نے حضرت کی خدمت میں چمپا کے پھول پیش کئے، بوتل میں پانی بھر کر پھول اس میں ڈال دیئے گئے اس طرح چمپا کے پھول چار ماہ تک پژمردہ نہیں ہوتے اور خوشنما بھی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت نے اس ہدیہ کو مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور حکم دیا کہ یہ بوتل ان کے کمرے میں میز پر رکھ دی جائے یہ پھول بجائے چار ماہ پورے تین سال تین مہینے تر و تازہ رہے لیکن ۵ دسمبر ۵۷ء کے حادثۂ جانکاہ یعنی وفات شیخ کی وہ بھی تاب نہ لا سکے اور اُن کی تازگی دفعۃً پژمردگی سے تبدیل ہو گئی، سارے پھول اس طرح سیاہ ہو گئے کہ پانی میں بھی سیاہی کا اثر آ گیا۔

(مولانا رشید الدین صاحب داماد حضرت شیخؒ)

کشف ایک مسجد کے امام صاحب آئے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ آپ غسلِ جنابت میں وہی کپڑے پہنے رہتے ہیں جس میں ناپاکی ہوتی ہے حالانکہ اس طرح طہارت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ نجس کپڑا اُتار دینا چاہیئے اور پاک کپڑا پہن کر غسل کرنا چاہیئے۔

دشمن ناکام ہو گئے میں ایک مصیبت میں گرفتار تھا، دشمن سازشیں کر رہے تھے میں نے دامنِ مدنیؒ میں پناہ ڈھونڈی۔ فرمایا:۔ روزانہ پانچسو مرتبہ حَسْبُنَا اللهُ

ونعم الوکیل پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ چند ہی دن مداومت کرنے سے مصائب کے بادل چھٹ گئے۔

(مولانا عبدالسلام صاحب فیض آبادی)

مرض جاتا رہا

الیکشن کا زمانہ تھا حضرت دورہ پر تھے ایک گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے گئے۔ وقت بہت تنگ تھا لوگ چاہتے تھے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں اتنے میں مسلم لیگ کے ایک مقامی رکن جن کے ہاتھ میں شدید درد تھا، علاج ومعالجہ سے عاجز آچکے تھے، دعا کی درخواست کی۔ حضرت دعا پڑھ کر دیر تک دم فرماتے رہے حتّٰی کہ سارا وقت انہیں کی نذر ہوگیا، پھر فرمایا کہ سورہٗ فاتحہ مع بسم اللہ سات مرتبہ پڑھ کر ایک بار دم کیا جائے اور موضع درد کو مریض یا دوسرا کوئی ہاتھ سے پکڑ لے جب دم کرے تو چھوڑ دے۔ غرضیکہ سات بار اسی طرح دم کرے اور ہر مرتبہ مریض درد کا حال بتادے۔ انشاءاللہ چند دن ایسا کرنے سے شفا حاصل ہوجائے گی۔ یہ فرما ہی رہے تھے کہ ایک پیر صاحب کو اپنی طرف آتے دیکھ کر یہ فرماتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ:۔ "آب آمد تیمم برخواست" بہرحال چند دن عمل مذکور پر مداومت کرنے سے مرض زائل ہوگیا۔

ابر کا ٹکڑا

حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب زید مجدہم شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ تحریر فرماتے ہیں:۔

مجھ سے ریاست علی خاں صاحب مرحوم ساکن رسول پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور حضرت مولانا (مدنیؒ) اور میاں سید بشیر الدین صاحب حضرت مولانا کی سسرال قتال پور ضلع اعظم گڈھ جا رہے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے اور گرمی کی شدت سے پریشان تھے میں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حضرت! دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے! حضرت مولانا خاموش رہے۔ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا اور وہ بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فگن ہوگیا اب نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی برستا ہوا آ رہا ہے۔ میں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ وہ دھوپ ہی اچھی تھی اب تو بھیگتے ہوئے سسرال پہنچیں گے۔ حضرت مولانا پھر خاموش رہے۔ یہاں تک کہ پانی سر پر آگیا لیکن خدا کی قدرت ہر چہار طرف پانی برس رہا تھا، گھوڑے پانی میں چل رہے تھے لیکن ہم لوگوں پر پانی کا کوئی قطرہ نہیں پڑ رہا تھا۔ چونکہ خانصاحبؒ نے سید بشیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ساتھ ہونے کا تذکرہ فرمایا تھا اس لئے میں نے ان سے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا تو انھوں نے بھی تصدیق فرمائی۔

فرمایا:۔ مکان کب سے نہیں گئے؟ مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ۱۳۵۲ھ کا واقعہ ہے بارہ ۱۲ سال کی تمناؤں کے بعد میرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان رکھا۔ اس وقت اہل خانہ اپنے وطن حبیب والہ ضلع بجنور ہی میں رہتے تھے۔ تقریباً نو ماہ کے بعد حضرت کی خدمت میں بعد نماز مغرب حسب عادت حاضر ہوا۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا مکان کب سے نہیں گئے (میرا قیام اس وقت بسلسلۂ تعلیم دیوبند تھا) میں نے عرض کیا کہ تقریباً چار ماہ ہوگئے فرمایا کہ گھر جاؤ گھر والوں کا بھی حق ہے۔ میں نے کہا کہ سہ ماہی امتحان قریب ہے اس کے بعد ارادہ ہے۔ ارشاد ہوا کہ امتحان کے بعد بھی ہو آنا اور اب بھی جاؤ! چنانچہ میں نے ارادہ کر لیا مگر کسی وجہ سے تین روز کی تاخیر ہوگئی تیسرے روز گھر سے تار پہنچا کہ نعمان کا انتقال ہوگیا ہے، جانا طے ہی تھا فوراً چل پڑا۔ گھر پہنچ کر نعمان کی بیماری کے جو حالات معلوم ہوئے اُن سے یہ اندازہ صحیح طور پر قائم ہوا کہ گھر جانے کے بارے میں حضرت کے فرمانے کا جو وقت تھا وہی نعمان کی بیماری کی شدت کا تھا اور انجام کار یہی شدت اس کی موت کا سبب ہوئی۔

ٹرین منتظر رہی مولانا سلطان الحق صاحب فرماتے ہیں:۔ ایک دفعہ میں حضرت کو دیوبند اسٹیشن تک پہونچانے کے لئے جا رہا تھا جب تانگہ تحصیل کے سامنے پہونچا تو اسٹیشن سے تانگے مسافروں کو لئے ہوئے واپس ہو رہے تھے (اسٹیشن اس جگہ سے تقریباً پون میل کے فاصلہ پر ہے) میں نے تانگہ والے سے کہا کہ تانگہ واپس کر لو! حضرت نے فرمایا کہ:۔ نہیں! اسٹیشن چلو! میں نے عرض کیا کہ حضرت! گاڑی کو آئے ہوئے اتنی دیر ہوگئی ہے کہ تانگے سواریاں لے کر یہاں تک آگئے ہیں۔ فرمایا:۔ اپنی سی کوشش تو کرنی چاہیئے۔ میں خاموش ہوگیا اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ اس سے کیا فائدہ؟ مگر جب تانگہ اسٹیشن پہنچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی بہت دیر سے کھڑی ہے، بڑا تعجب ہوا۔ حضرت نے ٹکٹ لیا۔ اطمینان سے سوار ہوئے گاڑی چھوٹ گئی، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ انجن ہی میں کوئی بات پیدا ہوگئی تھی۔ حضرت کا یہ سفر بہت ضروری تھا۔

بادل ہٹ گئے

حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمن صاحب رقمطراز ہیں کہ:۔ ہندوستان کی آزادی سے کچھ عرصہ پیشتر کا واقعہ ہے کہ سہنس پور ضلع بجنور میں بڑے پیمانہ پر پولیٹیکل کانفرنس منعقد ہوئی، حضرت قدس سرہٗ غالباً شب کی گاڑی سے وہاں رونق افروز ہوئے۔ کانفرنس کے پنڈال اور میدان کو عمدہ طور پر سجایا گیا تھا۔ جون کا مہینہ تھا۔ پیشتر سے آسمان صاف تھا لیکن تاریخ انعقاد کی شب میں اچانک زور شور کے ساتھ گھٹا اٹھی اور صبح ہوتے ہوتے بارش کے آثار نزدیک ہو گئے۔ یہ دیکھ کانفرنس کے منتظمین گھبرا گئے اور وہ ایک وفد کی شکل میں حضرت کی خدمت میں بارش کے التوا کی غرض سے حاضر ہوئے۔ آپ نے کچھ اس طرح فرما کر ٹال دیا کہ آپ محض اپنی رونق کی خاطر کاشتکاروں کی منہ مانگی مراد کو ملیامیٹ کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت والا خیمہ کے بغلی کمرہ میں آرام فرما ہو گئے اور مجمع وہاں سے چلا آیا۔ آمدم بر سرِ مطلب۔ اسی دوران میں راقم الحروف کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ لے جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ مولوی حسین احمد سے کہدو کہ اس علاقہ کا صاحب خدمت میں ہوں اگر وہ بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا۔ راقم الحروف اسی وقت خیمہ میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر وجہ آمد معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سُنکر ایک عجیب پُر جلال انداز میں بسترِ استراحت ہی پر سے ارشاد فرمایا جائیے! کہد یجئے بارش نہیں ہوگی! چنانچہ باہر آکر یہ جواب پہنچانے کے لئے ہر چند ان صاحب کو تلاش کیا۔ لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں چلے گئے؟ وہ تو نہیں ملے لیکن تھوڑی دیر کے بعد گھرے ہوئے تہ بتہ بادل ہٹنا شروع ہو گئے اور منٹوں ہی میں آسمان صاف ہو گیا۔ پھر جب تک کانفرنس جاری رہی بارش نہیں ہوئی۔

جاں بلب بچہ صحتیاب ہوگیا

الیکشن ۱۹۴۶ء کے سلسلہ میں حضرت مولانا چاندپور سے بذریعہ اسٹیمر گوالندو تشریف لے جا رہے تھے۔ ہمراہ کئی خدام تھے اسی اسٹیمر میں ایک عورت کا بچہ سخت بیمار تھا۔ بخار بہت تیز تھا اور آنکھیں پتھرا رہی تھیں وہ عورت اور اُس کا خاوند دونوں رو رہے تھے۔ حضرت کے ایک خادم نے اس بچہ کی یہ حالت دیکھی تو اُس نے اس عورت کے خاوند سے کہا کہ تھوڑا سا پانی لے کر فلاں کیبن میں جاؤ

ایک بزرگ بیٹھے ہیں ان کے پاس لے جاؤ اور اُن سے دم کرا کے اس بچّہ کو پلا دو۔ مگر یہ نہ بتانا کہ تم سے یہ بات کس نے بتائی ہے چنانچہ وہ ایک گلاس میں پانی لے کر گیا اور حضرت سے دم کرا کے بچّے کو پلا دیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد وہ پھر ایک بوتل میں پانی لے کر آیا اور کہنے لگا بچّہ کو پانی پلاتے ہی بخار اُترنا شروع ہوا اور اس وقت بالکل بخار نہیں ہے۔ اس بوتل کے پانی کو بھی دم کر دیجئے تاکہ اگر پھر اس کی طبیعت خراب ہو جائے تو اسے استعمال کراؤں۔

(مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی)

پھانسی کا حکم منسوخ ہو گیا

منشی محمد حسین صاحب کادی نے ایک واقعہ صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب مدظلہ کے سامنے یہ نقل کیا کہ جس زمانہ میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سابرمتی جیل میں تھے اُسی زمانہ میں منشی محمد حسین صاحب بھی وہاں سیاسی قیدی کی حیثیت سے تھے۔ منشی محمد حسین صاحب حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن شریف اور دینیات پڑھا کرتے تھے۔ ایک اخلاقی قیدی کو پھانسی کی سزا کا حکم ہو گیا۔ اُس نے منشی محمد حسین صاحب سے ذکر کیا کہ تم اپنے باپو سے کہو کہ میرے لئے دعا کریں کہ رہا ہو جاؤں۔ منشی محمد حسین صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی۔ دو ایک مرتبہ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ڈانٹ دیا۔ پھر ایک دن منشی محمد حسین صاحب نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا اس سے کہو کہ فلاں وظیفہ پڑھا کرے۔ چنانچہ اُس نے دو تین روز تک وظیفہ پڑھا مگر اس کے دل کو تسکین نہ ہوئی۔ پھر اُس نے کہلایا کہ باپو سے کہو کہ دعا کریں۔ منشی محمد حسین صاحب حضرت رحمۃ اللہ سے بہت مصر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا جا کر اس سے کہو کہ وہ رہا ہو گیا۔ منشی محمد حسین صاحب نے اس قیدی سے جا کر کہا کہ باپو نے کہہ دیا کہ تو رہا ہو گیا۔ دو ایک روز گذرنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند روز ہی رہ گئے ہیں۔ منشی محمد حسین نے پھر آ کر عرض کیا تو فرمایا:۔ میں نے کہہ تو دیا کہ وہ رہا ہو گیا۔ اس کے بعد دو ایک یوم مقررہ تاریخ میں رہ گئے تھے کہ اُس کی رہائی کا حکم آ گیا۔

خبیث جوگی کے تصرف سے نجات دلا دی

مولانا عبدالحق صاحب دامانی کے سامنے کا واقعہ ہے کہ کانپور کا ایک شخص دیوبند آیا اور اُس نے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ چودہ سال ہوئے میں اپنے وطن میں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہا تھا کہ ایک جوگی گذرا اور اُس نے مجھ پر نگاہ ڈالی بس وہ دن ہے اور آج کا دن میں اس جوگی کے ساتھ ہوں میں کہیں بھی جاتا ہوں تو وہ جوگی اپنی رُوحانی قوت سے مجھے کھینچ لیتا ہے اب میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں میں مسلمان ہوں! اس پر حضرت نے ایک تھپڑ مارا اور ایک وظیفہ بتایا کہ اسے پڑھو۔ چنانچہ رات کو اُس نے وہ وظیفہ پڑھا اور سوگیا۔ صبح اُٹھ کر اُس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک خواب بیان کیا کہ رات میں نے دیکھا کہ ایک شیر مجھ پر حملہ آور ہوا تو آپ نے ایک تلوار لے کر اُس شیر پر حملہ کیا اور اُسے قتل کر دیا۔ اب جب صبح میں اُٹھا ہوں تو اس جوگی کی محبت قطعاً میرے دل میں نہیں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خواب سُن کر فرمایا کہ اچھا تم آج ہی فوراً کانپور چلے جاؤ چنانچہ وہ شخص کانپور چلا گیا۔

وسوسہ دُور ہوگیا

صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب زید مجدہم کا بیان ہے کہ مدینہ طیبہ میں غزالی صاحب دہلوی نے اپنا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دہلی کے ایک سیاسی جلسے میں شریک ہوا حضرت والا بھی اس میں تشریف فرما تھے وہاں میں نے دیکھا کہ کچھ عورتیں بھی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ دل میں خیال گذرا کہ وہ شخص کیسا ولی ہو سکتا ہے جو ایسے مجمع میں ہو جس میں عورتیں بھی موجود ہیں۔ یہ خیال آنے کے بعد حضرت سے اس درجہ نفرت ہوئی کہ میں جلسہ گاہ سے گھر چلا آیا۔ اسی شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت نے مجھے اپنے سینے سے لگایا ہے چنانچہ اسی وقت سے میرا قلب ذاکر ہوگیا اور میری نفرت عقیدت سے بدل گئی (دراصل ایسے جلسوں میں شرکت غض بصر کے ساتھ اور بضرورتاً ہوتی تھی اس لئے وہ وسوسہ بے بنیاد تھا)

(مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی)

یہ تو اچھی خاصی ہے

مولوی بشیرالدین صاحب سہنس پوری کی صاحبزادی سخت علالت کے بعد لبِ دم ہو چکی تھی۔ حضرت بھی اس وقت سہنس پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا موصوف حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر رونے لگے۔ حضرت اسی وقت اُن کے ساتھ زنانخانے تشریف لے گئے اور بچی پر دم کیا اور اس کی چارپائی کے اردگرد چکر لگا کر فرمایا یہ تو اچھی خاصی ہے۔ چنانچہ اُسی وقت سے بچی کو تخفیف شروع ہوگئی اور چند ہی دنوں میں اچھی خاصی ہوگئی۔

کنواں شیریں ہوگیا

دیولہ ضلع بھڑوچ (گجرات) میں ایک مرتبہ حضرت تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے لوگوں نے ایک کنویں کے کھاری ہونے کی حضرت سے شکایت کی حضرت نے علیحدہ پانی پر دم کیا اور اس کو کنویں میں ڈال دیا گیا ساتھ ہی دعا بھی فرمائی، جس کے بعد وہ کنواں شیریں ہوگیا۔

کشفِ قلوب

مولانا اخلاق حسین قاسمی رقمطراز ہیں:۔ حاجی صاحب (یعنی حاجی محمد حسین صاحب گزک والے) بیان فرماتے ہیں کہ ۵۰ء کے آغاز میں جمعیۃ علماء کانفرنس میں حضرت نے شرکت فرمائی میں بھی سعادتِ رفاقت حاصل کرنے کی غرض سے شریکِ سفر ہوگیا۔ حضرتؒ نے مسجد کے متصل ایک حجرہ میں قیام فرمایا، دورانِ قیام میں ایک مرتبہ جب میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اندر سے فرمایا کہ:۔ حافظ صاحب! اندر آجایئے۔ حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے حافظ کا لفظ سُن کر میں سناٹے میں آگیا۔ دل میں شرمندہ ہوا اور خیال آیا کہ مجھے تو قرآن کریم کچھ اچھا یاد نہیں ہے یہ حضرتؒ نے کیا فرمادیا۔ یہ خیال لے کر میں اندر جاکر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی حضرتؒ نے فرمایا:۔ حافظ صاحب! میرا ذہن بھی خراب ہے۔ بھورے رنگ کی ایک خاص چڑیا ہوتی ہے وہ کھایا کیجئے ذہن اچھا ہوجائے گا اور عرب کے لوگ پانی کم پیتے ہیں اُن کا ذہن بھی اچھا ہوتا ہے۔

درد نام کو نہ تھا

قیامِ آسام کا واقعہ ہے کہ سلہٹ کے ایک صاحب بھی ہمارے کمرے میں مقیم تھے، اُن کے گھٹنے میں اتنی شدت کا درد تھا کہ کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ دن رات درد کی شدت سے کراہتے تھے۔ ایک دن حضرت ظہر کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور درد کے مقام کو پکڑوا کر سورۂ فاتحہ (مخصوص ترتیب سے) پڑھی درد اسی وقت ختم ہوگیا اور ایسا ہوگیا جیسے درد نام کو نہ تھا۔ (مفتی عزیزالرحمٰن صاحب بجنوری)

کایا پلٹ گئی

میرا ایک لڑکا پڑھنے میں بدشوق تھا اور اُس میں آوارگی بھی آنے لگی تھی۔ میں نے حضرت سے بار بار اس کی شکایت کی۔ اسی دوران میں میرا بڑا لڑکا محمد ابراہیم جو دارالعلوم میں زیرِ تعلیم تھا رمضان کی تعطیلات کے بعد جب دوبارہ دارالعلوم پہنچا اور حضرتؒ سے ملاقات کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ:۔ تم اپنے بھائی کو نہیں لائے؟ جب محمد ابراہیم نے مجھے یہ بات بتائی تو میں سمجھ گیا کہ اس جملہ میں خاص اشارہ ہے۔ میں نے فوراً اس آوارہ گرد لڑکے کو خدمت

مبارک پن بھیجدیا۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ حضرت شیخ کی ایک ہی نظر نے اللہ کے حکم سے لڑکے کی کایا پلٹ دی۔ جب وہ واپس پہنچا تو ہر ایک کو حیرت ہوئی کہ کیا تھا؟ اور کیا ہوگیا! میری خود یہ حالت تھی کہ میں اُس کی بیہودگیوں سے بیزار تھا اور آج اُس کی سلامت روی پر دہ گرہوں۔ اور اُس کی بے نفسی پر رحم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشے۔ (مولوی محمد جلیل صاحب ضلع گورکھپور)

روٹی خود لیکر مہمان خانہ میں تشریف لائے۔

ایک مرتبہ بیس پچیس مہمانوں کے اندازے سے کھانا تیار کیا گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب مدرسے پڑھا کر لوٹے دسترخوان بچھایا گیا تو معلوم ہوا کہ پچاس سے زائد مہمان ہیں اب بڑی فکر ہوئی کہ فوری طور پر کیسے انتظام کیا جائے، چنانچہ مہمان خانہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو گھر میں بُلایا گیا اور آپ سے صورت حال عرض کی گئی۔ آپ نے فرمایا اچھا لاؤ جتنی روٹی ہو مجھے دیدو۔ چنانچہ دسترخوان میں لپٹی ہوئی روٹی خود لیکر باہر تشریف لے گئے اور اپنے سامنے رکھ کر اس میں سے روٹی نکال نکال کر سب کو دینی شروع کردی جب تمام مہمان کھانے سے فارغ ہوگئے اور دسترخوان اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ دو تین روٹیاں بچ رہی ہیں۔

(مولانا رشید الدین صاحب داماد حضرت شیخؒ)

موت کے منہ سے نجات ملی

غالباً ۴۸ء یا ۴۹ء کا زمانہ تھا جمعیۃ علماء ہند مسلم لیگ کی پالیسی سے علیحدگی کا اعلان کرچکی تھی۔ اس پُر آشوب زمانہ میں جمعیۃ علماء صوبہ یوپی کا اجلاس گورکھپور میں بُلایا گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ بھی اس موقعہ پر تشریف لائے تھے۔ اس اجلاس میں مصاحبت سے بلتھرا روڈ ضلع بلیا کے چند اشخاص شریک ہوئے اور حضرت سے بیعت ہوکر اپنے وطن واپس ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اُن میں سے ایک مرید جن کا نام بارک اللہ ہے سخت بیمار ہوئے۔ ڈاکٹر حافظ محمد زکریا صاحب (جو اس واقعہ کے چشم دید راوی ہیں اور وہ بھی حضرت شیخ سے انہی کے ساتھ بیعت سے مشرف ہوئے تھے) کہتے ہیں کہ میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے آنکھیں پتھرا گئی ہیں آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں پریشان ہوگیا۔ اچانک مریض نے رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اٹھا کر کسی کو سلام کیا اور کہا: حضرت! تشریف رکھئے۔ اور تھوڑے سے وقفہ کے بعد مریض اُٹھ کر بیٹھ گیا

اور اپنے والد وغیرہ سے پوچھنا شروع کیا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت تو یہاں نہیں تھے! مریض نے کہا کہ حضرت مولانا تو تشریف لائے تھے اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرما رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں اچھے ہو جاؤ گے۔ اس واقعہ کے راوی ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ابھی میں وہاں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ دیکھتا ہوں بخار ایک دم غائب ہو گیا اور وہ حضرت کی دعا سے ایسا اچھا ہوا کہ آج تک پھر کبھی بیمار نہیں ہوا۔

(مولانا محمد سلیمان صاحب اعظمی فاضل دیوبند)

دعا کی برکت

بچپن میں میری چشم وابرو میں موذی جرثومے تھے۔ میں نے قرآن حکیم حفظ کر لیا تو تکمیلِ حفظ کی مسرت کے موقعہ پر حضرت تشریف لائے۔ حضرت سے دعا کی درخواست کی گئی، حضرت نے دعا فرمائی وہ دن اور آج کا دن یہ جرثومے خدا کے فضل اور حضرت کی دعا کی برکت سے غائب و ناپید ہو گئے۔ (مولانا عبدالرحمٰن صاحب پھراؤں)

دردِ شقیقہ دُور ہوگیا

۳۸ءاور ۳۹ء میں یہ شکایت رہی کہ سر کے نصف حصے اور بائیں ہاتھ میں بے چینی رہتی بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا کہ فالج ہو گیا ہے علاج بھی کرتا رہا مگر ازالہ نہیں ہوا۔ یہ شکایت شدت پر تھی۔ حضرت مرادآباد تشریف لائے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ مرادآباد سے حضرت سیوہارہ تشریف لے گئے۔ خربوزے حضرت کے ساتھ تھے۔ راستے میں خربوزے کاٹ کاٹ کر خوب کھلائے۔ سیوہارے اُترنا تھا وہاں حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کے یہاں قیام فرمایا۔ وہاں پہنچتے ہی حاجی صاحب نے شربت پیش فرمایا وہ شربت پیا۔ اس کے بعد سے یہ شکایت بفضلہ تعالیٰ رفع ہو گئی۔ آج تک یہ شکایت نہیں ہوئی معلوم نہیں خربوزوں اور شربت کا اثر تھا یا حضرت کی دعا کی برکت تھی۔ (مولانا سید محمد میاں صاحب)

قبر سے ایک باریک سی شعاع نمودار ہوئی

حضرت کے وصال والی شبِ جمعہ میں بارہ تسبیح سے فراغت کے بعد میں کچھ دیر مراقب ہو کر بیٹھ گیا اس وقت میں ٹرین میں تھا اور علی گڈھ ہوتے ہوئے دیوبند جانے کے ارادہ سے سفر کر رہا تھا۔ خواب میں دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت کا وصال ہو چکا ہے ایک کثیر مجمع ہے اور حضرت کی نمازِ جنازہ پڑھی جا رہی ہے میں بھی نمازِ جنازہ میں شریک ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت کو

لوگ قبرستان کی طرف لے چلے اس درمیان میں کافی وقفہ ہوا۔ بعد ازاں آپ کو قبر میں اُتارا گیا اور تمام لوگ مٹی دے کر واپس ہوگئے۔ اس کے بعد میں بھی مٹی دینے گیا اور مٹی دیکر حضرت کی بیٹھک پر واپس آگیا۔ یہاں تک خواب دیکھ چکا تھا کہ بیدار ہوگیا۔ دیوبند پہنچ کر میں حضرت کے مزار پر صبح سویرے آفتاب نکلنے کے بعد حاضر ہوا اور مؤدب ہوکر مزار کی داہنی جانب بیٹھ گیا اور اپنے شواغل میں مصروف ہوگیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت کی قبر شریف سے ایک باریک سی شعاع نکلی اور پُورب رُخ ہوگئی یہ صورت شواغل کے جاری رکھنے تک معلوم ہوتی رہی۔

(حاجی محمد جمال الدین صاحب۔ موضع بدلوچک ضلع بھاگل پور)

خواب میں تنبیہ اور نصیحت

(زمانۂ طالبعلمی میں) ایک روز خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ دارالعلوم کی مسجد میں نمازِ عصر کے لئے گیا ہوں جماعت ہو چکی ہے لیکن حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما ہیں اور تسبیح میں مشغول ہیں میں اُن کی بائیں جانب نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ پھر دیکھا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے اندرونی حصہ سے تشریف لاکر مسجد کے دائیں در میں کھڑے ہوئے اور حضرت شیخ الادبؒ سے مخاطب ہوکر فرمایا: حضرت! دیکھئے آپ کا یہ طالب علم ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہنے ہوئے ہے فوراً شیخ الادب صاحب نے میری طرف حیرت سے دیکھا اور خاموش رہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ مجھ سے مخاطب ہوئے اور غصہ کے عالم میں فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہنتے ہو! اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی۔

ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخؒ سفر سے واپس ہوئے ہیں اور دارالعلوم تشریف لائے ہیں۔ حضرت والا عقب دارِ جدید میں ایک چارپائی پر آرام فرما ہیں۔ میں فوراً حضرتِ والا کے پاس پہنچا اور پاؤں دبانے لگا۔ حضرت والا نے بہت منع فرمایا لیکن میرے بار بار عرض کرنے پر رضامند ہوگئے اسی اثناء میں حضرت نے مجھے کئی مفید ترین نصیحتیں فرمائیں جن میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ:۔ ہمیشہ بزرگوں کی عزت کیا کرو اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آیا کرو انشاء اللہ دنیا میں باعزت رہوگے جیسا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ یعنی جس نے اپنے بزرگوں کی تعظیم نہ کی اور چھوٹوں پر رحم

نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مولانا عرفان الدین صاحب بجنوری)

تقسیمِ ہند کی حتمی پیشین گوئی

اوائل ۱۹۴۶ء جنرل الیکشن کی ہنگامہ خیزیوں کا زمانہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے اُمیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے تمام ہندوستان کا طوفانی دورہ فرمارہے تھے۔ صوبۂ بنگال میں تمام صوبوں کے بعد الیکشن ہوا تھا اس لئے حضرت شیخ الاسلام اواخر فروری میں نواکھالی تشریف لے گئے۔ مختلف مقامات پر حضرت کی تقریروں کا پروگرام بنا۔ آپ کے سفر سے متعلقہ انتظامات راقم الحروف سے متعلق تھے۔ بہرحال ہمارا قافلہ ۲ مارچ کی شام گوپال پور تھانہ بیگم گنج پہنچا۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی مولانا نافع گل اور دیگر چار پشاوری طالبعلم ہمراہ تھے۔ چودھری رزاق الحیدر چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ نواکھالی کے دولت کدہ پر قیام ہوا دوسرے دن ایک عظیم الشان جلسہ میں انتخابی تقریر کرنی تھی نماز عشاء کے بعد ۱۱ بجے طعام تناول کیا اور تقریباً ۱۲ بجے سونے کی غرض سے آرام فرمانے لگے۔ راقم الحروف پاؤں دباتا رہا کچھ دیر کے بعد آپ کو نیند آگئی اور ہم لوگ دوسرے کمرے میں بعض ضروری کاموں کی تکمیل میں مصروف ہوگئے۔ تقریباً دو بجے شب کو راقم الحروف اور چودھری محمد مصطفےٰ (ریٹائرڈ) انسپکٹر مدارس کو طلب فرمایا۔ ہم دونوں فوراً حاضرِ خدمت ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ:۔ لو بھئی! اصحابِ باطن نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کردیا اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال و پنجاب کو بھی تقسیم کردیا۔ یہ سُن کر راقم الحروف نے عرض کیا کہ اب ہم لوگ جو تقسیم کے مخالف ہیں کیا کریں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں اور جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کی تبلیغ پوری قوت کے ساتھ جاری رکھیں گے۔ دوسرے دن گوپالپور کے عظیم الشان جلسہ میں تقسیم کی مضرتوں پر معرکۃ الآراء اور تاریخی تقریر فرمائی۔ اور ایک سال چار ماہ بعد ۳ جون ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل ہند کے غیر متوقع اعلان سے اِس پیشین گوئی کی حرف بحرف تصدیق ہوگئی (مولانا رشید احمد صاحب صدیقی کلکتہ)

منامی اشارے

مشہور بزرگ حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپور (گجرات) کا ایک خواب درج ذیل ہے جس سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی عظمت و برتری کا واضح اشارہ مفہوم ہوتا ہے۔ آپ نے اپنا خواب یوں تحریر فرمایا ہے:۔

الحمدللہ والشکر للہ۔ آج شب یکشنبہ بوقت دو ساعت ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۵۵ء اس روسیاہ سراپا عصیاں کو عالم رویا میں حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد معلوم ہ کی زیارت منامی نصیب ہوئی۔ حضرت سیدنا ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام گویا کسی شہر میں جامع مسجد کے قریب ایک حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور متصل ہی ایک دوسرے کمرے میں کتب خانہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتب خانہ سے ایک مجلد کتاب اُٹھائی جس میں دو کتابیں تھیں ایک کتاب کے ساتھ دوسری کتاب تھی وہ خطبات جمعہ کا مجموعہ تھا۔ اس مجموعۂ خطب میں وہ خطبہ نظر انور سے گذرا جو خطبۂ جمعہ مولانا حسین احمد مدنی مدظلہٗ پڑھا کرتے ہیں۔ جامع مسجد میں بوجہ جمعہ مصلیوں کا بڑا مجمع ہے۔ مصلیوں نے فقیر سے فرمائش کی کہ تم حضرت خلیل اللہؑ سے سفارش کرو کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام مولانا مدنی کو خطبۂ جمعہ پڑھانے کے لئے ارشاد فرمائیں فقیر نے جرأت کر کے عرض کیا تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے مولانا مدنی کو جمعہ پڑھانے کا حکم فرمایا مولانا مدنی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مولانا کی اقتدار میں نماز جمعہ ادا فرمائی فقیر بھی مقتدیوں میں شامل تھا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً کثیراً حضرت سیدا براہیم علیہ السلام ضعیف العمر تھے ریش مبارک سفید تھی (انتھیٰ)

وفات کے بعد جسم مبارک کی حیرت انگیز کیفیت

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رقمطراز ہیں :- سردیوں کے موسم میں ایک اسی سالہ شیخ فانی کے جسم میں نزع رُوح کے تین چار گھنٹہ بعد لامحالہ کرختگی پیدا ہو جاتی ہے مگر مولانا عبدالاحد صاحب اُستاذ دارالعلوم جیسے علما جن کو غسل دلانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حیران تھے اور اب تک حیران ہیں کہ (حضرت شیخؒ کا) جسم مبارک اسی طرح نرم تھا جیسے کسی زندہ شخص کا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھ دھوئے گئے تو انگلیوں سے چٹخنے کی آواز سنی گئی (عموماً) نزع روح کے وقت آنکھیں نیم باز اور دہن نیم وا ہو جاتا ہے ناک کے بانسے اور چہرے کی تازگی میں بھی فرق آجاتا ہے لیکن ہر ایک کو حیرت تھی کہ آنکھیں بالکل بند اور ہونٹ اس طرح ملے ہوئے تھے جیسے کہ سونے کے وقت عادت تھی، روئے انور پر تازگی اور تازگی میں ایک لطیف تبسم کی ایسی شگفتگی موجود تھی کہ اگر پہلے سے یقین نہ ہو تو اس شہید ناز کو مُردہ تصور کرنا ناممکن تھا۔

دعاء کی برکت

ماسٹر سید احمد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: میرے ایک عزیز کے بچے کے جسم پر اس قدر زخم تھے کہ کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ علاج کیا جاتا تھا مگر زخم جوں کے توں رہتے تھے۔ بچہ اور والدین دونوں پریشان رہتے تھے اور بچہ کی زندگی سے مایوس رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت کو دکھایا اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی دن سے آرام ہونا شروع ہوگیا۔ الحمدللہ وہ بچہ اب بھی حیات ہے اور بالکل تندرست ہے۔

حضرت کی دعا اور دوا کا اثر

منشی محمد یٰسین صاحب دھامپوری فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت دھامپور تشریف لائے لیکن بدقسمتی کہ آپ کی تشریف آوری سے چند گھنٹے پیشتر میرے بچہ کا پیر جل گیا۔ حضرت نے اسٹیشن پر میرے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے عرض کر دیا کہ وہ اس وجہ سے نہیں آئے کیونکہ اُن کے بچے کا پیر جل گیا ہے۔ چنانچہ حضرت نے دعا فرمائی اور انڈے کی زردی کا لیپ بتایا۔ صبح کو جب دیکھا تو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سا پیر جلا ہے۔

ایک مسافر بس کا دلچسپ واقعہ

مولانا رحیم الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مظفر نگر سے بذریعہ لاری کھتولی جا رہا تھا۔ اس میں حضرت بھی تشریف فرما تھے۔ لاری میں چوبیس سیٹیں تھیں لیکن سواریاں چھتیس تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جگہ پولیس نے گاڑی روک لی ڈرائیور نے کہا بھی کہ اب جانے دیجئے مگر پولیس والے نے اصرار کیا کہ جب تک گاڑی چیک نہ کروں جانے نہ دوں گا کیونکہ گاڑی میں سواریاں مقررہ تعداد سے زیادہ ہیں۔ بہرحال وہ اندر آیا اور اُس نے سواریوں کو شمار کیا تو چوبیس ہی سواریوں کی تعداد پوری ہوئی۔ غرضیکہ ہر طرف سے اُس نے شمار کیا لیکن سواریوں کی تعداد چوبیس سے زیادہ گنتی میں نہ آسکی۔ حالانکہ مسافر چھتیس ہی تھے۔ بالآخر تھک ہار کر اُس نے گاڑی کو چھوڑ دیا۔

حضرت کی دعا اور اس کا حیرت انگیز اثر

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری خود اپنا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: بانس کندی آسام سے راقم الحروف قیام رمضان المبارک کے بعد وطن کے لئے رخصت ہوا اور حضرت سے دعائے عافیت کرائی چنانچہ اثنائے سفر میں جبکہ گاڑی بدرپور اور پانڈو گھاٹ کے درمیان چل رہی تھی میں صبح

ایسے وقت بیدار ہوا جبکہ بالکل اجالا ہو چکا تھا۔ راقم الحروف نے وضو کیا گاڑی میں اس قدر رش تھا کہ بیٹھ کر بھی نماز کی ادائیگی دشوار تھی۔ جوں توں کر کے کھڑکی کے پاس آیا۔ دیکھا تو سورج طلوع ہونے کے قریب تھا۔ معًا یہ خیال دل میں پیدا ہوا کہ الٰہی میں تو حضرت سے دعا کرا کے چلا ہوں اور یہاں نماز ہی قضا ہو رہی ہے اس خیال کا آنا تھا کہ اچانک جنگل ہی میں گاڑی رک گئی میں نے جلدی سے نماز ادا کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد جوں ہی گاڑی کے پائیدان پر پاؤں رکھا گاڑی روانہ ہو گئی۔

درد کافور ہو گیا

منشی سید محمد شفیع صاحب تحویلدار دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:
ایک دن ہم حضرت کے پاس نماز عصر کے بعد بیٹھے ہوئے تھے۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحب کا تذکرہ ہوا حضرت نے فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ان کے پیر میں نقرس کا درد ہے بہت تکلیف میں ہیں حرکت کرنا دشوار ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت قاری صاحب کے کمرے پر تشریف لائے ہم لوگ بھی ساتھ تھے۔ مزاج پرسی کے بعد حضرت نے انگوٹھے پر دم کیا چنانچہ درد اسی وقت کافور ہو گیا۔ یا یہ حال تھا کہ وہ تڑپ رہے تھے یا یہ کہ ہمارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لائے۔

تالاب کی مچھلیاں کنارے پر آ گئیں

ایک مرتبہ حضرت نے ایک تالاب کے کنارے فضیلتِ ذکر پر تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ دریا کی مچھلیاں تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں۔ یہ فرمانا تھا کہ سینکڑوں آدمیوں نے دیکھا کہ تالاب کی مچھلیاں تڑپ تڑپ کر کنارے پر آنے لگیں۔

بارہ آدمیوں کا کھانا ڈیڑھ سو آدمیوں کو کافی ہو گیا

جناب سید محمد شفیع صاحب تحویلدار دارالعلوم دیوبند جناب مولانا احمد اللہ صاحب کیرانوی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت کیرانہ تشریف لے گئے۔ حضرت کی آمد پر تخمینہ سے کہیں زیادہ مجمع ہو گیا۔ ہم لوگوں نے صرف بارہ آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا اس لئے ہمیں کافی پریشانی ہوئی۔ چنانچہ یہ صورتِ حال حضرت سے عرض کی گئی۔ حضرت نے دعا برکت فرمائی اور کھانے پر کپڑا ڈلوا دیا۔ چنانچہ وہی کھانا کم از کم ڈیڑھ سو آدمیوں کو کافی ہو گیا۔

فرزند کے لئے دعار

سید محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت کی خادمہ شبراتا نے عرض کیا کہ حضرت میری لڑکی کے کوئی بچہ نہیں ہے بہت علاج کرائے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حضرت نے اُس کی درخواست پر ایک تعویذ عنایت فرمایا جس کے بعد اُس کی لڑکی کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا اور بعد ازاں کئی بچے ہوئے جو کہ بحمد اللہ سب بقید حیات ہیں

مدرسہ وبار سے محفوظ رہا

ایک مرتبہ دیو بند میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ دس بیس کیس روزانہ ہو رہے تھے حضرت اس زمانہ میں سفر پر تھے آپ کو خبر دی۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور شہر کی مسجدوں نیز محلوں سے طلبار کو دار العلوم میں بُلالیا۔ اور مدرسہ کے گرد ایک حصار کھینچ دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مدرسہ میں کسی طالب علم کو بخار تک نہیں آیا۔

سی آئی ڈی تلاش میں ناکام رہا

سید محمد شفیع صاحب راوی ہیں کہ شیخ ولی محمد صاحب جون پوری نے فرمایا کہ جس وقت مولانا مدنی نینی جیل میں مقید تھے ان دنوں حضرت کی ڈاک پہنچانے کی خدمت میرے سپرد تھی ایک دن اتفاق سے ایک سی آئی ڈی نے مجھے ریل میں پکڑ لیا اور میری تلاشی لینا شروع کی اگرچہ میرے پاس بہت کافی ڈاک تھی لیکن ایک خط بھی اسے دستیاب نہ ہو سکا۔

گم شدہ واپس آگیا

مولانا منظور احمد صاحب نائب مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سہارن پور کے ایک ہندو کا لڑکا کھو گیا۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت مولانا مدنی کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرے۔ ان دنوں حضرت ٹانڈہ میں مقیم تھے وہ مصیبت کا مارا ٹانڈہ پہنچا اور تمام حالات حضرت کو سنائے اور دعا کی درخواست کی حضرت نے فرمایا کہ اچھا دعا کروں گا۔ چنانچہ وہ ہندو جب گھر واپس پہنچا تو دیکھا کہ لڑکا گھر پر موجود ہے۔

حضرت شیخ کے ساتھ گستاخیوں کی سزا دنیا ہی میں مل گئی

ایک مرتبہ بھاولپور سے حضرت کے یہاں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب تشریف لائے اُنھوں نے حضرت کے سامنے امرتسر کے رہنے والے ایک صاحب کے تاثرات

بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت مدنی کے ساتھ جو گستاخیاں کی تھیں اُن کی سزا دنیا ہی میں مل گئی جس طرح ہم نے حضرت کے سامنے بدتہذیبی کا ننگا ناچ ناچا تھا، ہمارے سامنے ہماری بہو بیٹیوں کو سربازار نچایا گیا خدا اگر مجھے پر دیدے تو میں اُڑ کر حضرت مدنی کی خدمت میں پہنچوں اور اُن سے معافی طلب کروں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باتیں سُن کر اظہارِ افسوس کیا اور اُن صاحب کو معاف کر دیا۔ (مولانا عبدالحق صاحب دامانی مجاز حضرت شیخؒ)

حضرت شیخ کو گالیاں دینے کا وبال

آج بھی ایک صاحب حیات ہیں یہ صاحب حضرت کو ایسی فحش گالیاں دیا کرتے تھے کہ دل لرزنے لگتا تھا قدرت نے اُن سے انتقام لیا اور اُن کے چہرے پر اس طرح آبلے پڑے کہ تمام منہ سوج گیا اور بالکل توے کی طرح سیاہ ہو گیا۔ آج بھی یہ صاحب طبیب ہونے کے باوجود اپنے سیاہ چہرے کو درسِ عبرت بنائے ہوئے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ مجھے مولانا مدنی کو گالیاں دینے کی سزا ملی ہے۔

(انفاس قدسیہ)

اپنی گٹھری کی خیر منایئے

ایک مرتبہ سہارنپور میں جمعیۃ علماء کا جلسہ تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جبکہ لیگ اور کانگریس کے ہنگامے ہو رہے تھے۔ حضرت اس جلسہ میں تقریر کرنے والے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے دعویٰ کیا کہ میں سیاست میں مولانا مدنی سے مناظرہ کروں گا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میاں ظفر احمد اپنی گٹھری کی خیر منائیں مگر وہ کب سننے والے تھے۔ بہرحال حضرت کو آپ کے خدام نے یہ کہہ کر دیوبند واپس کر دیا کہ حضرت آپکی تقریر کل ہوگی۔ حضرت تو دیوبند واپس تشریف لے گئے۔ لیکن چند دنوں کے بعد حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے میاں ظفر احمد صاحب تھانوی کی خلافت چھین لی۔ غالباً اسی بات کی طرف حضرت مولانا الیاس صاحب نے اشارہ فرمایا تھا۔ (انفاس قدسیہ)

گستاخانہ لب و لہجہ کا نتیجہ

۱۳۰۴ھ رمضان المبارک کے موقعہ پر ٹانڈہ میں تراویح کے دوران ایک صاحب حضرت کو نہایت بھونڈے لب و لہجہ میں بکثرت لقمہ دیا کرتے تھے انداز کچھ ایسا تھا کہ حاضرین کو انتہائی ناگوار ہوتا تھا لیکن حضرت کے خوف سے

کوئی شخص انہیں کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ آخر کار ایک دن جب انہیں خون کی قے ہوئی تو انہیں بھی احساس ہوا کہ یہ اُن کی بیہودگی کا نتیجہ ہے۔ (انفاس قدسیہ)

علم سے محرومی

ایک مرتبہ چند طلبار نے اہتمام کے سامنے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ حضرت کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور اُن لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ آپ لوگ یہ طریقہ اختیار نہ کریں ہم آپ لوگوں کے مطالبے کو پورا کریں گے لیکن ان حضرات نے بھوک ہڑتال جاری رکھی۔ ان بھوک ہڑتالی سلہٹی طلبار کی قیادت دو پنجابی طالبعلم کر رہے تھے اور جوشِ حماقت میں یہاں تک کہہ گئے کہ ہم دار العلوم کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ بہرحال معاملہ کسی طرح رفع دفع ہو گیا اور ہڑتال ختم ہونے کے بعد دار الحدیث میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس تحریک میں حصّہ لینے والوں سے سخت تکلیف پہنچی ہے، میں اُن کے حق میں بد دعا تو نہیں کرتا، ہاں ان لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔ مختصر یہ کہ اس تحریک میں حصّہ لینے والے آج بھی حیات ہیں، لیکن نام نہاد مولوی ہونے کے باوجود علم سے یکسر محروم ہیں۔

(انفاس قدسیہ)

حضرتؒ کی بد دعار کا اثر

مولانا ظل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دار العلوم میں طلبار اور علمار کا جلسہ ہوا ایک طالب علم نے جوش میں آکر حضرت مولانا عثمانی کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے حضرت نے فوراً ہی اس کو ڈانٹا اور منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت نے اس سے فرمایا:- جا! تو علم سے محروم ہو گیا مولانا ظل الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ اس طالب علم کو میں نے دہلی میں دیکھا ہے کہ سر پر دیوانوں کی طرح خاک اڑاتا پھرتا ہے۔ (انفاس قدسیہ)

اِمتحان میں کامیابی

جناب حبیب احمد صاحب بجنوری فرماتے ہیں کہ میں چند سال سے ایک امتحان میں شرکت کر رہا تھا لیکن فیل ہو جاتا تھا۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا چنانچہ میں نے حضرتؒ کی خدمت میں لکھا تو حضرت نے ایک دعا پڑھنے کے لئے بتائی اور فرمایا کہ میں دعا کرتا ہوں چنانچہ اس سال میں نے کتاب تک اُٹھا کر نہیں دیکھی لیکن بفضلہ تعالیٰ حضرت کی دعا کی برکت سے سب سے اعلیٰ نمبروں سے

کامیابی حاصل ہوئی۔

غیبی امداد جناب ماسٹر سید احمد شاہ صاحب مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے، میں بھی ملاقات کے لئے اسٹیشن لکھنؤ حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ آپ حج کے لئے نہیں چلتے؟ میں نے عرض کیا کہ دُعا فرمایئے اس وقت تو کوئی سبب ایسا نظر نہیں آتا کہ میں حج کا تصور کروں۔ بہر حال حضرت ابھی بمبئی پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے روپوؤں کا انتظام کر دیا جو سفر حج کے لئے کافی تھے۔ چنانچہ میں فوراً ہی انتظامِ سفر کر کے حضرت کے ساتھ جا ملا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔

تسخیر قلوب مولانا عبدالوحید خاں صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سُورت کا دورہ فرمارہے تھے راستے میں اہلِ بدعت کے ایک گاؤں والوں نے (جن میں بڑے بڑے پیر بھی تھے) جب حضرت کی آمد کی خبر سُنی اور انہیں معلوم ہوا کہ آپ اس طرف سے گذرنے والے ہیں تو جس سڑک سے حضرت کی کار گذرنے والی تھی اس پر تقریباً ایک فرلانگ تک سُرخ کپڑے کا فرش بچھا دیا تاکہ حضرت کی کار اس فرش پر ہو کر گذرے (ایسا استقبال وہ اپنی رسم کے مطابق اپنے سب سے بڑے پیر کا کیا کرتے ہیں)

اسی تاریخ کو شبِ قدر ہوتی رمضان المبارک کے موقع پر بارہا ایسا ہوا کہ جس تاریخ کو آپ نے وتر میں سورۂ اِنَّآ اَنْزَلْنَا تلاوت فرمائی (آثار و قرائن اور علامات سے معلوم ہوا کہ) اسی تاریخ کو شبِ قدر ہوئی۔ بارہا یہ بات بھی تجربہ میں آئی کہ جس تاریخ کو چاند رات ہوتی، حضرت اسی دن صبح سے عید کے لئے انتظامات شروع فرما دیتے تھے ور ایک دن پیشتر قرآن شریف ختم فرما دیتے تھے۔ حضرت کے اس طریقہ کی بنا پر حضرت کا ہر خادم ہی بتا سکتا تھا کہ آج چاند رات ہے۔ (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری۔ انفاس قدسیہ)

سامانِ غیب جس سال حضرت نے آخری حج کا ارادہ کیا اس سال بظاہر کوئی ایسا سبب نہیں تھا کہ اتنے اخراجات کا انتظام ہوتا لیکن جب سفر کا زمانہ قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ ہی کے اخراجات کا انتظام نہیں کیا بلکہ آپ کے ہمراہ

آپ کے صرفہ پر تقریباً ایک درجن آدمی سعادتِ حج و زیارت سے بہرہ یاب ہوئے۔

(انفاسِ قدسیہ)

نامعلوم شخص نے مدد کی

رستم دھوبی بجنوری (ایک صوفی اور مجذوب قسم کے آدمی) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں سوا مہینے رہا۔ سردی کا زمانہ تھا۔ جب آپ سے رخصت ہو کر سہارنپور کے اسٹیشن پر آیا تو گاڑی میں جگہ نہیں مل رہی تھی ابھی میں پریشان ہی تھا کہ کیا کروں اچانک ایک صاحب چوغہ پہنے ہوئے میرے قریب آئے اور فرمایا کہ بجنور کیوں نہیں جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے کم نظر آتا ہے بیٹھنے سے معذور ہوں۔ یہ سن کر ان صاحب نے مجھے گود میں اُٹھا کر گاڑی میں بٹھا دیا۔

(انفاس قدسیہ)

اس جلسہ کی صدارت کون صاحب فرمائینگے

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری انفاسِ قدسیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ (حضرت کے) وصال سے کچھ عرصہ قبل راقم الحروف نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ حاضر ہوں۔ حضورِ اقدسؐ کے مزارِ مقدس کے قریب ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اس کے گرد بہت سے اولیاء اللہ موجود ہیں کچھ بیٹھے ہوئے ہیں اور کچھ کھڑے ہیں جیسے کسی کے منتظر ہوں۔ میں نے ان میں سے کسی صاحب سے دریافت کیا کہ اس جلسہ کی صدارت کون صاحب فرمائیں گے؟ تو مجمع ہی میں سے کوئی صاحب بولے کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی اس جلسہ کی صدارت فرمائیں گے اُن ہی کا انتظار ہے۔

دنیا تو برباد ہو گئی۔ اب آخرت کے لئے دُعا کر دیجئے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھاگل پور تشریف لائے ہوئے تھے حاجی ایوب صاحب جلیل کے توسط سے ایک نابینا آیا اور یوں عرض کرنے لگا کہ:۔ حضرت! جب آپ لیگ کے دور میں بھاگل پور تشریف لائے تھے تو میں ہی وہ شخص تھا جس نے آپ کو کالی جھنڈی دکھائی تھی اور گالیوں کے ساتھ پتھر پھینکے تھے۔ ہوا یہ کہ واپسی کے وقت ابھی راستے ہی میں تھا کہ میری دونوں آنکھیں بصارت سے محروم ہو گئیں۔ توبہ کی غرض سے مسجد میں گیا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی شخص دھکے دیکر نکال رہا ہے۔ حضرت! میری دنیا تو برباد ہو گئی۔ اب آخرت

کے لئے دُعا کر دیجئے اور میں نے جو قصور کیا ہے اُسے معاف کر دیجئے! اس شخص کا انداز بیان ایسا تھا کہ حاضرین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بہرحال حضرتؒ نے اُسے بڑی شفقت و محبت سے اپنے پاس بٹھایا اور تمام حاضرین کے ساتھ اُس کے حق میں دعا فرمائی نیز اُس کو معاف کر دیا۔

(مولانا عبدالرشید صاحب مونگیری)

ان کو مُردہ نہ کہو

جس شب حضرت شیخ کو سپردِ خاک کیا گیا اُس کے اگلے دن جمعہ کی نماز کے بعد راقم الحروف سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب فرما رہے ہیں:۔ کیا تم مولانا کو مُردہ سمجھتے ہو؟ جو اتنا روتے ہو اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری۔ انفاس قدسیہ)

خوشرنگ بدلیاں

ایک صاحب نے حضرت کے مزار مقدس کے قریب مراقبہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر خوشنما بدلیاں منڈلا رہی ہیں اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے۔ خود مزارِ مقدس پر ایک خوشنما اور بہت بڑا فوارہ ہے جس سے پانی گر رہا ہے اور ساتھ ہی یہ صدا آ رہی ہے۔ ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ (انفاس قدسیہ)

حضرت شیخؒ کے رُوحانی تصرفات بارگاہِ مدنی تک مولانا حیدری صاحب کی رسائی کا حیرت انگیز واقعہ

مولانا ابوالحسن صاحب حیدری الحسینی تحریر فرماتے ہیں:۔ ...... اگرچہ حضرت مولانا (مدنی) سے میں پہلے نہ حسن ظن رکھتا تھا اور نہ بدظن تھا۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کانگریس میں شریک ہیں اور اس کے حامی ہیں یک بیک میری طبیعت موصوف کی جانب سے متنفر ہو گئی اور میں ہر صحبت میں مولانا پر طعن و تشنیع کرتا کہ سننے والے بھی انگشت بدنداں رہ جاتے اور مجھ سے کہتے کہ ایسے بزرگ عالم کی شان میں کیا کہتے ہو؟ الغرض لوگ مجھے بہت سمجھاتے رہے لیکن میں تقریباً دو سال ہر مجلس میں حضرت مولانا کی شان میں نامناسب کلمات استعمال کرتا رہا۔ دو سال کے بعد اسی عالم میں حضرت کی کرامت کا پہلا ظہور ہوا۔ ایک شب (اپنی قیام گاہ اجمالستان کی جنوبی گیلری میں بعد عشاء حسب معمول سو رہا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ نورانی صورت ایک بڑے کمرے میں جس میں چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں وسط میں چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور گرد و پیش بہت سے لوگ مؤدبانہ گردن جھکائے بیٹھے ہیں یہ دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی اور میں اُٹھ بیٹھا۔

طبیعت بہت مسرور و محظوظ تھی اس وقت تین بجے تھے اُٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اس خواب سے اس قدر مسرت ہوئی کہ پھر دوبارہ بالکل نیند نہیں آئی اور دن بھر طبیعت پر ایک کیف طاری رہا۔
تھوڑے دنوں کے بعد ایک شب پھر خواب دیکھتا ہوں کہ وہی نورانی شکل و صورت کے بزرگ ایک صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں، ایک کتاب ہاتھ میں ہے اس کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ دو چار آدمی اور بھی اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی سلام کر کے ایک جانب بیٹھ گیا۔ ان بزرگ نے نگاہ اُٹھا کر میری جانب دیکھا اور پھر دوبارہ مطالعہ میں مصروف ہوگئے۔ اس کے بعد میں بیدار ہوگیا۔ اگرچہ کسی سے یہ خواب بیان نہیں کیا لیکن اس کے اثرات ذہن پر مرتسم ہو کر رہ گئے۔
پھر ایک شب خواب دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد ہے کثرت سے نمازی آرہے ہیں اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھتے جارہے ہیں۔ میں بھی وضو کر کے دوسری صف میں جا کر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد دیکھا کہ وہی بزرگ اسی شکل و صورت میں آگے کھڑے ہیں پھر انھوں نے امامت فرمائی۔ نماز ختم ہونے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس خواب سے میرے دل پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے
تھوڑے دنوں کے بعد چوتھی مرتبہ پھر ایک شب خواب دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ اسی شکل و صورت میں جسم پر مدنی عبا ڈالے ایک ایسے مقام پر بیٹھے ہیں جو میرے لئے اجنبی ہے۔ میں نے دوڑ کر چاہا کہ ان سے مصافحہ کروں لیکن وہ بزرگ اُٹھ کر جلدی سے ایک مکان میں چلے گئے اور میں متحیر ہو کر دیکھتا رہ گیا
ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سردی کے موسم میں رات کے وقت خلاف معمول بیدار رہ کر فصوص الحکم کا مطالعہ کرتا رہا۔ جب گھڑی نے گیارہ بجائے تو میں نے اُٹھ کر نماز عشاء ادا کی اور بستر پر لیٹ گیا مگر نیند نہیں آئی پھر اُٹھ کر روح المعانی کا مطالعہ کرنے لگا۔ ایک بجے خیال پیدا ہوا آج خلاف معمول بیدار ہوں اگر آنکھ نہ کھلی تو نماز فجر جاتی رہے گی اسی خیال میں تھا کہ یکایک نیند آگئی اور کتاب سینے پر کھلی کی کھلی رہ گئی۔ اسی عالم میں کوئی خواب دیکھنا شروع کیا۔ اس وقت وہ خواب تو مجھے یاد نہیں رہا لیکن اسی اثناء میں ہوا یہ کہ میرے داہنے شانے کو کسی نے دو تین بار جھنجھوڑا اور کہا کہ اُٹھو نماز پڑھ لو جھنجھوڑنے سے مجھے اس قدر احساس ہوا کہ میں جاگ اُٹھا اور پلنگ پر بیٹھ کر کچھ دیر تک اِدھر اُدھر استعجابانہ دیکھتا رہا۔ کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو سٹکنی حسب معمول بند تھی۔ میں نے اُٹھ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور مصلے پر بیٹھے بیٹھے سوچنے لگا کہ یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے؟ میرا کمرہ بند ہے پھر کس

نے اس قدر زور سے میرا شانہ پکڑ کر ہلایا۔ مصلے پر بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی۔ میں اونی چادر اوڑھے ہوئے تھا اسی چادر میں لپٹے ہوئے جائے نماز پر ہی سو گیا۔ خواب دیکھ رہا ہوں کہ میں آسمان پر اُڑ رہا ہوں کچھ لطف آ رہا ہے، کچھ خوف کھا رہا ہوں۔ دیر تک اسی عالم میں رہا۔ بفضلہ تعالیٰ نماز فجر کے وقت بیدار ہو گیا۔ دن بھر طبیعت بہت پُر کیف رہی۔ ان خوابوں کے دیکھنے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ یا اللہ یہ کیسے خواب ہیں اور وہ کون بزرگ ہیں جو متعدد بار خواب میں نظر آئے۔

اب مجھے ان پانچ بار خواب دکھانے والے بزرگ کی جانب زیادہ توجہ ہوئی اور ذہن میں تجسس پیدا ہوا کہ یہ کون سے بزرگ ہیں؟ اسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ ایک روز میرے خالہ زاد بھائی مولانا محمد میاں سلمہٗ اعظمی فاضل دیوبند آئے اور سلام علیک کر کے ایک جانب بیٹھ گئے اس وقت میں مثنوی مولانا روم کے مطالعہ میں مصروف تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں اُن کی جانب متوجہ ہوا اور اثنائے گفتگو میں خوابوں کا تذکرہ ہوا، تو وہ قدرے غور کے بعد مسکرائے۔ میں نے دریافت کرتے ہوئے کہا کہ کہئے! جناب متبسم کیوں ہیں؟ وہ پھر ہنسے اور ہنس کر فرمانے لگے آپ کو خواب میں نظر آنے والی شکل و صورت اور ہیئت ہو بہو اُن کی ہے جن کو آپ بُرا بھلا کہتے ہیں، جن کے خلاف آپ تقریر کرتے ہیں، میں نے کہا کہ کس کی؟ تو ہنس کر کہنے لگے کہ جناب مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی! جو حلیہ آپ بیان کرتے ہیں یہ بعینہٖ انہی کی شکل و شباہت ہے۔ مولانا محمد میاں سلمہٗ کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولانا سے مار کھا گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ مار کھانے کے کیا معنیٰ ہیں؟ کہنے لگے بس آپ مولانا کے شکار ہو گئے۔ میں بالکل خاموش ہو گیا اور عزیزم مولوی محمد میاں سلمہٗ ہنستے مسکراتے چلے گئے۔ میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور دیر تک دعا کرتا رہا کہ یا اللہ ان خوابوں میں جو بزرگ مجھے دکھائے گئے ہیں اُن کا انکشاف فرما دے۔ جب نماز اور دُعا سے فارغ ہو کر اٹھا تو اپنے دل میں ایک عجیب تغیر محسوس کیا اور وہ یہ کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی نفرت محبت سے تبدیل ہو چکی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی جانب سے کبھی نفرت اور بیزاری تھی ہی نہیں اور پھر حالت یہ ہو گئی کہ لیل و نہار چلتے پھرتے، سوتے جاگتے حضرت مولانا ہی کی طرف دھیان رہنے لگا، مولانا محمد میاں سلمہٗ نے کئی بار کہا کہ آپ کو حضرت مولانا قبلہ سے خاص روحانی نسبت پیدا ہو گئی ہے اور آپ کا حصہ مولانا تھانوی کے یہاں نہیں ہے

ایک شب حسبِ معمول (خواجہ صاحب کی کوٹھی، جمالستان کی جنوبی گیلری میں سو رہا تھا کہ چھٹی مرتبہ وہی بزرگ خواب میں نظر آئے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے اس مسجد میں وہی بزرگ رونق افروز ہیں، کچھ نمازی مسجد میں آرہے ہیں اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھتے جاتے ہیں، میں بھی وضو کر کے مسجد میں پہنچا اور ان مقدس بزرگ کے سامنے باادب بیٹھ گیا انھوں نے اپنے دست مبارک سے مجھے ایک چیز عطا کرتے ہوئے فرمایا تو اس کو کھالو! میں اسے کھا گیا اور اس کے کھانے سے مجھ کو اس قدر حظ حاصل ہوا کہ اس کی تشریح سے زبان قاصر ہے۔ ہاں اتنا مجھے یاد ہے کہ جو چیز مجھے عنایت کی گئی وہ سبز پان کی گلوری سے مشابہ تھی۔ اس خواب کے پندرہ بیس روز بعد ہمارے اسکول میں محرم کی تعطیل ہوئی اور میں الہ آباد سے اپنے مکان غوث پور ضلع غازی پور آگیا۔ یہاں پہنچ کر چھوٹے بھائی بشیر احمد حیدری سلمہٗ کی اہلیہ کے علاج کے سلسلہ میں غازی پور جانا ہوا۔ میں غازی پور علی الصباح پہنچا۔ ابھی شہر کی دوکانیں بند تھیں، میں سڑک پر ٹہل رہا تھا کہ حکیم محمود الحق صاحب کی دوکان کھلی اور میں ایک کرسی کھینچ کر لبِ دوکان بیٹھ گیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ مدرسہ دینیہ کے چند مولوی صاحبان چلے آرہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ حضرات اتنے سویرے کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جارہے ہیں تو ان حضرات نے بتایا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، مولانا محمد عمر فاروق صاحب کے پاس مدرسہ دینیہ میں قیام پذیر ہیں اور آج تین بجے کی ٹرین سے یوسف پور تشریف لیجائیں گے یہ خبر فرحت اثر سن کر جی میں آیا کہ ابھی مولانا سے ملوں مگر پھر سوچا کہ زنانہ سواری میرے ساتھ ہے اس طرح روا روی میں ملاقات ٹھیک نہیں ہے، مولانا تو میری بستی کے قریب ہی تشریف لے جارہے ہیں، وہیں یوسف پور پہنچ کر ملاقات کروں گا۔

(مختصر یہ کہ) ۱۱ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ یوم پنجشنبہ کو میں صبح کے وقت جناب محمد خلیل خاں صاحب کے ہمراہ یوسف پور پہنچا۔ جناب حکیم محمد احسن صاحب رئیس اعظم کے دولتکدہ پر پہنچ کر دیکھا کہ بہت سے حضرات صحن میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی اجازت لے کر اندر گیا تو وہاں مولانا ابوالحسن صاحب سلمہٗ مہتمم مدرسہ دینیہ نظر آئے جوں ہی اُنھوں نے مجھے دیکھا وہ میری طرف لپکے۔ اُن سے سلام و مصافحہ کے بعد میں نے دریافت کیا کہ مولانا مدظلہٗ کہاں ہیں؟ وہ مجھے مولانا کی خدمت

بابرکت میں لے گئے اور میرا تعارف کرایا۔ حضرت مولانا اس وقت اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے اور مجھ سے باتیں بھی کرتے جاتے تھے، بہت ہی محبت اور توجہ کے ساتھ گفتگو فرمائی اور پھر وہاں سے اُٹھ کر آپ کمرے میں تشریف لے گئے۔ بارہ بجے میں نے مولوی ابوالحسن صاحب سلمۂ سے کہا کہ آپ حضرت کی خدمت میں میری طرف سے جاکر عرض کر دیجئے کہ میں حلقہ بگوشوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میرے کہنے پر موصوف حضرت کے کمرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ کی درخواست قبول کرلی گئی اور بعد مغرب حضرت نے بیعت کے لئے فرمایا ہے۔ نماز مغرب کے بعد تمام حضرات تو حکیم صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اور ہم تین چار آدمی مسجد ہی میں ٹھہر گئے، ایک میں تھا، میرے ہمراہ خلیل خانصاحب تھے اور ایک حکیم صاحب تھے جو بلیا سے بغرض بیعت تشریف لائے تھے۔ نوافل سے فراغت کے بعد حضرت نے فرمایا کہ بیعت ہونے والے حضرات آجائیں! میں لبیک کہتے ہوئے جلدی سے حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اور دوسرے دونوں حضرات بھی پہنچ گئے۔ حضرت نے ہم تینوں افراد کو اپنے دستِ حق پرست پر بیعت کا موقعہ دیا۔ جس وقت حضرتِ اقدس تلقین فرما رہے تھے میں لرزہ براندام تھا اور ایک عجیب کیفیت مجھ پر طاری تھی۔ بعد تلقین حضرت اقدس نے کچھ اوراد اور وظائف بتائے پھر مسجد سے اُٹھ کر قیام گاہ پر تشریف لائے ..... میں حضرت سے بیعت ہونے کے بعد رُوحانیت کی لذت سے آشنا ہوا۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ لذیذ شے جو حضرت نے مجھے خواب میں عطا فرمائی تھی، وہ یہی رُوحانیت کا لذیذ لقمہ تھا۔ ؎

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست
دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست
(مولانا رُوم رح)

جسمانی زیارت سے قبل منامی ملاقات کا ایک اور واقعہ

مولانا ظفیر الدین صاحب رکن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند رقمطراز ہیں:۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رح فرماتے تھے کہ مجھے زندگی بھر سیاسی جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی اس کے باوجود غیر محسوس طور پر حضرت مدنی کی بزرگی کا قائل ہوں اور موصوف اس سلسلہ میں اپنا سب سے پہلا واقعہ زمانۂ طالب علمی کا بیان فرماتے تھے۔ یہ واقعہ اپنے طویل مضمون "دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن"

میں بھی تحریر فرما چکے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ زمانۂ طالب علمی میں مولانا زکریا صاحب نے جو کہ میری ہی طرح طالب علم تھے مجھ سے اصرار کیا کہ چونکہ تم ٹونک سے منطق پڑھ کر آئے ہو اس لئے مجھے ایک کتاب پڑھا دیا کرو۔ میں پہلے ہی سبق کے مطالعہ کی غرض سے رات کو بیٹھا تو مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں جنگلی سوروں کے نرغے میں ہوں اور بُری طرح گھر گیا ہوں۔ میں ہزار کوشش کرتا ہوں مگر اُن کے نرغہ سے رہائی نہیں ہو رہی ہے، اچانک ایک بزرگ ریوالور لئے ہوئے نمودار ہوتے ہیں اور کھٹ کھٹ تمام سوروں کو مار ڈالتے ہیں۔ پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ مذکورہ خواب سے میں اس درجہ متاثر ہوا کہ میں نے منطق پڑھانے سے انکار کر دیا۔ وہ بزرگ جو خواب میں نظر آئے تھے اُن کی شکل وصورت بخوبی ذہن میں مستحضر تھی لیکن میں نے کبھی اُن کو دیکھا نہیں تھا۔ عجیب اتفاق کہ انہی ایام میں حضرت مدنی حجاز سے تشریف لائے اور جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں اُن پر نگاہ پڑی تو میں نے فوراً شناخت کر لیا کہ یہ وہی صاحب ہیں جو مجھے خواب میں نظر آئے تھے طلباء سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ ہی مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہیں۔ (الحرم میرٹھ مدنی نمبر)

کشف حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری تحریر فرماتے ہیں:۔ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں میرے لڑکے مولوی محمد امین کا انتقال عین عنفوان شباب میں ہوا۔ حضرت کے کل افراد خاندان کے تعزیتی خطوط آئے مگر حضرت کی طرف سے بالکل خاموشی تھی لوگوں کو حیرت تھی میرا اندازہ تھا کہ غالباً حضرت خود تشریف لانے والے ہیں بالآخر میرا خیال صحیح نکلا۔ حضرت خود تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ مگر کس حالت میں؟ پشت پا سے لے کر گھٹنے تک گہرا زخم جس سے رطوبت جاری، سخت سردی کا موسم، اسٹیشن ہرگاؤں سے لاہرپور تک تقریباً بارہ میل کا یکہ کا سفر تقریباً دس بجے شب کو لاہرپور پہنچے وہ بھی اس حال میں کہ سر سے پاؤں تک گرد میں اٹے ہوئے (اس وقت سڑک بے حد خراب تھی اور ہر وقت یکہ اُلٹ جانے کا اندیشہ رہتا تھا) میں حضرت کی یہ حالت دیکھ کر سخت بدحواس ہو گیا۔ دل بے اختیار بھر آیا۔ ایک ادنیٰ کفش بردار کو تشفی دینے کے لئے حضرت نے اس قدر زبردست تکلیف گوارا فرمائی۔ حضرت نے دریافت کیا کہ میرا تار نہیں ملا؟؟ (اس وقت لاہرپور کے ڈاک گھر میں تار نہ تھا اور سیتاپور سے تار معمولی

ڈاک سے آیا کرتے تھے) میں نے نفی میں جواب دیا۔ پھر فرمایا کھانا کھا چکے؟ میں نے عرض کیا ابھی کھا کر اُٹھا ہوں۔ ارشاد ہوا جو کچھ بچا ہو لے آؤ۔ اللہ اللہ اپنی تکلیف پریشانی اور ہیجان کا کوئی احساس نہیں البتہ خیال تھا تو صرف یہ کہ بے وقت خدام کو زحمت نہ ہو۔ فجر کے وقت فرمایا کہ نماز کہاں ہوگی؟ میرے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا کہ مسجد میں! فرمایا کہ میں تو مسجد تک نہ جا سکوں گا۔ میں نے عرض کیا اسی جگہ جماعت ہو جائے گی ابھی انتظام ہوا جاتا ہے میں نے یہ کہہ تو دیا لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش حضرت کسی صورت سے محمد امین مرحوم کی قبر تک تشریف لے جا سکتے اور اُس کے لئے دُعائے مغفرت فرماتے! یہ خیال دل میں آیا ہی تھا کہ پھر کر جو دیکھتا ہوں تو حضرت مسجد کی جانب تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں دوڑا اور کہنے لگا کہ حضرت! نماز یہیں ادا فرمائیے! لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور مسجد تشریف لے گئے جو قیام گاہ سے تقریباً تین چار سو گز کے فاصلہ پر ہے اور اُس کے دروازہ پر محمد امین مرحوم کی قبر ہے۔ بعد نماز دیر تک فاتحہ اور دُعائے مغفرت میں مصروف رہے حالانکہ اس حالت میں حضرت کے لئے کھڑا ہونا سخت تکلیف دہ تھا۔

حضرت کی برکت سے معطل جیلر بحال ہو گیا

آزادیٔ ہند کی جنگ میں اگست ۱۹۴۲ء کا زمانہ جبر و تشدد کے لحاظ سے بدترین سمجھا جاتا ہے۔ ایک طرف ہندوستان انگریزوں کو "کوئٹ انڈیا" (ہندوستان چھوڑ دو) کا واضح چیلنج دے چکا تھا۔ دوسری جانب برٹش سامراج کا مہیب دیو پوری قوت سے ننگا ناچ، ناچ رہا تھا۔ مار پیٹ، قتل و غارت گری اور قید و بند غرضیکہ تمام حربے استعمال کئے جا رہے تھے جیلیں بھر چکی تھیں اور کیمپ جیل قائم کئے جا رہے تھے۔ اس وقت کے جیل معمولی جیل نہ تھے۔ حکومت کو ہندوستانی افسران پر اعتماد نہ تھا اور کثیر تعداد میں سی آئی ڈی کے اہلکار والنٹیر بن کر جیل پہنچ چکے تھے تاکہ لیڈروں کے ساتھ حکام جیل کسی قسم کی رعایت نہ کر سکیں اس لئے ذمہ داران جیل بھی زیادہ محتاط رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ ڈسٹرکٹ جیل مراد آباد کے جیلر جذبۂ آزادی سے معمور محبِ وطن جناب کیدار ناتھ بنرجی صاحب تھے؛ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے اکثر پارسل، پان، پھل اور دوسری ضروری اشیاء کے آتے رہتے تھے جو بلا کسی حجت کے حضرت کو

پہنچا دیئے جاتے تھے لیکن سی آئی ڈی کی رپورٹیں برابر حکام اعلیٰ کو پہنچ رہی تھیں جس پر جناب بنرجی کو تنبیہہ ہو چکی تھی۔ ایک دن پانوں کا پارسل آیا جس کا علم صرف بنرجی صاحب ہی کو تھا اور کسی کو نہ تھا۔ موصوف نے وہ پارسل بنظر احتیاط روک لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسب معمول وہ بارکوں کے معائنہ (راؤنڈ) کی غرض سے گئے۔ حضرت مدنیؒ کے ساتھ اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب اور دیگر حضرات تھے۔ جیسے ہی جناب بنرجی صاحب حضرت کے سامنے آئے حضرت نے فرمایا۔ کیوں صاحب! آپ نے میرے پانوں کا پارسل روک لیا ہے۔ خیر کچھ حرج نہیں آج اس میں سے صرف چھ پان دید یجئے۔ پرسوں تک دوسرا پارسل آجائے گا۔ حضرت کی بات سُن کر بنرجی کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت کو پارسل کا علم کیسے ہوگیا۔ بہر حال موصوف نے چپکے سے پان لاکر حاضر کر دیئے۔ حضرت نے صرف چھ عدد پان لے کر بقیہ واپس کر دیئے اور فرمایا کہ جو پارسل پرسوں آئے گا اس کو نہ روکے گا تیسرے دن حسب ارشاد پانوں کا پارسل آیا تو موصوف کو مزید حیرت ہوئی اور حضرت سے متعلق اُن کی عقیدت مندی میں اضافہ ہوگیا اور پھر کوئی پارسل نہ روکا۔ اسی دوران میں حضرت کے نام ایک خط آیا جس پر مرکزی حکومت کے سنسر بورڈ کی مہر لگی ہوئی تھی اور غلطی سے مراد آباد آگیا تھا موصوف نے یہ سوچ کر کہ سنسر شدہ مکتوب ہے حضرت کو دیدیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر جنرل جیل خانجات بلا اطلاع دفعۃً آپہنچے اور دریافت کیا کہ مولانا مدنی کے نام اس صورت کا کوئی خط آیا تھا وہ کہاں ہے؟ انھوں نے کہا چونکہ وہ خط سنسر شدہ تھا اور اس پر مہر لگی ہوئی تھی اس لئے میں نے وہ خط انہیں دینے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا۔ اس بات پر انسپکٹر جنرل بہت برہم ہوا اور کہنے لگا کہ وہ بہت اہم خط تھا انہیں کیوں دیدیا گیا؟ مرکزی حکومت سے کیفیت طلب ہوئی ہے۔ دونوں میں بحث طول پکڑ گئی اور اس کا نتیجۃً ہوا کہ بنرجی کو معطل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے فوراً ہی بعد صاحب موصوف حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دیکھتے ہی ہنس کر فرمایا کہ چھ پان دیئے تھے اس لئے صرف معطل ہوئے اگر نہ دیتے تو کیا ہوتا؟؟ وہ سخت متعجب ہوئے کہ یہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے کسی کو خبر نہیں حضرت کو کیسے علم ہوگیا؟ بہر حال اُنھوں نے اپنی موجودہ پریشانی کا اظہار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آجائے گا بالکل مطمئن رہو اور پھر ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی جبکہ دوسرے دن کی ڈاک میں جو سب سے پہلی چیز ان کے سامنے آئی، وہ

معطل کے حکم کی منسوخی کی تحریر تھی اس واقعہ کے بعد جناب بنرجی صاحب اور دیگر عہدہ داران جیل حضرت کے بے حد معتقد ہوگئے اور ہر قسم کی خدمت کے لئے تیار رہنے لگے۔ سی آئی ڈی کو یہ بات کب گوارا ہوسکتی تھی اُس نے تفصیل حالات حکام بالا تک پہنچا دیئے۔ تحقیقات ہوئی اور چونکہ بنرجی صاحب حضرت سے وعدہ کرچکے تھے کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے اُنھوں نے نہایت ہمت اور جرأت سے کل باتیں تسلیم کرلیں اور بیان دیدیا کہ وہ حضرت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتے کیونکہ وہ بہت پہنچے ہوئے مہاتما ہیں۔ اور پھر یہ سب باتیں حضرت سے بھی آکر بتادیں۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا! چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (نئی دنیا عظیم مدنی نمبر)

یوں بھی رہنمائی ہوتی ہے

۱۹۵۳ء کے موسم گرما کی بات ہے، ایک پرسکون شب کا آخری اور پُرسکون حصہ رخصت ہو رہا تھا عالم رویا میں اچانک سرسبز و شاداب میدان نظر آیا۔ جس کے سرے پر کوئی درخت موجود تھا۔ دفعۃً حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ اس درخت کی جانب کسی شخص کے ہمراہ بڑھ رہے ہیں۔ درخت کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی محسوس ہوئی اور دُور سے ایک شبیہ نظر آئی۔ اسی اثنار میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس درخت کے نیچے پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغلگیر ہوئے آپ کے ساتھ جو صاحب تھے وہ بھی ملاقات سے مشرف ہوئے۔ بیدار ہونے کے بعد اگرچہ خواب کی تعبیر سمجھنے سے قاصر رہا لیکن اس سے جو رُوحانی سکون اور قلبی انبساط حاصل ہوا اُس نے مجھے تعبیر کی جستجو سے مستغنی کردیا۔ میں نے کسی سے اس کا تذکرہ تک نہ کیا۔ چند روز کے بعد مزید رویائے صالحہ باعثِ مسرت بنے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ایک شفاف گلاس ہے اور آپ اس سے کچھ نوش فرما رہے ہیں۔ جس وقت کچھ تھوڑا سا مشروب باقی رہ گیا وہ مجھے عنایت فرمادیا۔ بیدار ہوا تو نمازِ فجر کے لئے تکبیر ہو رہی تھی۔ اس دوسرے خواب سے متعدد منامی اشاروں کے مفہوم کی تعیین ہوگئی اور میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ یہ رویائے صالحہ دراصل بیعت کی ترغیب ہیں۔ اگرچہ کارِ خیر میں استخارے کی حاجت نہ تھی لیکن نفس کی حیلہ جوئی کو بھی کچھ مشغلہ درکار تھا۔ ذہن میں یہ بات آئی کہ "دیوان حافظ"

سے کیوں نہ فال اخذ کی جائے۔ قدرے پس وپیش کے بعد ایک صاحب سے کتاب مستعار لے آیا اور فاتحہ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کتاب کھولی تو سب سے پہلے جس شعر پر نظر پڑی وہ یہ تھا ؎

اے نور چشم من سخنے ہست گوش کن
تا ساغرت پر است بنوشاں و نوش کن

شعر کا مفہوم نہایت واضح تھا اس لئے اگرچہ فریب نفس کے سارے دروازے مسدود ہو چکے تھے لیکن پھر بھی روشنیٔ طبع نے ایک دوسرا شوشہ چھوڑا اور وہ یہ کہ چونکہ اس کام میں ذمہ داریاں بہت ہیں اس لئے اس ارادے کی تکمیل کو آئندہ سال کے لئے کیوں نہ ملتوی کر دیا جائے؟ ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا اور بہت ممکن تھا کہ میں اس وسوسہ کا شکار ہو جاتا لیکن اپنے اس خیال کی تائید کے لئے جب دوبارہ کتاب کھولی تو خلاف توقع یہ شعر سامنے تھا ؎

تکیہ بر اختر شب گرد مکن کیں عیار
تاج کاؤس ربود و کمر کیخسرو

یہ شعر فریب نفس کے تابوت میں آخری میخ ثابت ہوا۔ چنانچہ تمام کارروائیوں سے فراغت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیعت کے لئے درخواست پیش کی۔ آپ نے فرمایا:۔ جایئے پہلے خوب استخارہ کیجئے! یہ سُن کر سناٹے میں آگیا ایسا محسوس ہوا جیسے کہ اس جملہ میں طنز کے سینکڑوں نشتر پوشیدہ ہوں مگر خاموش رہا۔ چند روز کے بعد جب دوبارہ عریضہ پیش کیا تو وہی سابق جواب ملا۔ اس کے بعد حضرت کو ایک طویل سفر پیش آگیا اور تقریباً ایک ماہ کے بعد جب سفر سے واپسی ہوئی تو تیسری مرتبہ درخواست پیش کی۔ فرمایا:۔ استخارہ کر چکے؟ میں نے عرض کیا:۔ جی ہاں! ہو چکا استخارہ جتنا ہونا تھا' اب میں نہیں کروں گا آپ بیعت کر لیجئے! فرمایا اچھا مغرب کے بعد دیکھا جائے گا اور پھر مغرب کے بعد ایک مبارک خواب حقیقت کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ مؤلف)

کشف اور پردہ پوشی

رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور حضرت ٹانڈہ (ضلع فیض آباد) میں قیام پذیر تھے ایک روز نماز ظہر کے بعد حضرت نے مجلس میں کوئی بات دریافت فرمائی۔ میں نے بعض مصالح کے پیش نظر بزعم خویش پیچیدہ سا جواب دیا۔ مقصد تھا کہ اصل بات

مخفی رہے اور اس پر کذب صریح کا بھی اطلاق آسانی سے نہ ہوسکے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جوڑ کر کے مجھے اس قدر اُلجھایا کہ میں پریشان ہوگیا اور محفل زعفران زار بن گئی۔ گفتگو کے وقت راقم الحروف حضرتؒ کی چارپائی پر تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آہستہ سے فرمایا دھوکا دیا۔ یا دھوکا کھایا یہ کہہ کر میری جھینپ دُور کرنے کے لئے خود بھی ہنسی میں شریک ہوگئے اور حاضرین میں سے کسی کو بھی خبر نہ ہوئی کہ حضرت نے کیا فرمادیا۔ (مؤلف)

مجھے آج تک حیرت ہے

بانسکنڈی میں ایک رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔ سحری میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہم سات آٹھ افراد شریک رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا عبدالرشید صاحب مبارک پوری نے چائے بنائی اور ایک پیالی میں شکر ڈالنا بھول گئے۔ اب اسے سوئے اتفاق کہیئے یا ہماری بدقسمتی کہ حضرت کی خدمت میں وہی پیالی پہنچ گئی جس میں مٹھاس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ حاضرین چائے نوشی میں مصروف ہوچکے تھے کہ بالکل خلافِ عادت مجھے نہ معلوم کیا سوجھی کہ میں دریافت کر بیٹھا:۔ حضرت! شکر کا کیا حال ہے؟؟ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا:۔ جب آپ جیسے چائے بنانے والے ہوں گے تو خود سمجھ لیجئے کہ شکر کا کیا حال ہوگا؟؟ حضرت کی اس بات پر سبھی ہنس پڑے لیکن اپنی شرمندگی دُور کرنے کی غرض سے فوراً بول اٹھا کہ حضرت! چائے میں نے نہیں بلکہ مولانا عبدالرشید صاحب نے بنائی ہے اگرچہ موصوف نے اشارے سے مجھے خاموش رکھنا چاہا لیکن مذکورہ جملہ آناً فاناً اس طرح ادا ہوگیا کہ وہ دیکھتے ہی رہ گئے اور جب حضرت رحمۃ اللہ اپنے ہاتھ سے ڈیڑھ دو چمچہ شکر لے چکے اُس وقت موصوف کو خیال آیا کہ ایک پیالی میں شکر ملانی بھول گئے تھے۔ اس لطیفے میں اگرچہ کوئی خاص ندرت نہیں ہے مگر مجھے آج تک اس بات پر حیرت ضرور ہے کہ آخر وہ کون سے محرکات تھے جو خلاف عادت میرے لئے شکر سے متعلق مذکورہ سوال کا باعث بنے۔

(مؤلف)

فراست ایمانی

یہ بھی بانسکنڈی (آسام) کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کمرے میں تشریف فرما تھے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور حاضرین دروازے تک موجود تھے اُن کو سامنے سے ایک بھاری بھرکم بزرگ شاید حافظ محمد سورتی صاحب

آتے ہوئے نظر آئے۔ کسی صاحب نے کہا کہ دیکھئے فلاں صاحب کس طرح جھومتے ہوئے آ رہے ہیں۔ جب وہ کمرے میں پہنچ گئے تو حضرت انھیں مخاطب کرتے ہوئے تعریضاً فرمانے لگے:۔ دیکھئے! یہ صاحب آپ کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ کیسے ہاتھی کی طرح جھومتے ہوئے آ رہے ہیں۔ حضرت کی اس بات پر حاضرین ہنس پڑے اور بات ختم ہوگئی۔ لیکن میں اس ذہنی خلجان میں مبتلا ہوگیا کہ متکلم نے جب ہاتھی کا لفظ نہیں استعمال کیا تو مولانا نے کیسے فرمادیا؟ حضرت کے قریب بیٹھا ہوا میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چند ثانیہ کے بعد آپ نے فرمایا۔ ہاتھی کے لفظ کا اضافہ میں نے کیا ہے ان صاحب کا مقصد یہی تھا۔ حضرت کے اس ارشاد سے میرا تردد رفع ہوگیا اور جب یہ خیال آیا کہ روایت بالمعنیٰ کے وقت الفاظ میں تبدیلی کی گنجائش رہتی ہے تو اپنے وسوسہ پر ندامت بھی ہوئی۔ (مؤلف)

(۲)

کردار و عمل کے آئینے میں
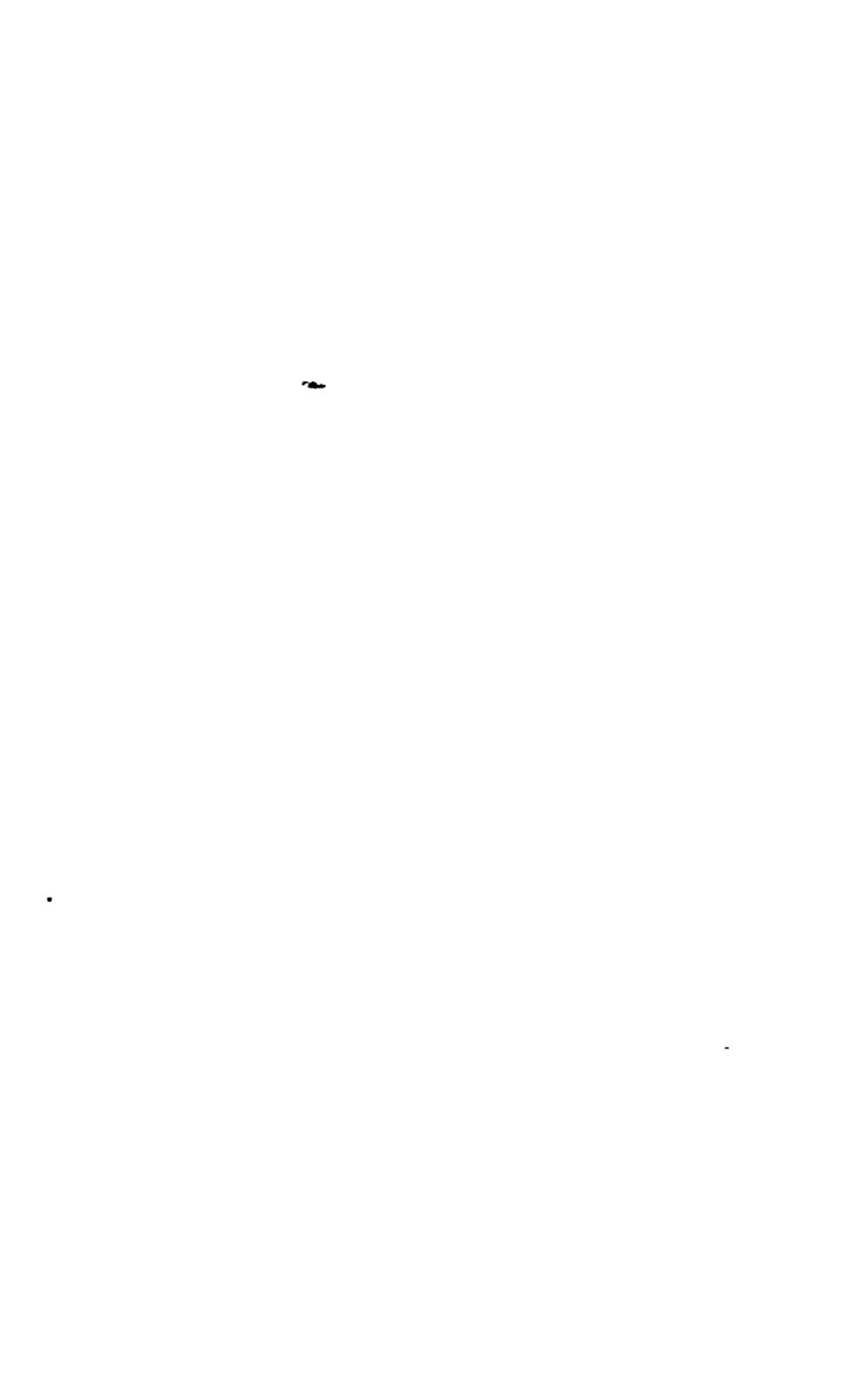
کمالِ تقویٰ

شرائطِ ملازمت کی تجدید دارالعلوم دیوبند کی صدارت کے لئے خداوند عالم کے فضل و کرم نے ہمیشہ ایسے بزرگوں کو منتخب فرمایا ہے جو علم و فن کے تبحر کے ساتھ زہد و تقویٰ سے بھی مزین رہے ہیں۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ اسرارہم کے سینے دریائے علم کے سرچشمے تھے تو اُن کے مبارک قلوب تجلیاتِ الٰہیہ کے عرش معلیٰ اور فیوض و برکات کے منبع ثابت ہوئے۔ حضرت علامہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ العزیز کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حضرت شیخ الاسلام کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی صدارت پیش کی گئی جس کو آپ نے مصالح مدرسہ کے پیش نظر منظور فرمالیا۔ لیکن مسلمانوں کی ہمہ جہت مذہبی و سیاسی خدمات کا جذبہ جو آپ کی رگ و پے میں نفوذ کئے ہوئے تھا اُس نے اجازت نہیں دی کہ عام مدرسین کی طرح آپ ملازمت اختیار کر کے محصور ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے اہتمام سے کچھ شرطیں طے کر لیں جن کے دائرے میں آپ کو سیاسی جد و جہد کے لئے آزادی حاصل تھی اور مہینہ میں ایک ہفتہ آپ کو اختیار تھا کہ اس سلسلہ میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اس کے لئے کسی مزید رخصت اور اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی وفات ہوئی اور منصبِ اہتمام پر مولانا قاری محمد طیب صاحب فائز ہوئے تو آپ کا یہ کمال تقویٰ تھا کہ آپ نے ارکانِ شوریٰ سے سابقہ شرائط کی دوبارہ تجدید کی اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد اراکین شوریٰ کی جانب سے ہر ماہ ایک ہفتہ کی بلا وضع تنخواہ رخصت سے بلا وضع کی قید حذف کر دی گئی اور تمام اساتذہ کی طرح آپ کو بھی وضع تنخواہ کے ساتھ رخصت ملنے لگی۔

زادِ راہ کیا ہوگا؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شادی کے موقع پر ہندوستان میں سسرال والوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ مدینہ جانے کے دو سال بعد اپنے خرچ پر اہلیہ محترمہ کو ہندوستان واپس لا کر خاندان والوں سے ملاؤں گا۔ جب دو سال پورے ہونے کو

آئے تو آپ کو ایفائے وعدہ کے سلسلہ میں تشویش لاحق ہوئی کیونکہ زادِراہ کا کوئی انتظام نہ تھا آپ کے تلامذہ، معتقدین اور متوسلین کی تعداد کچھ کم نہ تھی، اس کے باوجود آپ نے اپنی پریشانی کا اظہار کسی سے بھی نہ فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ راوی ہیں کہ اس موقعہ پر آپ نے رات کے وقت روضۂ اطہر کی جالیاں پکڑ کر دُعا فرمائی کہ اے اللہ تو میرے وعدہ کو پُورا کرادے اور اپنے محبوب کے صدقہ میں مجھے اپنی بات میں سچا رکھ!

اس کے بعد آپ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ لوگ بار بار سوال کرتے کہ سفر خرچ کا کیا ہوگا حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہنس کر فرماتے کہ :۔ اللہ دیگا۔

جماعت کی پابندی

۱۱ رشعبان ۱۳۳۴ھ کو شریف حسین کی فوجوں نے طائف کا محاصرہ کر لیا۔ اور صبح سے قبل ہی حملہ ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخؒ اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ محصور ہو گئے ہر وقت سروں پر سے گولیاں گذرتی رہتی تھیں لیکن یہ اللہ والے مسجد ابن عباس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ادا فرماتے۔ راستہ انتہائی خطرناک تھا۔ لوگوں نے منع کیا فوجیوں نے سمجھایا لیکن یہ حضرات ترک جماعت پر راضی نہ ہوئے ایک دن مغرب کے بعد یہ حضرات نوافل میں مشغول تھے مسجد ابن عباس کے سامنے والے ترکی فوجوں کے مورچے پر تمام عربی فوجیں پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئیں نڈر نوجوان پسپا ہو کر اس مسجد ابن عباس میں آگئے اُنھوں نے چھتوں اور میناروں کو مورچہ بنا کر گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ طرفین میں سخت جنگ ہوئی۔ مسجد پر عرب فوجیں بارش کی طرح گولیاں برسا رہی تھیں۔ مگر اللہ والوں کی یہ جماعت بڑے اطمینان سے نوافل میں مشغول رہی۔ جب یہ حضرات نوافل سے فارغ ہو گئے تو ترک نوجوانوں کی ہمت بڑھانے میں معروف ہو گئے فرماتے جاتے تھے کہ گھبرانا مسلمان کا کام نہیں ہے اور اس موت سے اچھی کوئی دوسری موت نہیں۔

ایک طرف جانِ عزیز ہے تو دوسری طرف دیانت
اگر ہم بزدل ہوگئے تو دیانت کی خیر نہیں

ترکوں کے خلاف شریف حسین کی بغاوت کے بعد اس کے اشارے اور انگریزی ایجنٹوں کے مشورے سے ایک استفتاء مرتب کیا گیا جس میں ترکی حکومت کی بُرائی اور شریف حسین کی حکومت کی منقبت تھی، علمائے عرب کے دستخطوں کے حصول کی مہم شروع کی گئی۔ چنانچہ

بہت سے عرب علمائنے ترک حکومت کو ملحدوں کی حکومت اور شریف حسین کو خلیفۃ المسلمین لکھا۔ اور فتوی پر دستخط کر دیئے۔ لیکن یہ استفتار تو ایک سازش کا نتیجہ تھا۔ برطانوی ایجنٹوں نے کہا کہ ان علمار کے دستخطوں سے کیا فائدہ؟ ہمیں تو شیخ الہندؒ اور مولانا حسین احمد کے دستخطوں کی ضرورت ہے، جو ہندوستان کے مشہور وبا اثر عالم ہیں۔ چنانچہ شریف حسین کے دارالشورہ میں یہ بات بہت پسند کی گئی اور ۲۸ محرم ۱۳۳۵ھ کی شام کو شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج نے نقیب العلمار کی معرفت اس تحریر کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا۔ جب یہ نقیب العلمار حضرت شیخ الہند کی قیام گاہ پر عصر کے بعد پہنچے تو آپ کے سامنے حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف لئے ہوئے موجود تھے اور درس ہو رہا تھا۔ نقیب العلمار نے تحریر پیش کی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کا عنوان بتارہا ہے کہ اس کا تعلق علمار وخطبائے مکہ سے ہے اور چونکہ ہم لوگ علمار مکہ سے نہیں ہیں اس لئے ہمیں اس پر لکھنے کا کوئی حق نہیں! پھر آپ نے نقیب العلمار کو علیحدہ لے جا کر سمجھایا کہ تم شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سے کہدینا کہ صرف اس وجہ سے دستخط کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ نقیب العلمار واپس چلے گئے۔ اس کے بعد وہ نہ تو کوئی تحریر ہی لائے اور نہ کچھ جواب دیا۔ مگر یہ بات مشہور ہوئے بغیر نہ رہ سکی کہ حضرت شیخ الہندؒ نے تحریر پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اس پر شریف حسین اور برطانیہ کے ہندوستانی وحجازی ایجنٹ سخت برہم ہوئے اور جب اندیشہ ہوا کہ شاید تحریر دوبارہ آئے تو ان حضرات نے صاف طور سے اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا کہ ہم دستخط نہ کرینگے اور اگر مجبور کیا گیا تو لکھ دیں گے کہ ترک حکومت اسلامی حکومت ہے اور شریف حسین باغی ہے جب بعض مخلصین نے سمجھانے کی زیادہ کوشش کی تو انھوں نے گرج کر فرمایا کہ ایک طرف جان عزیز ہے تو دوسری طرف دیانت اگر اس وقت ہم نے بزدلی کا ثبوت دیا تو دیانت کی خیر نہیں! شدہ شدہ یہ باتیں شریف حسین تک پہنچ گئیں اور اس نے آپ حضرات کو گرفتار کر کے حکومت برطانیہ کے حوالے کر دیا جس نے آپ حضرات کو مالٹا میں قید کر دیا۔

اسارتِ مالٹا کے زمانہ میں مشتبہ گوشت سے پرہیز

جزیرہ مالٹا میں بہت سے مسلمان قیدی تھے ان میں ایک معتد بہ تعداد علمار اور اہل فضل کی بھی تھی۔ قیدیوں کو جو

گوشت دیا جاتا تھا اس کے بارے میں یہ بات تقریباً یقینی سی تھی کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں ہے یہ گوشت آسٹریلیا اور دیگر ممالک سے درآمد کیا جاتا تھا اور برف خانوں میں اس کے ذخائر برسوں سے محفوظ تھے چونکہ اس کے بارے میں تقریباً یہ بات یقینی تھی کہ اہل اسلام کا ذبیحہ نہیں ہے اس لئے حضرت شیخ الہندؒ و حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام دیگر رفقاء کے ساتھ اس کے کھانے سے کلیتہً پرہیز فرمایا۔ ترکی اور شامی علماء اس گوشت کو بڑے اطمینان سے استعمال کرتے تھے کیونکہ حکام جیل نہ تو اس گوشت کو واپس لیتے تھے اور نہ حلال گوشت کے انتظام پر آمادہ ہوتے چنانچہ بعض علماء نے کہا کہ یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ جائز ہے اور بعض نے اپنے عمل کی یوں تاویل کی کہ ہم مضطر ہیں اس لئے یہ گوشت ہمارے لئے حلال ہے مگر اہل اللہ کی یہ جماعت اپنے فیصلہ پر قائم رہی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ سے بعض علماء نے بحث کی اور آپ نے ان کو بہت تشفی بخش جواب دیا لیکن پھر بھی وہ گوشت کی لذت سے دستبردار ہونے کے لئے آسانی سے تیار نہ ہوئے بلکہ بعض حضرات نے یہ کہدیا کہ ہم لوگ نصاریٰ کے قیدی ہیں۔ عیسائی افسران کو اگر یہ بات معلوم ہوئی تو معلوم نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ یہ سُن کر حضرت رحمۃ اللہ نہایت برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ ان عیسائیوں کو ہمارے جسموں پر قابو ہے وہ ہمیں اذیتیں دے سکتے ہیں تختہ دار پر چڑھا سکتے ہیں لیکن ہمارے قلوب کو پروردگار کی اطاعت سے نہیں پھیر سکتے اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب رجوع کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی جس میں اس ذبیحہ کی حرمت کو واضح طریقے پر بیان کیا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہر حلال جانور کے ذبیحہ کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں اوّل تو یہ کہ شرعی ذبح ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت اسم الٰہی ذکر کیا جائے۔ البتہ اگر ذبح کرنے والا مسلم ہے اور وہ اتفاقاً ذبح کرتے وقت تسمیہ بھول گیا تو حسب ارشاد نبویؐ ایسا جانور حلال ہے الغرض جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں وہاں مذکورہ شرائط کا فقدان ہوتا ہے۔ عموماً بڑے شہروں میں مشین سے ذبیحہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل مسکت اور تشفی بخش تھے لیکن بعض حضرات نے یہ نکتہ اُٹھایا کہ جب کسی چیز کی طہارت و نجاست کے دونوں پہلو متصور ہوں تو جب تک ایک پہلو کے بارے میں ظن غالب اور یقین حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اِلخ

حضرتؒ نے فرمایا کہ ذبح کا حکم اس سے مختلف ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ بہت سے قیدیوں نے یہ حرام گوشت کھانا چھوڑ دیا اور بغیر گوشت کے ہی گذارا کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب تقویٰ کے لئے ایک دوسری صورت پیدا فرمادی۔ ہوا یہ کہ مولانا وحید احمد صاحب چونکہ ترکی اور انگریزی زبان سے بخوبی واقف تھے اس لئے رفتہ رفتہ افسران سے آپ کی بے تکلفی ہوگئی اور آپ نے اُن کے تعلقات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس بات کی کوشش کی کہ باہر سے مرغی، کبوتر، مچھلی وغیرہ منگانے کی اجازت دیدی جائے مگر افسران نے بتایا کہ قلعہ میں کوئی جانور ذبح نہیں کیا جاسکتا آپ باہر سے ذبح کرا کے آلائش دور کرنے کے بعد اندر منگا سکتے ہیں۔ مولانا وحید احمد صاحب نے فرمایا کہ ہم تو اپنے ہاتھ سے ذبح کرکے کھانا چاہتے ہیں۔ چونکہ محافظین اور افسران قانونی پہلو سے مجبور تھے اس لئے انھوں نے انکار کردیا مگر مولانا وحید احمد صاحب بھی اپنی دُھن کے پکے تھے اپنے موقف پر جم گئے اور دفتر انتظامات کو لکھا کہ ہم چونکہ مسلمان ہیں اور ہم مذہبی پہلو سے مجبور ہیں۔ لہذا گوشت ہم صرف اس شرط پر کھا سکتے ہیں جبکہ ہمیں زندہ جانور دیا جائے اور خود ذبح کریں اس کے بغیر ہمارے لئے کسی قسم کے گوشت کا استعمال ناممکن ہے۔ اگرچہ اس مراسلت کا سلسلہ طویل ہوگیا لیکن انجام کار خصوصی طور پر آپ حضرات کو اجازت مل گئی۔ صرف اتنی قید تھی کہ جانور محافظین کے سامنے ذبح کیا جائے۔ اور صفائی کی پوری رعایت کی جائے! یہ شرط قبول کرلی گئی اور باہر سے جانور منگا کر ذبح کرنے لگے۔ بہت سے لوگ جو تاویلیں کرکے حرام گوشت کھارہے تھے وہ ان حضرات کے استقلال اور کمال تقویٰ سے نہایت متأثر ہوئے۔ اتفاقاً ایک روز حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں ایک عالم صاحب تشریف لائے یہ حضرت خود کو مضطر کہہ کر عرصہ سے فریب نفس میں مبتلا تھے اور اس حرام گوشت کے جواز کے قائل تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب موصوف کو دیکھتے ہی فرمایا:۔ آیئے مضطر صاحب! تو وہ بہت محجوب ہوئے اور پُر معذرت انداز میں کہنے لگے کہ حضرت! صرف میں ہی نہیں بلکہ بہت سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا تھے آپ نے فرمایا بیشک قرآن کریم نے مضطر کے لئے خنزیر تک کی اجازت دی ہے لیکن مضطر کا صحیح مفہوم سمجھو! مضطر وہ ہے جس کا فاقوں سے یہ حال ہوگیا ہو کہ موت کا ظن غالب پیدا ہوجائے اور کھانے کے لئے کوئی بھی حلال چیز کسی طرح میسر نہ ہو تو اس وقت صرف اتنی مقدار میں حرام شئی کو کھانا جائز ہے جتنی مقدار سے زندگی محفوظ ہوجائے

مگر یہ دیکھ لو کہ شریعت کے خلاف ہے

مالٹا سے رہائی کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے مشفق استادِ محترم کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تو آپ کی جاں نثاری، مجاہدانہ کارناموں اور اُستادِ محترم کے ساتھ والہانہ تعلق سے پورا ملک متاثر تھا۔ آپ کا قافلہ بمبئی سے دہلی ہوتا ہوا دیوبند روانہ ہوا اور بمبئی سے دیوبند تک کے تمام اسٹیشنوں پر قوم نے جس انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا اُس کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں خصوصاً دہلی کے اسٹیشن پر تاحدِ نظر انسانی سروں کا جنگل نظر آتا تھا اور لوگ وفورِ جذبات سے اس طرح بے قابو ہوگئے تھے کہ اسٹیشن کا تمام نظام ہی درہم برہم ہوگیا تھا۔ سلطان الانقلاب زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعروں کی یہ کیفیت تھی کہ معلوم ہوتا تھا عمارتیں پھٹ جائیں گی۔ اسٹیشن پر انگریز افسران اور کثیر تعداد میں فوج اور پولیس موجود تھی۔ ان اللہ والوں کا قافلہ جب رات کے وقت ۹ بجے دیوبند پہنچا تو یہاں بھی لوگوں کے جذبات کی عجیب کیفیت تھی۔ یہ حضرات پہلے دارالعلوم تشریف لائے اور وہاں سے تقریباً گیارہ بجے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دولتکدہ پہنچے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کا خاندان پہلے ہی سے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت گرویدہ تھا اور اسارتِ مالٹا کے زمانہ میں آپ نے جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال خدمت فرمائی اُسے دیکھتے ہوئے ہر شخص کا قلب آپ کے بارے میں جذباتِ عقیدت سے لبریز ہوجاتا تھا یہاں تک کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ جو نہایت ضعیف اور بیمار تھیں اس حد تک متاثر ہوئیں کہ فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ میرا فرزند حسین احمد میرے سامنے آئے اور میں اُس کی بلائیں لوں۔ یہ بات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے کہی گئی تو آپ نے نہایت رقت انگیز لہجہ میں فرمایا کہ واقعی اگر میرا بیٹا ہوتا تو وہ بھی اس قدر میری خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا۔ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ وہ تمہارے سامنے آجائے۔ مگر یہ سوچ لو کہ ایسا کرنا شریعت کے خلاف ہے اور تمہیں گناہ ہوگا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ نہایت دیندار تھیں اُنھوں نے اپنا خیال ترک فرمادیا اور پسِ پردہ بیٹھ کر اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا اور گفتگو فرمائی۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

ایفائے وعدہ

نینی جیل الٰہ آباد سے حضرت شیخ الاسلامؒ ۲۶ راگست ۱۹۴۴ء کو بلا شرط رہا کردیئے گئے۔ اس مرتبہ حضرت والا دو سال دو ماہ جیل میں رہے آپ

کی طبیعت رہائی سے قبل ہی عرصہ سے خراب چل رہی تھی نزلہ و بخار کی مسلسل شکایت تھی اور وزن چالیس پونڈ کم ہوگیا تھا۔ رہائی کے بعد آپ ۱۴ رمضان المبارک کو دیوبند تشریف لائے۔ دیوبند والوں نے عظیم الشان استقبال کیا۔ ابھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ فرمایا پرسوں سلہٹ کے لئے روانگی ہے۔ خدام نے عرض کیا کہ حضور ابھی بہت کمزور ہیں طبیعت بھی اچھی نہیں ہے اس وقت سفر ملتوی کر دیں لیکن فرمایا:۔

سلہٹ والوں سے وعدہ ہے کہ رمضان المبارک سلہٹ ہی میں گذاروں گا اس لئے وہاں پہونچنا ضروری ہے۔ الغرض خدام کی جانب سے التوائے سفر کی درخواست کے باوجود آپ ۱۶ رمضان المبارک کو سلہٹ کے لئے روانہ ہوگئے اور سلہٹ پہنچ کر حسب معمول مجاہدہ میں مصروف ہوگئے لوگوں کا بیان ہے کہ اس علالت اور نقاہت کے باوجود رات میں صرف دو گھنٹے آرام فرمایا کرتے تھے۔

ارسال کردہ رقم کا حساب

آپ کو جب پہلی مرتبہ باڑہ (ضلع پٹنہ) مدعو کیا گیا تو سفر خرچ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیا گیا۔ یہ کافی متمول مسلمانوں کی آبادی ہے۔ جلسہ کے بعد جب واپسی کا وقت آیا تو لوگوں نے ایک بڑی رقم پیش کی۔ حضرت نے فرمایا: ٹھہرئیے! لوگوں نے سمجھا کہ حضرت نے رقم کو کم خیال کرتے ہوئے ایسا فرمایا ہے تو فوراً اس میں اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن اسی اثنار میں حضرت نے بیگ سے کچھ روپے اور حساب کا کاغذ نکال کر دیا اور فرمایا:۔ آپ نے جو روپے بھیجے تھے اس کا حساب یہ ہے اور اتنے روپے اس میں سے بچ گئے ہیں۔ لوگوں نے بیحد اصرار کیا کہ حضرت بچی ہوئی رقم کو واپس نہ فرمائیں اور جو روپے پیش کئے جا رہے ہیں اُن کو قبول فرمالیں۔ مگر حضرت نے صاف انکار فرمادیا۔

خلاف شریعت امر پر غیض وغضب

ایک روز بنگال سے آئے ہوئے ایک صاحب نے درخواست پیش کی، درخواست کا پڑھنا تھا کہ حضرت کا چہرہ تمتما اُٹھا، آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔ حضرت کی یہ حالت دیکھ کر حاضرین سہم گئے آپ نے فرمایا:۔ " میں خدا نہیں ہوں، مغیبات کا علم اور اُس کے حصول کا طریقہ باری عزاسمہٗ جانتا ہے کسی بندۂ محتاج سے ایسا سوال کرنا عاقبت کی بربادی کا باعث ہے اور بھائی! اگر میں تسخیر قلوب کا عالم اور عامل ہوتا تو آج ہندوستان میں نہ کوئی مسلمان لیگی ہوتا اور نہ کوئی برطانیہ کا خیر خواہ۔ سب کے قلوب کو جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کیطرف پھیر دیتا۔

ایک دوسری درخواست پیش ہوئی تو اس پر فرمایا کہ :۔

"اہل بنگال کی طرح یہ کیا عادت ہے کہ بیک وقت کئی کئی پیر کئے جائیں یہ کس نے کہدیا کہ پیر کے لئے عالم ہونا بھی ضروری ہے۔ بھائی! بس صاحب نسبت اور متبع شریعت ہونا کافی ہے خدا چاہے گا تو اسی کی بارگاہ سے فیض پہنچے گا۔ مشائخ کی تاریخ پڑھو! کتنے اہل اللہ ایسے ملیں گے جو اگرچہ اُمی تھے مگر انہیں روحانیت کی معراج حاصل تھی اور پاک باطن تھے اور ماشاء اللہ ان سے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچا ہے۔ (مولانا عبدالمجید صاحب اعظمی)

یہ چیز سنت کے خلاف ہے

(کچھ دنوں افاقہ کے بعد) دفعتاً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرض میں زیادتی ہوئی وہ بھی اس قدر کہ شب و روز یکساں نہایت اضطراب کے عالم میں گذرنے لگے اگرچہ آپ کی لغت میں آرام ایک مہمل لفظ سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا لیکن البتہ آپ مجبور تھے کہ تمام مشاغل سے کنارہ کشی اختیار فرمائیں اور بستر سے جدا نہ ہوں مگر مجبوری خارجی مشاغل تک محدود تھی لیکن تسبیح و تہلیل ذکر و عبادت کا سلسلہ اب بھی جاری تھا بلکہ اُس میں اضافہ ہوگیا تھا۔ سنن و مستحبات تک کی پابندی بدستور تھی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ بغیر سہارا بیٹھ نہ سکتے تھے مگر غذا کے وقت تکیہ سے علٰحدہ ہوجانا ضروری تھا۔ سب کا اصرار ہوتا کہ ٹیک ہی لگا کر کھانا تناول فرمالیں مگر صاف فرما دیتے :۔ نہیں بھائی یہ سنت کے خلاف ہے۔ اور پھر ٹیک لگائے بغیر کھانا تناول فرماتے۔ (مولانا رشید الوحیدی)

گھر میں شریعت کی پابندی کا لحاظ

ہر طبقہ کی خواتین ہر قسم کی درخواستیں اور اپنی پریشانیاں گوش گزار کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ عموماً اہلِ خانہ کے واسطے سے درخواستیں سنتے اور جوابات، دعائیں، مشورے اور تعویذات مرحمت فرماتے اور براہ راست پند و نصائح اور مشوروں سے مستفید فرماتے۔ خواتین کو بیعت کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک لمبا کپڑا عمامہ وغیرہ کا ایک سرا خود پکڑتے اور دوسرا سرا پس پردہ سے خاتون پکڑتیں پھر کلماتِ بیعت تلقین فرماتے۔

گاؤں کی خواتین کبھی کبھی اہلِ خانہ کی نظر بچاتے ہوئے مطالعہ گاہ تک پہنچ جاتیں اور سامنے کھڑی ہوجاتیں ایسی صورت میں حضرت بہت پریشان اور سراسیمہ ہوکر اپنا رُخ دوسری

جانب پھیر لیتے اور ملازم لڑکے صاحبزادیوں یا دادی صاحبہ کو آواز دیتے تھے جو فوراً منشار سمجھ جاتیں اور فوراً یہ صورت ختم ہو جاتی۔ گھر میں شریعت کی پابندی کا بیحد لحاظ رکھتے اور سب ہی افراد خاندان کو تاکید بلکہ ضرورت کے وقت تنبیہ فرماتے رہتے۔ اس باب میں کسی کی ادنیٰ رعایت بھی ملحوظ نہ تھی۔ میری ہمشیرہ عزیزہ صفیہ خاتون کے شوہر ضیا الحسن صاحب فاروقی لکچرار جامعہ ملیہ کالج جو آج کل ڈاکٹریٹ کے لئے کناڈا گئے ہوئے ہیں انھوں نے شادی کے بعد ڈاڑھی صاف کرادی۔ رشتہ نازک اور حضرت فی الجملہ ہمشیرہ مذکورہ کی خاطر بھی عزیز رکھتے تھے اس کے باوجود موصوف سے خفا ہو گئے اور جب انھوں نے ڈاڑھی رکھ لینے کا وعدہ کیا تو خوش ہوئے اور دُعا کرنے کا وعدہ کیا۔ (مولانا فرید الوحیدی)

تعظیماً کھڑے ہونے پر ناراضگی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ گھر کے افراد سے کبھی اپنے کام کے لئے نہ فرماتے۔ بدن دبوانے سر پر تیل لگوانے یا گرمیوں میں پنکھا جھلنے اور سخت سے سخت گرمی میں بھی بجلی کا پنکھا کھولنے کی کبھی فرمائش نہیں کی۔ از خود اگر کوئی خدمت کے لئے حاضر ہوتا تو منع فرمادیتے مگر اصرار پر اجازت مرحمت فرمادیتے تھے۔ پڑھے لکھے حضرات اگر پنکھا جھلنے کے لئے اصرار کرتے تو منع کرتے ہوئے فرماتے کہ کیا حضورؐ سے کبھی پنکھا جھلوانا ثابت ہے؟! جب کبھی آپ کی تشریف آوری پر لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے تو برہمی کے ساتھ انہیں بیٹھنے کا حکم فرماتے اور اس وقت تک تشریف نہ رکھتے جب تک کہ ایک ایک فرد اپنی جگہ پر بیٹھ نہ جاتا۔ اگر کھڑے ہونے والے علما اور طلبا ہوتے تو یہ حدیث پڑھتے تھے:۔ لاتقوموا لی کمایقوم الاعاجم لکبرائھم او کما قال (یعنی میرے لئے تعظیماً اس طرح مت کھڑے ہو جایا کرو جیسے کہ اہل عجم اپنے بڑوں کے لئے کھڑے ہوتے ہیں (مفہوم)

مجھے سوائے اپنے اللہ کے اور کسی سے تعلق نہیں

گھر کی شادیوں اور تقریبات میں رسمیات اور فضول خرچی کسی حالت میں بھی گوارا نہیں فرماتے تھے مثلاً عمتی ریحانہ کی شادی کے بارے میں جبکہ گھر کے کسی فرد کا ذہن بھی اس جانب ابھی تک متوجہ نہیں ہوا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک فیصلہ فرمادیا اور وقت کی تعیین یوں فرمائی کہ اس مرتبہ رمضان المبارک میں جب گھر جاؤ

ہوگا تو امورِ شادی انجام پائیں گے۔ یہ وہ صاحبزادی ہیں جنھیں حضرت پیار سے چاند' سورج فرمایا کرتے تھے' صغر سنی کے باوجود جیل سے اکثر خطوط انہی کے نام آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی بذریعہ پارسل مٹھائی بھی آجاتی تھی۔ سفرِ حج میں یہ کسی وجہ سے ہمراہ نہ جاسکیں تو اپنے دستِ مبارک سے برابر تسلی بخش خطوط اُن کے نام تحریر فرماتے رہے مگر جب شادی کا وقت آیا تو صرف وقت متعین کرکے خاموش ہوگئے اور کوئی توجہ زیور اور جہیز وغیرہ کی جانب نہ فرمائی۔ کسی وقت دادی صاحبہ نے عرض کیا کہ :۔ بچی رخصت ہوگی تو کیا آپ کو کوئی تعلق نہیں ہے؟ کہ انتظامات کی جانب متوجہ نہیں ہوتے"۔ یہ سنکر نہایت پرجوش انداز میں فرمایا کہ :۔ مجھے سوائے اپنے اللہ کے اور کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے بندوں سے صرف اس قدر اور محض اس لئے تعلق ہے کہ میں قیامت میں مواخذہ سے بچ جاؤں۔ چنانچہ ٹانڈہ تشریف لے گئے تو ایک روز بعد نماز عصر حاضرین سے بیٹھے رہنے کے لئے فرمایا اور بغیر کسی اہتمام و انصرام خالہ زاد بھائی مولانا سید حمید الدین صاحب کے صاحبزادے مولوی رشید الدین کے ساتھ صاحبزادی کا عقد فرمادیا اور اسی تاریخ کو رخصتی ہوگئی۔ اس طرح رسول اللہؐ کے ایک امتی نے اپنی لختِ جگر کو ٹھیک آقا کی طرح اپنے غربت کدہ سے رخصت کیا۔ (مولانا فرید الوحیدی)

تھرڈ کلاس میں سفر کیا اور خورد و نوش میں ۷ آنے خرچ فرمائے

قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی تحریر فرماتے ہیں:۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے میرے دیرینہ دوستانہ تعلقات تھے مگر ملاقات کا اتفاق کم ہوتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں سیوہارہ میں عظیم الشان جلسہ ہوا میں اس کا ناظم تھا۔ ہندوستان کے مشہور ہندو مسلمان لیڈر اور علماء نے اس میں شرکت کی۔ میں نے تمام مدعوئین کو سیکنڈ کلاس کا کرایہ ایک خادم کا کرایہ اور کچھ زائد خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیا تھا۔ حضرت مولاناؒ اس زمانہ میں کلکتہ میں مقیم تھے ان کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور بحساب بالا منی آرڈر بھیجدیا گیا تھا۔ کلکتہ سے سیوہارہ تک میل ٹرین کا چھبیس گھنٹہ کا سفر ہے مولانا بنفسِ نفیس تشریف لائے کوئی خادم وغیرہ ساتھ نہ تھا۔ کیمپ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضرت نے دریافت فرمایا کہ ناظم صاحب کا دفتر کہاں ہے؟ میرے پاس دفتر تشریف لائے اور سلام و مصافحہ کے بعد میز پر ایک پرچہ اور کچھ روپے رکھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے۔ پرچہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے تھرڈ کلاس میں سفر کیا ہے اور ناشتہ وغیرہ میں صرف سات آنے خرچ کئے ہیں۔ اجلاس میں شریک ہونے والے کسی بھی لیڈر یا

عالم نے ایسی کفایت شعاری کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ جب واپسی کا وقت آیا تو ممبران جلسہ نے طے کیا کہ مولانا کو سو روپے رخصتانہ میں پیش کئے جائیں اور جب میں نے مذکورہ قرارداد کے مطابق رقم پیش کی تو مولانا نے فرمایا کہ جو پرچہ میں نے آپ کو دیا تھا کیا وہ گم ہوگیا؟ میں نے کہا موجود ہے، شامل حساب ہے! تو فرمایا کہ کیا آپ نے اسے دیکھا نہیں؟ میں نے کہا کہ اس کو میں نے دیکھا ہے اور رجسٹر حساب میں اسے درج کرایا ہے! فرمایا:۔ بس مجھے اسی قدر دیدیجئے! میں نے عرض کیا کہ کمیٹی نے جو کچھ تجویز کیا ہے میں اُسے پیش کر رہا ہوں اور آپ کو بھی کمیٹی کی تجویز کو قبول کرنا چاہیئے! فرمایا:۔ کمیٹی میں کتنے ممبر ہیں؟ میں نے کہا:۔ ہم سات آدمی ہیں۔ فرمایا اس جلسہ پر جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے وہ آپ ہی صاحبوں کا ہے یا عام چندہ سے ہے؟ میں نے کہا: عام چندہ ہے! فرمایا:۔ پھر آپ کو اس طرح صرف کرنے کا حق نہیں ہے! میں نے کہا کہ پبلک نے ہمیں اختیار دیا ہے! کہنے لگے کہ: پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ حضرات کفایت شعاری کے ساتھ واجبی طور پر خرچ کریں گے۔ لہذا آپ اس بیدردی کے ساتھ خرچ کرنے کے مختار و مجاز نہیں ہیں۔ میں نے کچھ اور رد و کد بھی کرنی چاہی مگر حضرتؒ نے (فیصلہ کن انداز میں) فرمایا کہ میں اس سے زیادہ نہیں لوں گا۔

(قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی)

صلیب نما نشان سے نفرت

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ ایک مرتبہ ملتان تشریف لائے میں نے دعوت کر دی۔ گھر والوں نے زمین پر فرش کر کے گدا بچھا دیا تھا اور گدے پر ایک دوتہی بچھا دی تھی۔ یہ دوتہی چارخانہ تھی اور اس طرح کہ اس کے خانوں میں کراس + کی شکل بن جاتی تھی۔ حضرت کی نظر دوتہی پر پڑی تو گدے پر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس میں جگہ جگہ صلیب نما نشان ہیں بس اس پر نہیں بیٹھوں گا۔ میں نے دوتہی ہٹا کر دوسرا کپڑا بچھایا تو حضرت تشریف فرما ہوئے۔ یہ بغض فی اللہ کی اعلیٰ ترین مثال ہے کہ جس طرح انگریزوں سے نفرت تھی اسی طرح ان کے شعار سے بھی شدید تنفر تھا۔ (مولانا خدا بخش صاحب ملتان)

قول و عمل میں مطابقت

منڈی میاں چنوں ضلع ملتان میں مدرسہ مولانا ہدایت اللہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ حضرت وہاں تشریف لائے اور رات کے اجلاس میں اسٹیج پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک صاحب کی تقریر جاری تھی۔ حضرت اسٹیج پر بیٹھ گئے اور بیٹھے

بیٹھے کچھ غنودگی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے پان کی پیک ہاتھ پر گرگئی۔ حضرت فوراً چونک گئے اور پیک صاف کرنی چاہی تو ہم خدام نے جو کہ آس پاس بیٹھے ہوئے تھے رومال یا کوئی اور کپڑا غرض جس کے پاس جو کچھ تھا اس پیک کو صاف کرنے کے لئے پیش کرنا چاہا، مگر اتفاق سے جو کپڑا بھی پیش کیا گیا وہ کھدر نہیں تھا۔ اس لئے حضرت نے کسی کا بھی کپڑا قبول نہ فرمایا اور اپنی جیب سے کھدر کی جراب نکال کر پیک صاف فرمائی۔ یہ تھی صداقت اور قول وعمل میں مطابقت۔ (مولانا خدا بخش صاحب ملتان)

اپنی تعریف کی بات سنتا ہوں تو مجھے سخت رنج ہوتا ہے

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سیوہارہ کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد تقریر تھی۔ تقریر سے قبل ایک صاحب نے آپ کی شان میں نظم شروع کی۔ ابھی چند ہی اشعار ہوئے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یکلخت کھڑے ہوگئے اور ان صاحب کو نظم پڑھنے سے روک دیا اور تقریر شروع فرمادی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی یہ تقریر آیات واحادیث کی روشنی میں خود ستائی، شخصیت پرستی اور منہ پر تعریف کی مذمت میں تھی۔ لطف کی بات یہ کہ تقریر کے ہر پہلو میں اخلاق وعمل، اتباع اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کی تلقین شامل تھی۔ اسی تقریر میں آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ:۔ میں کسی سے اپنی تعریف سنتا ہوں تو سخت رنج ہوتا ہے کہ لوگ اسوۂ نبیؐ اور سیرۃ صحابہؓ کو بھول گئے۔ وہاں نیت میں خلوص تھا یہاں تعریف ہے وہاں عمل تھا یہاں صرف قول اور مدح وستائش ہے۔ حضرت مولاناؒ کی اس تقریر کا عوام پر زبردست اثر پڑا تھا۔ (سید ساجد حسین صاحب سیوہاروی)

کمال احتیاط

حضرت رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اور دفتر جمعیۃ علماء ہند میں قیام فرما تھے۔ نمازِ عصر کا وقت آیا تو خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھا دیں۔ حضرت نماز کے لئے جب کمرے سے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرف مخاطب ہوکر پُرمسرت لہجہ میں فرمایا کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ۔ یہ ناظم اعلیٰ صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپکے خادم چودھری عبدالرحمٰن کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں انھوں نے ہی اس وقت (فروخت کی) چٹائیاں بچھادی ہیں! حضرت نے جوں ہی یہ بات سنی آپکے چہرے کا رنگ فوراً بدل گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ گئے فرمایا:۔ ان چٹائیوں کو اٹھادو! خدام نے عرض کیا کہ:۔

عبد الرحمٰن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں۔ فرمایا:- نہیں! وہ ان کو غیر مستعمل اور نئی بتاکر فروخت کرے گا حالانکہ استعمال میں آچکی ہوں گی لہذا یہ کب درست ہوگا۔ چنانچہ چٹائیاں اُٹھادی گئیں اور دفتر کی چٹائیوں پر نماز ادا کی گئی۔ (مولانا حمد اللہ صاحب سرحدی)

حضرتؒ خود مصارف ادا فرماتے تھے

اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دفتر جمعیۃ میں تشریف آوری اپنے کسی بھی کام سے ہوتی تو یہ گوارا نہیں تھا کہ چائے یا کھانے کا انتظام دفتر کی جانب سے ہو اس لئے یہ ظاہر کرنا پڑتا تھا کہ یہ انتظام فلاں خادم نے اپنے پاس سے کیا ہے، ورنہ حضرت خود مصارف ادا فرماتے۔ اب چند سال سے دہلی کے مشہور مخیر جناب حاجی محمد یٰسین صاحب گزک والے (سوداگر سوڈا و برف وغیرہ) نے یہ انتظام بڑے اصرار والتجا سے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ جب تشریف آوری کے بارے میں معلوم ہوتا مولانا وحید الدین صاحب قاسمی حاجی صاحب کو اطلاع کر دیتے اور حاجی صاحب بڑے شوق سے عین سعادت سمجھ کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے اور کھلا کر خوش ہوتے تھے (جزاھم اللہ)۔ لیٹر فارم ایک عام چیز ہے۔ بارہا درخواست کی گئی کہ حضرت جمعیۃ علماء ہند کا لیٹر فارم استعمال فرمائیں! بحیثیت صدر آپ کو اس کا حق حاصل ہے اور یہی بات موزوں بھی ہے۔ مگر بہت ہی کم ایسا ہوا کہ جمعیۃ علماء کی ضرورت سے بھی آپ نے جمعیۃ علماء کا لیٹر فارم استعمال فرمایا ہو۔ ورنہ اپنے لیٹر فارم پر جو کہ اعلیٰ قسم کے کاغذ سے علیحدہ تیار کرایا جاتا تھا اور جس کے مصارف حضرت خود ادا فرمایا کرتے تھے، اسی پر خطوط تحریر فرماتے اور خود جمعیۃ علماء سے متعلق امور بھی اسی اپنے کاغذ پر ارقام فرماتے تھے اور اس بات کا تو کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ جمعیۃ علماء کے کسی کاغذ کو اپنی ذاتی ضرورت کے لئے استعمال فرمائیں۔ غالباً ۱۹۵۳ء کا تذکرہ ہے مراد آباد میں مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہوا! بحیثیت ناظم جمعیۃ علماء مراد آباد خدمتِ استقبال احقر ہی کے ذمہ تھی۔ حضرت کا قیام حسب دستور محلہ بغیہ میں ہوا مجلس عاملہ کا اجلاس دوسرے مقام پر تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قیام گاہ سے بذریعہ تانگہ اجلاس میں تشریف لائے۔ چونکہ ایسے موقعوں پر آمد و رفت کے مصارف کی ادائیگی کو منتظمین کا فرض سمجھا جاتا ہے اس لئے احقر نے تانگہ کا کرایہ ادا کرنا چاہا لیکن حضرت نے سختی سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ وہاں میرا قیام اپنی ذاتی رائے کی بنا پر ہوتا ہے۔ لہذا اس سلسلہ میں کسی خرچ کا بار جماعت کے مالیہ پر نہیں پڑ سکتا۔ اس

کے بعد مجھ ناکارہ کو ہدایت فرمائی کہ جماعتی اور غیر جماعتی خرچ میں ہمیشہ امتیاز رکھا جائے اللہ تعالیٰ توفیق بخشے ورنہ درحقیقت بہت مشکل کام ہے۔ (مولانا سید محمد میاں صاحب)

ایامِ درس کے علاوہ دوسرے دنوں کی تنخواہ نہ لیتے تھے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایامِ درس کے علاوہ دوسرے دنوں کی تنخواہ لینا ہرگز گوارا نہ فرماتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ کے سلسلے میں سفر کرنا پڑا مگر سوائے ایامِ تدریس کے ایک پیسہ بھی کسی دن کا معاوضہ نہیں لیا حضرت نے ایامِ مرض میں ایک ماہ کی استحقاقی رخصت سے بھی فائدہ نہیں اُٹھایا اور نہ دوسری چھٹیاں لیں جن کا آپ کو قانوناً حق تھا، یہاں تک کہ ان ایام کی تنخواہ جو ایک ہزار روپے سے کچھ زیادہ ہوتی تھی جب اہلِ مدرسہ نے آپ کی خدمت میں بھیجی تو آپ نے یہ کہہ کر واپس فرمادی کہ جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی؟ حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت کا کمال زہد و تقویٰ اس بات کو گوارا نہ کرتا تھا کہ آپ ایام مرض کی تنخواہ قبول فرمائیں لیکن اس میں شرعاً کوئی سقم نہیں بلکہ (بسلسلہ مرض رعایتی قوانین کے لحاظ سے) حق ہے لہٰذا اگر آپ فرمائیں تو وہ رقم آپ کی خدمت میں پیش کردوں مگر خالہ صاحبہ (یعنی اہلیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ جس چیز کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پسند نہیں فرمایا۔ اس کو میں کیسے پسند کرسکتی ہوں آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ (مولانا رشید الدین داماد حضرت شیخ)

جماعت میں شرکت کیلئے اضطراب

مرض الموت کے دوران جبکہ اطباء اور ڈاکٹروں نے باہر تشریف لانے اور نقل وحرکت کی قطعی ممانعت کردی تھی برابر یہی فرماتے رہتے کہ:۔ بھائی! باہر کا کمرہ زیادہ دور نہیں ہے، مجھ کو فقط جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدیجئے۔ نماز پڑھ کر میں فوراً واپس آجاؤں گا بیٹھوں گا نہیں! مگر اطباء برابر یہی کہتے رہے کہ حضرت اس وقت نقل وحرکت بہت مضر ہے چند دن آرام فرمالیں اس کے بعد ان شاء اللہ کوئی ممانعت نہیں رہے گی اور گھر میں بھی آپ بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ حضرت نے باہر نہ نکلنے کے حکم کو تو مجبوراً مان لیا لیکن بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ البتہ جب ضعف اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور کھڑے ہونے کی سکت جسم میں باقی ہی نہیں رہی تو آخر میں ہفتہ عشرہ بیٹھ کر نمازیں ادا فرماتے رہے قضا پھر بھی کوئی ایک نماز نہیں ہوئی۔ نومبر کا اخیر عشرہ بہت زیادہ شدتِ مرض اور تکلیف کا

تھا مگر جب نماز کا وقت ہوتا فوراً دریافت فرماتے تھے کہ کیا اذان ہوگئی؟ اگر معلوم ہوتا کہ اذان ہوگئی ہے تو فوراً نماز کی تیاری شروع فرمادیتے۔ ایک مرتبہ لیٹے ہوئے تھے، میں بدن دبا رہا تھا فرمایا کہ اذان ہوگئی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں مگر ابھی کوئی دو منٹ گذرے ہوں گے ابھی تو کافی وقت ہے آپ تھوڑی دیر آرام فرمالیں: فرمانے لگے نہیں بھائی! جب تک نماز سے فراغت نہیں ہوجاتی طبیعت میں الجھن اور پریشانی رہتی ہے۔ اسی بیماری کے دوران میں جب کچھ صحت کے آثار نمایاں ہونے لگے اور اطباء نے مہمان خانے میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیدی اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ بالکل اسی طرح نماز مع سنن ومستحبات ادا فرماتے جیسے حالت صحت میں ہوں۔ ہم لوگوں نے ارادہ بھی کیا کہ امام صاحب سے کہدیں کہ نماز ذرا اختصار کے ساتھ پڑھایا کریں لیکن اس سلسلہ میں حضرتؒ کی شدت کو دیکھتے ہوئے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اتفاق سے اسی دوران میں حکیم محمد یسین صاحب بجنوری ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور انہوں نے بھی حضرت کی اس کیفیت کا مشاہدہ کیا تو رخصت ہوتے وقت حضرت سے حکیم صاحب نے فرمایا کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہوتا جارہا ہے اور اس مرض میں آرام کی شدید ضرورت ہے۔ اس لئے اول تو آپ باہر نہ تشریف لے جائیں اور اگر جائیں بھی تو نماز ذرا اختصار کے ساتھ ادا فرمائیں! آپ کے یہاں تو وہی صحت وتندرستی والا دستور چل رہا ہے۔ مرض کے عالم میں اگر کچھ سنن ومستحبات چھوٹ جائیں تو کیا مضائقہ ہے؟ لیکن حضرت نے انہیں ایسے عجیب انداز میں جواب دیا کہ اس کے بعد کچھ عرض ومعروض کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے! مگر میں کیا کروں مجھ کو خلاف سنت نماز میں مزہ ہی نہیں آتا۔ یہ سن کر حکیم صاحب خاموش ہوگئے اور ہم نے بھی اس بارے میں آئندہ کچھ کہنے کا خیال دل سے نکال دیا۔

ایک مرتبہ رمضان شریف میں جبکہ شب وروز عبادت وریاضت میں گذرتے تھے جمعہ کے دن نماز فجر میں امام صاحب نے بجائے حٰمٓ سجدہ وسورہ دہر دوسری سورتیں پڑھ دیں تو اس قدر ناراض ہوئے کہ خدا کی پناہ! اتفاق سے وہ صاحب ایک جگہ مستقل امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت نے فرمایا: معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی اس سنت پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ (مولانا رشید الدین صاحب)

نماز میں استغراقی کیفیت

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ایک مرتبہ میرٹھ اسٹیشن پر نماز مغرب شروع فرمائی۔ نماز کی نیت باندھی ہی تھی کہ گاڑی نے سیٹی دیدی بہت سے حضرات نیت توڑ کر گاڑی میں سوار ہو گئے لیکن حضرتؒ نے بہت اطمینان سے نماز ادا فرمائی اور دعا مانگ کر گاڑی میں سوار ہوئے۔ خدام میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کو سیٹی کی آواز سن کر اس قدر بے تابی کیوں ہو گئی تھی؟ حضرت نے فرمایا: بھائی! اگر میں بھی سیٹی کی آواز سنتا تو میری بھی ایسی ہی حالت ہو جاتی! کسی نے خوب کہا ہے ؎

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے ترے شکر سے تری یاد سے ترے نام سے

(انفاس قدسیہ)

خوف و خشیت

مرض الوفات کے زمانے میں ایک دن حضرت مولانا فخر الدین صاحب و قاری اصغر علی صاحب بغرض مزاج پرسی مکان پر تشریف لے گئے تو حضرتؒ نے فرمایا دیکھئے میری جماعتیں فوت ہو رہی ہیں اور نمازیں تیمم سے ادا کرتا ہوں اور لوگ ہیں کہ میرے بارے میں کیا کچھ حسن ظن رکھتے ہیں! یہ فرما کر اس قدر روئے کہ گھگھی بندھ گئی اور پورا جسم بے تحاشا لرزنے لگا۔

جذبۂ اتباع سنت

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درس بخاری کے دوران ارشاد فرمایا کہ: بفضلہ تعالیٰ میں بسرعت تقریر کر سکتا ہوں لیکن یہ توقف فی الکلام (ٹھہر ٹھہر کر بولنا) بہت مشقت کے بعد حاصل کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے جیسے کہ تمہاری زبان چلتی ہے بلکہ آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ جو شخص آپ کے پاس ہو اسے محفوظ ہو جائے"۔

شمائل ترمذی (انفاس قدسیہ)

ایفائے وعدہ

ایک سال جبکہ حضرتؒ حج کو تشریف لیجانے والے تھے۔ شعبان کے مہینے میں ایک صاحب مظفر نگر سے تشریف لائے اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ میں طے کر چکا ہوں کہ اپنی لڑکی کا نکاح اگر پڑھواؤں گا تو صرف آپ سے ورنہ نہیں

خواہ لڑکی بڑھی ہو جائے۔ حضرتؒ نے فرمایا: اب تو بخاری شریف کے ختم کا موقع ہے۔ شوال کے مہینے میں انشاء اللہ دیکھا جائے گا۔ بات رفت و گذشت ہو گئی۔ شوال کے مہینے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ ٹانڈہ سے تشریف لائے اور وہ تاریخ بھی آگئی جس کی شام کو ۵ بجے دہرہ ایکسپریس سے حضرتؒ بمبئی کیلئے روانہ ہونے والے تھے۔ وہ مظفر نگر والے صاحب گیارہ بجے دوپہر کو تشریف لائے۔ اور عرض گذار ہوئے کہ حضرت آج لڑکی کے نکاح کی تاریخ ہے تشریف لے چلئے! اس وقت کی حالت ملاحظہ فرمائیں: دولتکدہ پر تقریباً پانچسو مہمان موجود ہیں۔ سفر حج کے لئے سامان مکان کے اندر سے باہر نکالا جا رہا ہے۔ حضرت اس کی نگرانی فرما رہے ہیں اور اس کو خود ترتیب سے رکھا رہے ہیں۔ ٹیکہ کی وجہ سے حرارت بھی ہے لیکن جوں ہی وہ صاحب کہتے ہیں کہ: حضرت! آپ نے شوال کا وعدہ کیا تھا آج نکاح کی تاریخ ہے! تشریف لے چلئے! حضرت بے چون وچرا تانگہ منگواکر اسٹیشن جانے کے لئے فوراً اس پر سوار ہو جاتے ہیں اور ایفائے وعدہ کی غرض سے مظفر نگر تشریف لے جاتے ہیں۔ (انفاس قدسیہ)

خلاف وضع مسنون دعوت طعام سے انقباض

حضرت مولانا آزادؒ کی وزارت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز اور ان کے چند مخصوص خدام کو کھانے پر مدعو فرمایا۔ کھانے کا انتظام میز پر تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کھانا تو تناول فرما لیا مگر طبیعت منقبض رہی اور صرف یہی نہیں بلکہ ایک لطیف انداز میں اس جانب اشارہ بھی فرما دیا۔

اب حضرت مولانا آزاد کی حساس طبیعت کو ملاحظہ فرمائیے کہ کچھ دنوں کے بعد موصوف نے دوبارہ دعوت کی اور ان تمام حضرات کو مدعو کیا جنہیں پہلی مرتبہ دعوت دی تھی۔ اس بار آپ نے کھانے کا انتظام فرش پر کیا۔ (مولانا سید محمد میاں صاحب)

عبادت و ریاضت اور خوف و خشیت

حضرت شیخ الاسلامؒ اپنی بعض خصوصیات میں منفرد تھے۔ نیند پر آپ کو اس قدر قابو تھا کہ جب چاہتے چند منٹ کے لئے سو جاتے اور پھر وقت پر اٹھ کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے بکثرت ایسا ہوتا کہ سفر میں یا جلسہ گاہ میں دو بجے رات تک جاگنا پڑتا مگر باایں ہمہ کبھی تہجد کا ناغہ

نہیں ہوتا جلسہ گاہ سے آتے، سوجاتے اور پھر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد دیکھا جاتا کہ آپ تہجد میں کھڑے ہیں اور پھر اسی حال میں صبح ہوجاتی۔ ٹرینوں میں بھی آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا۔ مولانا ادریس صاحب ندوی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ اعظم گڈھ کی طرف سے حضرت کی واپسی ہوئی میں بھی ساتھ ہوگیا۔ رات کا وقت تھا جب حضرت نے محسوس کیا کہ لوگ آرام کی نیند لے رہے ہیں۔ آپ خاموشی سے اٹھے وضو فرمایا اور تہجد کے لئے کھڑے ہوگئے۔ میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بھی وضو کر کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ پھر پوری رات حضرت نے اسی طرح گذار دی۔

اسی طرح صاحبزادہ مولانا اسعد صاحب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں تنہا حضرت کے ساتھ سفر میں تھا۔ رات کے وقت مجھ سے باصرار فرمایا کہ اوپر جاکر سوجا۔ مجھے تکلّف ہوا۔ حضرت نے فرمایا: تکلّف نہ کرو! الغرض حضرت کے اصرار کے باعث میں اوپر کی سیٹ پر جاکر لیٹ گیا۔ حضرت نیچے کی سیٹ پر لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے جلد نیند نہ آئی مگر جب حضرت کو محسوس ہوا کہ میں سوچکا ہوں تو آپ نے اٹھ کر وضو فرمایا اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔

مولانا اسعد صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت جب گھر پر ہوتے تو آخر شب میں اپنے کمرے میں آجاتے اور تہجد میں مصروف ہوجاتے۔ اس وقت کسی کو کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی اور نہ کوئی جرأت کرتا تھا۔ ہاں میرے لئے اس قدر رعایت تھی کہ اگر کبھی کسی ضرورت سے اس خاص وقت میں بھی کمرے میں چلا جاتا تو خفگی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان اوقات مخصوصہ میں کمرے میں جانا ہوا تو اکثر حضرت کو زار وقطار روتے دیکھا، پاس ہی تولیہ رکھا رہتا تھا اور کبھی وہ اس طرح تر ہوجاتا تھا کہ جیسے کسی نے اسے ابھی دھو کر ڈال دیا ہو۔

(مولانا ظفیر الدین صاحب رکن دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

تلاوت کلام اللہ سے بے پناہ شغف

حضرت رحمۃ اللہ علیہ حافظ قرآن تھے۔ اگرچہ بچپن میں حفظ نہ کرسکے تھے۔ مگر آپ کی یہ تمنا تھی کہ آپ کو یہ دولت لازوال (حفظ قرآن) حاصل ہوجائے۔ چنانچہ سفرنامہ اسیر مالٹا میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "میں چند دعائیں مانگا کرتا تھا ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ قرآن مجید حفظ ہوجائے۔ چنانچہ اسارت مالٹا کے زمانہ میں آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور

حفظ کے بعد اس کا حق بھی اس طرح ادا فرمایا کہ بہت سے "خالص حفاظ" سے بھی اس طرح ادا نہیں ہوتا۔ بہت سے حافظوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ صرف رمضان المبارک میں دور کرتے ہیں اور گیارہ مہینے قرآن کریم کو طاق نسیاں کی زینت بنائے رکھتے ہیں۔ جبکہ ضعف اور ہجوم مشاغل میں تراویح میں بھی قرآن کریم کا سننا اور سنانا دشوار ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ تراویح و تہجد میں تلاوت قرآن کریم کا اہتمام فرماتے تھے بلکہ عام دنوں میں بھی) نوافل میں راتوں کو بیدار رہ کر تلاوت قرآن کریم کے روحانی کیف سے لذت اندوز ہوتے تھے . . . . ریل میں جیل میں مالٹا کے اسارت خانے میں حالت صحت و مرض میں عالم جوانی و پیری میں غرضیکہ ہمیشہ اور ہر دور میں قرآن کریم کے سننے اور سنانے کا معمول نہایت پابندی سے جاری رہا۔ آپ کے اس ذوق اور شغف سے کتنے قلوب میں حفظ قرآن کی اہمیت پیدا ہوئی اور کتنے متوسلین نے آپ کی برکت سے اپنے بچوں کو قرآن مجید حفظ کرایا اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ عمرؓ کی قبر کو نور سے بھرے جس طرح انہوں نے رمضان میں (قیام تراویح کے ذریعہ) مساجد کو منور کیا۔ ایسے ہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہر متوسل آپؒ کے لئے بھی یہی دعا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو روشن کرے کہ آپؒ نے عملی نمونہ دکھا کر حفظ و تلاوت قرآن پاک کا عام جذبہ پیدا فرمایا اور لاکھوں قلوب قیام لیل کی برکتوں سے منور ہو گئے۔

(مولانا نسیم احمد صاحب فریدی)

ایفائے وعدہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایفائے عہد کے سلسلے میں نہ تو کبھی موسمی تغیرات کی پرواہ فرماتے تھے اور نہ جسمانی تکالیف کی خواہ وہ کتنی ہی شدید کیوں نہ ہوں۔ ایک بار وعدہ فرما لینے کے بعد اس کا پورا کرنا حضرت کے نزدیک ویسا ہی ضروری تھا جیسے دیگر فرائض کی ادائیگی۔

ایک مرتبہ حضرت کو بجنور کسی جلسہ میں تشریف لے جانا تھا۔ روانگی کے وقت موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ سامنے کی چیزیں تک صحیح طور سے نظر نہیں آرہی تھیں۔ کمرہ سے باہر قدم نکالنا دشوار تھا۔ حضرت نے گھڑی دیکھی۔ ٹرین کی آمد میں صرف پندرہ بیس منٹ باقی تھے۔ قاری صاحب (یعنی قاری اصغر علی صاحبؒ) سے فرمایا کہ تانگہ منگوائیے۔ قاری صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بارش

بے پناہ ہو رہی ہے۔ ایسی حالت میں اسٹیشن پہنچنا ہی دشوار ہے۔ بھیگنے سے بیمار ہونے کا بھی احتمال ہے۔ سفر ملتوی فرما دیجئے! بذریعہ تار اطلاع دیدی جائے کہ بارش کی شدت کی وجہ سے روانگی نہ ہو سکی۔ ناگواری کے ساتھ فرمایا: میری تن آسانی کی وجہ سے وہاں جمع ہونے والے ہزاروں آدمیوں کو کس قدر تکلیف ہوگی۔ یہ فرمانے کے بعد اسی بارش اور طوفان میں اسٹیشن تشریف لے گئے۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

جذبۂ احیائے سنت

ٹانڈہ میں فجر کی نماز عموماً قاری مہدی صاحب بخاری پڑھایا کرتے تھے جو کہ رمضان المبارک کا مہینہ گذارنے کے لئے ٹانڈہ آئے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کو موصوف نے نماز فجر کی امامت کی اور "الٓمٓ سجدہ" و "سورہ دہر" کے علاوہ دوسری سورتوں کی تلاوت کی۔ نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان پر بہت ناراض ہوئے کہ مسنونہ سورتیں کیوں ترک کی گئیں؟ مولانا قاری اصغر علی نے جو کہ حضرت کے مزاج میں بہت دخیل تھے عرض کیا کہ اب تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ جمعہ کے دن نماز فجر میں ان سورتوں کی تلاوت کے وجوب اور فرضیت کے قائل ہیں۔ فرمایا: یہ بات نہیں ہے چونکہ لوگوں نے اس سنت کو بالکل ترک کر دیا ہے اس لئے میں اس مردہ سنت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں۔ غور فرمائیے! حضرت کو ایک سنت کے احیاء کا کس قدر خیال تھا!

چاندرات لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! آج بھی تہجد باجماعت ادا فرمائیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: رمضان المبارک کے علاوہ نوافل کی باجماعت ادائیگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ لوگوں نے باصرار عرض کیا کہ حضرت خود جماعت کا انتظام نہ فرمائیں۔ باہر صرف تہجد شروع فرمادیں جنہیں شریک ہونا ہے وہ نماز میں شامل ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ یہ بھی جماعت ہی کی صورت ہے! الغرض آپ نے صاف انکار فرمادیا اور تہجد کے وقت باہر نہیں تشریف لائے۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

صبر و استقلال
اور تحمّل

ستمبر ۱۹۴۶ء میں آپ نے بنگال کا تبلیغی دورہ

خدا اور رسول کی راہ میں توہین میرے لئے عین عزت ہے

فرمایا۔ سفر کے دوران جب رنگپور، سید پور، بھاگلپور اور کٹھیار وغیرہ میں لیگی غنڈوں نے حضرت کو اذیتیں پہنچائیں اور کئی جگہ قتل کے منصوبے باندھے گئے تو محبین نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کرتے ہوئے عرض کیا کہ: حضور والا کم از کم الیکشن تک سفر موقوف فرما دیں کیونکہ لیگیوں کی اشتعال انگیزی کو دیکھ کر خطرہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین آپ کی جان کے درپے ہیں۔ لہٰذا ہم لوگوں کی نہایت عاجزانہ درخواست ہے کہ کم از کم چار پانچ ماہ کے لئے سفر ضرور بند فرما دیں! مذکورہ درخواست کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"بھائی تم کہتے ہو کہ بڑی اذیتیں اور تکالیف دی جا رہی ہیں۔ تو یہ اذیتیں جو مجھے دی جا رہی ہیں یا اٹھانی پڑ رہی ہیں میرے لئے عین راحت ہیں۔ باقی رہا عزت کا معاملہ۔ تو خدا اور رسول کی راہ میں جو بھی توہین کی جائے میرے لئے عین عزت اسی میں ہے۔ اگر حق گوئی کی پاداش میں ہماری توہین کی جاتی ہے یا گالیاں دی جاتی ہیں تو میں اس کو عزت تصور کرتا ہوں۔ باقی رہا مرنا تو مرنا ایک ہی دفعہ ہے اللہ تعالیٰ نے جس وقت اور جس طرح مقدر کر دیا ہے وہ ٹل نہیں سکتا جمعیۃ مرکزیہ نے جب فیصلہ کر دیا تو میں پیچھے قدم نہیں ہٹا سکتا میں جمعیۃ العلماء کا ایک معمولی خادم ہوں، اور میرے لئے اطاعت ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے ہر ایک صوبے اور ہر ایک گوشے سے یہی حکم آتا ہے کہ تو ہی آ۔ تو ہی آ۔ تیرا آنا ضروری ہے تو میں سفر سے کس طرح اعراض کر سکتا ہوں۔"

بہر حال سید پور اور بھاگلپور کے واقعات مرعوب کرنے کے لئے کافی تھے مگر جس کو

خداوند عالم نے ہمت و استقلال کا غیر متزلزل پہاڑ بنا دیا ہو اس کے لئے اس قسم کے واقعات بازیچۂ اطفال سے زیادہ اور کیا اہمیت رکھ سکتے تھے ۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت کا پروگرام مرتب کیا گیا اور پھر آپ نے آسام سے پشاور تک پورے شمالی ہندوستان کا دورہ فرمایا ۔ لیگیوں کی طرف سے جگہ جگہ یورش کی گئی بنگال میں تو اس قدر بیہودگی ہوئی کہ ایک مقام پر میل بھر جگہ جگہ سڑک توڑ دی گئی اور اس پر درخت کاٹ کر ڈال دیئے گئے ۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں گیا بلکہ اسکول کے تقریباً دو سو طالب علموں اور گرد و نواح کے لفنگوں کو سڑک کے قریب چھپا کر بٹھا دیا گیا تاکہ جب حضرت کی کار ادھر سے گذرے تو اس پر حملہ کر دیا جائے مگر خدام کو اس کی اطلاع پیشتر ہی ہو گئی اور راستہ تبدیل کر کے حضرت کو منزل مقصود پر پہنچا دیا گیا ۔

پروردگار نے ہماری قسمت میں جو لکھدیا ہم اسی پر رہتے ہیں !

جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قبلہ والد ماجد نے مدینہ ہجرت فرمائی اس وقت آپ کے پاس کچھ زیادہ اثاثہ نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ مختصر عرصے میں اثاثہ ختم ہو گیا اور فاقوں کی نوبت آگئی ۔ اس وقت حضرت کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دیگر برادران کے ساتھ بلا کر فرمایا کہ میں تو ہجرت کی نیت کر کے یہاں آیا ہوں ، لیکن تم لوگ تو زیارت حرمین کی نیت سے آئے تھے ۔ بحمد اللہ تم زیارت حرمین سے فارغ ہو گئے ۔ اب یہاں ذکر مصائب کیوں برداشت کرتے ہو ۔ میرے پاس ابھی تک کچھ نقد اور زیور برتن وغیرہ موجود ہے جس کو فروخت کر کے تم لوگ وطن پہنچ سکتے ہو ۔ لہذا میری رائے ہے کہ تم لوگ وطن واپس چلے جاؤ لیکن پیکر صبر و استقلال حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ادب سے فرمایا کہ حرم محترم سے ہم کسی طرح جدا ہونے کے لئے تیار نہیں ۔ ہم فاقہ کریں گے ہمیں اناج نہیں ملے گا تو جنگل کے پتے کھا کر گذارا کریں گے لیکن یہیں رہیں گے خدا ہمارا رازق ہے اور ہماری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں ــــ یہ جواب سن کر آپ کے والد بزرگوار بیحد مسرور ہوئے اور سب نے مدینہ [illegible] بنا لیا ۔

"میں آپ ہی کے ساتھ رہوں گا"

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد محترم حضرت شیخ کی معیت میں طائف میں قیام پذیر تھے کہ شریف حسین

نے ۱۹۱۶ء میں ٹرکی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ سے فرمایا کہ دیکھو! طائف کو خطرہ ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ آمد و رفت کے راستے بند ہو جائیں گے تم وحید احمد کو ساتھ لے کر جو قافلہ روانہ ہو رہا ہے اس کے ساتھ مدینہ روانہ ہو جاؤ! والد ماجد اور گھر کے لوگ پریشان ہوں گے مگر آپ نے جواب میں فرمایا۔ میں آپ کو اس مخدوش حال میں ہرگز ہرگز تنہا نہیں چھوڑ سکتا ہوں سکون کا زمانہ ہوتا اور آپ کو خطرہ نہ ہوتا تو میں آپ سے جدا ہو کر کہیں جا سکتا تھا اب تو جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ بہر صورت میں آپ ہی کے ساتھ رہوں گا۔

۴۷ء کے فسادات اور حضرت شیخؒ کا موقف

۱۹۴۷ء کے فسادات میں بھائی مولوی ظہیر الحسن شہید کی تعزیت میں حضرت شیخؒ کاندھلہ تشریف لائے تو ارشاد فرمایا:-

"ہمت و استقلال کے ساتھ ہندوستان میں جمے رہو! مدینہ منورہ میں میرے ذاتی مکانات بھی ہیں اور بھائی بھتیجے بھی، مجھے ہندوستان میں رہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ پھر بھی میں نے طے کر لیا ہے کہ ہندوستان نہیں چھوڑوں گا۔ اس لئے کہ مخلوقِ خدا کی جو خدمت یہاں رہ کر انجام دے سکتا ہوں وہ مدینہ منورہ میں نہیں ہو سکتی۔" اسی کشت و خون کے دوران میں بستی حضرت نظام الدین اولیاء شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو حالات سے سخت متاثر تھے۔ چہرہ مبارک سے غیظ و غضب کے آثار عیاں تھے، آپ نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا "میں نے تو ہندوستان میں مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" چنانچہ آپ نے وہ فیصلہ پورا کر کے دکھا دیا ——— (مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی)

ذکر اللہ سے بڑھ کر اطمینان اور کس چیز میں ہے؟

مولوی حکیم ضیاء الدین صاحب (دہرہ دونی) بیان کرتے ہیں کہ جب صاحبزادہ مولانا سید اسعد صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو بعد فراغت تدفین حضرت کے آستانہ پر کل اساتذہ اور عمائد مجتمع ہوئے حضرت نے کچھ دیر کے بعد دارالحدیث کا رُخ فرمایا۔ مجمع میں ہلچل پڑ گئی، تمام حضرات نے سمجھا کہ حضرت اس وقت درس ملتوی فرما دیجئے

صدمہ بالکل تازہ ہے اور اس سے دل و دماغ کا متاثر ہونا قدرتی امر ہے۔ مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دارالحدیث میں پہنچ کر بخاری شریف کا درس شروع فرما دیا۔ صدر مہتمم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے جاکر دوبارہ سمجھانے کی کوشش فرمائی لیکن صرف یہ جواب تھا کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر اطمینان قلب اور کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے؟ (حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

خطرات سے بے نیاز ہو کر خفیہ تحریکات کی سرپرستی

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا۔ ریشمی خطوط کی تحریک اور یاغستان قبائل کی خفیہ تنظیم سے برٹش گورنمنٹ پوری طرح واقف ہو چکی تھی اور اس نے (بزعم خویش) اس تحریک کو کچل دیا تھا۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ ر۔ ں وانقرہ ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور ان کا داخلہ ہندوستان میں ممنوع تھا۔ ———————

——————— ——————— تحریک

کے اکثر و بیشتر رفقائے کار یا تو وفات پا چکے تھے یا برطانوی ڈپلومیسی کا شکار ہو کر تحریک سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ مجھے عرصے سے خلجان تھا کہ اتنی بڑی تحریک بالکل کس مپرسی کے عالم میں ختم ہو گئی لیکن اس سلسلے میں کوئی بات معلوم نہ ہو سکی تھی۔ ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ میں حضرت گورکھپور سے شاہ گنج تشریف لے جا رہے تھے۔ تقریباً بارہ بجے تھے اور پورے ڈبہ میں صرف حضرت تھے اور میں۔ موقع غنیمت سمجھ کر میں نے یاغستان کی تحریک کی بابت سوال کر ہی دیا۔ ابتداءً ٹالتے رہے۔ جب میں زیادہ مصر ہوا تو اولاً راز داری کا وعدہ لیا اور اس کے بعد فرمایا کہ مجاہدین کے مخصوص آدمی آتے ہیں اور حسب ضرورت روپیہ وغیرہ لے جاتے ہیں۔ چنانچہ ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۶۰ھ کے ایک مکتوب میں اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ مرسلہ۔ پہنچنے کے ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد مستحقین کا ایک آدمی آیا اور اس کو دے دیا گیا۔"

اسارت مالٹا و کراچی میں ہر طرح کی اذیتیں برداشت فرما چکے تھے۔ سفر و حضر حتیٰ کہ درسگاہ اور دولت کدہ پر مہمان خانے میں حکومت کے جاسوس سائے کی طرح لگے ہوئے تھے۔ ایسے ماحول میں کسی خطرناک تحریک کی قیادت کتنی جرأت و دلیری اور جانبازی کا کام تھا خصوصاً

ایک پوزیشن کے لئے۔ بہرحال یہ تحریک پاغستان آزادی و تقسیم ہند کے بعد کلیۃً ختم ہو چکی ہے اور آج تقریباً ۱۸ سال کے بعد حضرت کی روح پر فتوح سے دست بستہ معذرت کے ساتھ اس کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس وقت بقول حضرت رح میرے علاوہ صرف تین اصحاب اس راز سے واقف تھے۔ ان میں سے ہندوستان میں اب صرف دو حضرات موجود ہیں۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

درس حدیث سے شغف اور اس کے لئے تکالیف کا تحمل

شدید گرمیوں کا زمانہ ہے دوپہر کے بارہ بج چکے ہیں اور حضرت شیخ پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود دارالحدیث سے سبق پڑھا کر مکان پیدل واپس تشریف لئے جا رہے ہیں۔ چھتری پیش کی جاتی ہے تو اس کو لینے سے انکار فرما دیتے ہیں۔ بارش کے زمانہ میں راستہ کیچڑ آلود ہوتا آسمان سے ترشح ہو رہا ہے لیکن حضرت دارالحدیث کی طرف جا رہے ہیں کپڑے پر کیچڑ پڑ رہی ہے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں چھتری ہے۔ کس کی ہمت ہے کہ چھتری پکڑ سکے سواری پیش کی جاتی ہے تو اسے بھی انکار فرما دیتے ہیں۔ ناصر تانگہ والا تانگہ لے کر کھڑا ہے! طلبہ گذارش کر رہے ہیں کہ راستہ کیچڑ آلود ہے تانگہ پر تشریف رکھئے۔ مگر سنئے حضرت کیا جواب دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کیچڑ سے ہم پیدا ہوئے اگر اسی میں جا ملیں تو کیا ڈر ہے ایک دن ناصر تانگہ والے کی برکت لینے کی تمنا اور طلباء کے اصرار کو دیکھتے ہوئے مان گئے لیکن دوسرے دن کہیں جانا تھا ناصر تانگہ والا حاضر ہوا تو اس کے تانگہ پر اس وقت سوار ہوئے جبکہ یہ شرط تسلیم کرالی کہ وہ درسگاہ تک لے جانے کے لئے آئندہ کبھی نہ آئے گا۔ آخر میں جب کمزوری بہت زیادہ بڑھ گئی تو ایک دن مکان سے درسگاہ تک (جس کا فاصلہ تقریباً تین چار سو قدم کے درمیان ہے) تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں شمالی گیٹ پر ضعف کی وجہ سے دربان دارالعلوم کی نشست گاہ پر بیٹھ گئے اسی واقعہ کے بعد ایکسرے کی غرض سے سہارنپور تشریف لے گئے وہاں سے واپس تشریف لانے کے بعد طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت! کچھ دنوں کے لئے سبق موقوف فرما دیں تو آپ نے جواب دیا کہ لڑکوں کو شرارت سوجھتی رہتی ہے۔ یہ نہ پڑھنے کا بہانہ ہے مجھے تو سبق پڑھانے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی البتہ آنے جانے میں

زرا تکلیف ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت ! سواری کا انتظام قبول فرما لیجئے تو فرمایا ، ہاں یہاں تک آنے جانے کے لئے ہوائی جہاز کا انتظام کرلو۔ یہ وہ دن تھا جس روز سول سرجن نے انتہائی تاکید کی تھی کہ رات کو درس نہ دیا جائے۔ حضرت شیخؒ نے ڈاکٹر کا مشورہ قبول تو فرمایا مگر وہ اس طرح کہ بجائے شب کے نماز عصر کے بعد سلسلۂ درس شروع فرما دیا۔

(مولانا فضل ملک صاحب)

جب رسول نے بدلہ نہ لیا تو میں ان کا غلام ہو کر کیا بدلہ لوں ؟

حضرت سلہٹ میں قیام پذیر تھے مسلم لیگ کے حکم پر یہاں بھی ڈائرکٹ ایکشن ڈے " منایا گیا جس میں اپنے ایک خاص مطالبہ کے ساتھ قوم پرور مسلمانوں پر وحشیانہ حملوں کا پروگرام بھی شامل تھا۔ چنانچہ نئی سڑک (سلہٹ) کی مسجد میں نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی اس کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ پوری مسجد نمازیوں کے خون سے لت پت ہو گئی۔ خدا کی براہِ راست نگرانی نے حضرت کو محفوظ رکھا ورنہ اسباب و علل کو دیکھتے ہوئے حضرت کی زندگی کے امکانات نہیں تھے۔ ہنگامہ فرو ہونے کے بعد میں نے تنہائی میں عرض کیا کہ : آج تو کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی مگر خدا نے خیر کی اور حضرت پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس قوم نے ظلم کی انتہا کر دی ہے اگر حضرت نے صبر کیا تو خدا خود انتقام لے گا اور قوم پر تباہی آئے گی اس لئے اس کو اللہ کی گرفت سے بچا ئیے۔

آپ نے فرمایا کہ کیا مطلب ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ ان کے حق میں بددعا فرما کر انتقام لے لیجئے تاکہ براہ راست اللہ تعالیٰ ان کو اپنی گرفت میں نہ لے۔ یہ سن کر عجیب و غریب لہجے میں جواب دیا کہ : بھائی ! جب رسول اللہ نے بدلہ نہیں لیا تو میں ان کا غلام ہوتے ہوئے کیا انتقام لوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس قوم کو ہدایت دے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

(مولانا عبد الحمید صاحب اعظمی)

دنیا میں آرام کے لئے نہیں پیدا ہوئے

ایام علالت میں کچھ افاقہ ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ مکان سے باہر آنے لگے تو نماز ظہر جماعت سے ادا کرنے کے بعد مغرب کے بعد تک باہر قیام فرماتے تھے۔ نماز عصر

کے بعد عام اجتماع ہو جاتا تھا۔ اس موقعہ پر ضرورت مند عریضے پیش کرتے یا زبانی عرض معروض کرتے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! بہت دلوں سے تمنا ہے کہ آپ ہمارے گاؤں تشریف لے چلیں۔ آپ نے جواب میں آہستگی سے فرمایا کہ :" بھائی میری خوش نصیبی ہے کہ اللہ پاک نے مجھے آپ لوگوں کی خدمت کا موقع دیا مگر میری مجبوری اس سعادت میں مانع ہے۔ انشاء اللہ بشرط صحت و زندگی آپ کے یہاں ضرور آؤں گا" اس محبت بھرے جواب سے سائل مطمئن ہو گیا اور نہایت مسرت کے ساتھ رخصت ہوا حضرت کی علالت اور نقاہت کو دیکھتے ہوئے بعض مخلصین بے محل گفتگو اور غیر ضروری درخواستوں سے لوگوں کو اشارۃً منع کرتے تھے مگر پھر بھی اس قسم کی صورتیں پیش آتی ہی رہتی تھیں۔ ایک دن جب اشارے سے کام نہ چلا تو مولانا سلطان الحق صاحب نے ذرا ہمت کرتے ہوئے زور سے فرمایا کہ بھائی! اب حضرت کو آرام کر لینے دو! یہ سن کر حضرت نے فرمایا :۔ بھائی دنیا آرام کی جگہ تھوڑی ہی ہے۔ ہم یہاں آرام کے لئے نہیں پیدا ہوئے۔

(مولانا رشید الوحیدی)

چارپائی پر نماز نہیں پڑھی

حضرت رحمۃ اللہ ایام علالت میں کبھی راضی نہ ہوئے کہ بستر پر نماز پڑھیں نہ کبھی تیمم کے لئے تیار ہوئے۔ جب حضرت نے اصرار کی شدت دیکھی تو حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے (جو بسلسلہ عیادت تشریف لائے ہوئے تھے) فرمایا کہ: دیکھئے ان لوگوں نے مسجد چھڑا دی۔ جماعت چھڑا دی اور اب بستر پر نماز پڑھنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ کیا حکم ہے؟! حضرت شیخ الحدیث نے جواب میں فرمایا کہ میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے سطح برابر ہے اور نماز کے لئے اتنی شرط کافی ہے پھر حضرت نے تیمم کے بارے میں دریافت کیا تو جواب میں فرمایا کہ پانی سے چونکہ نقصان نہیں ہوتا صرف نقل و حرکت میں دشواری ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

۲۷ر نومبر ۱۹۵۷ء کو طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تو مولانا اسعد صاحب نے حکیم ذکی احمد صاحب دہلوی کو فون کیا۔ موصوف شام کو تشریف لے آئے تو حضرت نے پوری تفصیل سے مرض کی کیفیت بیان فرمائی۔ موصوف نے حکیم صدیق صاحب کے ایک نسخہ سے موافقت فرمائی مگر غذا میں بعض چیزوں کا اضافہ کر دیا اگلے روز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ڈاکٹر برکت علی صاحب

مہارنپوری کے ہمراہ تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے تقریباً پون گھنٹہ معائنہ فرمایا اور نسخہ تجویز کیا مگر وہ بعض حضرات کے سامنے اس بات پر اپنی حیرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے کہ طبی نقطۂ نظر سے اسباب زندگی کے نقدان کے باوجود حضرت والا حیات ہیں۔ بہرحال اس قدر شدت مرض کے باوجود اس عرصہ میں کبھی نماز چارپائی پر نہیں پڑھی۔ قریب کی چوکی پر تشریف لے جاتے اور وضو کر کے نہایت اطمینان سے نماز ادا فرماتے۔

۳۰ر نومبر کا واقعہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے غالباً فرض کی دوسری رکعت تھی میں قریب ہی کسی کام میں مصروف تھا مولانا اسعد صاحب نے گھر میں داخل ہوتے ہی چیخ کر فرمایا: دیکھو! دیکھو! میں گھبرا کر مڑا تو بڑا رقت انگیز منظر سامنے تھا۔ جب تک ہم دوڑ کر قریب پہنچیں حضرت چوکی سے نیچے گر چکے تھے۔ میں نے اور مولانا اسعد صاحب نے مل کر اٹھایا زبان پر اللہ اللہ جاری تھا۔ کھانسی کی شدت سے سانس رکنے لگا تھا۔ مولانا عزیز احمد صاحب قاسمی نے پیر پر اور میں نے جلدی جلدی پشت پر اور مولانا اسعد صاحب نے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ جب کچھ سکون ہوا تو مولانا اسعد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت چارپائی پر تشریف لے چلیں۔ پوچھا نماز کا وقت ہے؟ عرض کیا گیا:۔ جی ہاں! ہے! یہ سنتے ہی فوراً نیت باندھ لی اور نہایت اطمینان سے فرض ادا کرنے کے بعد بستر پر تشریف لے گئے۔ مولانا عزیز احمد صاحب نے پوچھا۔ حضرت آپ کو کچھ محسوس ہو رہا تھا؟؟ فرمایا کہ:۔ بھائی یہ زندگی میں پہلا موقع تھا اس لئے میں کچھ سمجھ نہ سکا صرف اتنا یاد پڑتا ہے کہ تخت زور زور سے گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

(مولانا رشید الوحیدی)

شدید تکلیف کا بھی خود اظہار نہ فرمایا

وصال سے دو چار دن قبل تنفس کی شکایت تو قطعی ختم ہو چکی تھی لیکن سینے میں درد کی نئی تکلیف شروع ہو گئی۔ ایک دن ظہر کے وقت پہلی مرتبہ تکلیف کا احساس ہوا مگر کسی سے مطلق نہ فرمایا اور نہ کسی طرح اظہار ہونے دیا۔ شام کو جب بے چینی زیادہ بڑھی تو اہلیہ محترمہ کے استفسار پر کیفیت بیان کی وہ پریشان ہو گئیں۔ فوراً مولانا اسعد صاحب کو مطلع کیا۔ وہ باہر ہی تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر سبحان صاحب کو بلوا کر نیند کا انجکشن لگوا دیا جس سے کافی سکون ہوا

مگر اس کے بعد آپ کا اکثر وقت پہلے سے کہیں زیادہ دعا و استغفار میں گذرنے لگا۔ ہر وقت فرماتے رہتے یا الہ العالمین درماندہ ام۔ اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر۔ رات کے وقت ۳ بجے، ۴ بجے اور کبھی ۲ بجے نوافل شروع فرما دیتے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی موجود ہوتا تھا وہی وضو کراتا اور نماز کے وقت سہارا دیتا۔ اس کے بعد ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور دعائیں پڑھتے رہتے۔ ایک بار میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت کیا تکلیف بہت زیادہ ہے؟ فرمایا: دیکھو بھائی میں کس قدر مجبور ہو گیا ہوں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس قدر کمزور ہو گیا ہوں کہ مجھ میں ذرا بھی صبر و تحمل کی طاقت نہیں رہی اتنی ذراسی تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔ الغرض ہاتھ ملتے رہتے اور فرماتے جاتے کہ ہائے افسوس عمر ضائع ہوئی۔ کبھی کبھی بے تحاشا زبان مبارک سے آہ نکلتی اور فرمانے لگتے:۔ یا اللہ! کیا منہ دکھاؤں گا یا اللہ من مسکینم رحم کن برمن بیچارہ و مسکین۔ برادر مکرم فرید الوحیدی صاحب حاضر خدمت ہوئے اور قریب کھڑے ہو گئے۔ فرمایا کیا ہے؟ وہ بولے کہ ہمیں آج تو آپ کی طبیعت نسبتاً بہتر معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا: الحمد للہ۔ عرض کیا خود جناب کو اپنی طبیعت کیسی معلوم ہوتی ہے؟! فرمایا:۔ تم چلتے پھرتے ہو کام کرتے ہو اور میں پڑا ہوا ہوں اس سے بڑی تکلیف اور کیا ہوگی؟ تمام عمر یوں ہی بیکار ضائع ہوئی اور اب آخر عمر میں بھی پڑا رہتا ہوں۔ بھائی صاحب نے فرمایا: حضرت آپ یہ نہ فرمائیں چند دنوں میں آپ بھی کام شروع فرما دیں گے اور جو کام ہم تمام عمر ادھورا بھی نہ کرسکے اسے آپ چند گھنٹوں میں پورا فرما لیں گے۔

شدید مرض کے ایام میں جب کوئی عیادت کے لئے حاضر ہوتا تو باوجود ہزار دقت و پریشانی فوراً اٹھ کر مصافحہ فرماتے اور بار بار کہتے کہ بھائی! آپ نے ناحق تکلیف فرمائی۔ آپ حضرات کی دعا ہی بہت کافی ہے۔ بیمار کون نہیں ہوتا۔ مجھے ڈاکٹروں نے منع کر دیا ہے۔ نہ مسجد تک جانے کی اجازت ہے نہ باہر جا کر نماز پڑھنے کی۔ (مولانا رشید الوحیدی)

کیا میں ملازمت چھوڑ دوں؟

چند دیہاتی حضرات کسی گاڑی سے تشریف لائے اور حضرت کو مدعو کرنا چاہا حضرت نے عذر فرمایا لیکن انہوں نے اپنے اصرار میں اضافہ کر دیا اور پھر صورت حال یہ ہو گئی کہ جوں جوں

حضرت اپنے اعذار کو مدلل بیان فرماتے اسی قدر ان کا بلا دلیل اصرار بڑھتا جاتا۔ آخر کار حضرت نے کسی قدر بلند آواز میں فرمایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا ملازمت چھوڑ دوں اسی طرح مارا مارا پھروں۔ ان بھائی مہمانوں نے نہایت برجستگی سے فرمایا کہ: "ملازمت چھوڑ دے یا نہ چھوڑ، ہمیں مار دے یا گاڑ دے مگر بجرت (حضرت) ہم تو تجھے لے ہی کے ٹلیں گے" یہ سن کر حضرت مسکرائے ان سے وعدہ فرمایا اور متعینہ تاریخ ڈائری میں نوٹ کر کے انہیں ہنسی خوشی رخصت کیا۔

بردباری اور تحمل

(وفات سے) دو تین سال پہلے جبکہ جسم پر بہت زیادہ ضعف طاری اور حاوی ہو چکا تھا، اٹھتے بیٹھتے گھٹنوں میں تکلیف ہوتی تھی۔ ایک صاحب نے تعویذ کی درخواست کی حضرت اندر تشریف لے جا رہے تھے۔ ان سے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں میں ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مطالعہ گاہ میں تشریف لائے اور بیٹھ کر تعویذ لکھا۔ میں ساتھ تھا عرض کیا کہ مجھے دیدیجئے میں ان صاحب کو دیدوں گا۔ فرمایا کہ: تو ترکیب نہیں سمجھا سکے گا چنانچہ باہر تشریف لائے اور تعویذ دے کر نہایت تفصیل کے ساتھ اس کی ترکیب سمجھائی اور جوں ہی واپسی کے لئے مڑے اس شخص نے دوبارہ آگے بڑھ کر کہا کہ حضرت ایک تعویذ مجھے اپنے لڑکے کے لئے بھی چاہئے۔ فرمایا: بہت اچھا اور پھر گھر میں تشریف لا کر تعویذ لکھا اس مرتبہ بھی میں نے کہا مجھے دیدیجئے میں دیدوں گا مگر انکار فرمایا اور خود ہی تشریف لا کر تعویذ مرحمت فرمایا۔ اب اس کا دل اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے اپنی بہو کے لئے بھی ایک تعویذ کی فرمائش کر دی اس سے دریافت کیا کہ بہو کو کیا شکایت ہے اس نے کیفیت بیان کی اور آپ نے اسی خندہ پیشانی کے ساتھ تیسری مرتبہ گھر جا کر تعویذ لکھا اور خود ہی لے کر باہر تشریف لائے۔ راقم الحروف بھی اس مجاہدہ و ریاضت میں برابر شریک رہا اور حضرت نے نہایت نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس سے رخصتی سلام و مصافحہ کیا تو اپنی حیرت کو بڑی مشکل سے روک سکا۔ (مولانا فریدالوحیدی)

فرمایا: حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے!

دسمبر ۱۹۴۵ء کا پر آشوب دور تھا۔ مسلم لیگ کی تحریک کانگریس کے مقابلہ میں شباب پر تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کانگریس کی حمایت میں بریلی تشریف لائے ہوئے تھے اور اہالیان بریلی کو

اپنے تدبر سے راہ راست پر لانے اور آئندہ خطرات سے آگاہ فرمانے کے لئے عوام کو خطاب کرنا چاہتے تھے ۔اس وقت کا جو دلخراش منظر میری آنکھوں نے دیکھا اس کا مختصر سا خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں ۔شہر کے مرکزی حصے موتی پارک میں جلسہ کا انتظام کیا گیا تھا گلی گلی اور کوچہ بکوچہ اعلان ہو چکا تھا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی شام کو بعد مغرب موتی پارک میں تقریر فرمائیں گے چنانچہ مقررہ وقت پر موتی پارک سامعین سے پُر ہو چکا تھا اور حضرت ممدوح کا انتظار ہو رہا تھا کہ یکایک حضرت مولانا تشریف لے آئے ۔شہر کے بعض اعزہ بھی حضرت والا کے ساتھ تھے ۔ یہ خادم دیرینہ بھی ہمرکاب تھا ۔پارک سے باہر مسلم لیگ کے حامیوں کا ایک زبردست ہجوم تھا ۔جنھوں نے اپنے مخالفانہ اور معاندانہ فلک شگاف نعروں سے مولانائے موصوف کو تقریر سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کر رکھی تھی لیکن حضرتؒ نے اس قسم کے معاندانہ نعروں کی کوئی پروانہ کی اور تلاوت کلام پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا ۔حضرت شیخ ۔رحمۃ اللہ علیہ نے آیۂ کریمہ ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ تلاوت فرمائی جو موقعہ اور محل کے مطابق تھی اور اس کا ترجمہ کر کے تقریر کا سلسلہ شروع فرما دیا اس دوران میں مخالفین نے انتہائی بد اخلاقیوں کا مظاہرہ کیا ۔کولتار کے خالی ڈرم اور ٹین کے کنستر پوری قوت کے ساتھ بجا رہے تھے ۔سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے ڈنٹھل وغیرہ حاضرین جلسہ پر پھینکے ۔جب ان کی تمام حرکات کا بھی کوئی اثر نہ لیا گیا تو ان ناعاقبت اندیشوں نے سنگ باری شروع دی ۔اتفاق وقت کہ اس زمانہ میں پارک کی چاروں جانب پتھروں کے انبار لگے ہوئے تھے کیونکہ سڑک بد رکنے کے لئے پتھر جمع کیا گیا تھا وہی مخالفین کے لئے میگزین بن گیا جسے بے دریغ پُرامن جلسہ گاہ پر برسا رہے تھے ۔اگرچہ پولیس کی پوری طاقت اور محکمہ پولیس کے تمام افسران موقع ہی پر موجود تھے ۔مگر ضلع پولیس کے افسران اعلیٰ کی ذہنیت بھی لیگی اثرات سے مسموم تھی اسلئے پولیس کا عدم وجود برابر تھا ۔بلکہ پولیس کی چشم پوشی سے مخالفین کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی ۔آخر تا کیے ؟ حاضرین جلسہ مضطرب ہوئے اور مجمع منتشر ہونے لگا حضرت مدنی کے جاں نثاروں نے چاہا کہ موصوف کے اوپر کوئی سایہ کر لیں تاکہ آپ کا جسم مبارک محفوظ ہو جائے لیکن اس پیکر صبر۔ استقامت نے لوگوں کو اپنے اوپر سایہ کرنے سے روک دیا اور انتہائی محبت و شفقت سے فرمایا

کہ حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ بہر حال آپ اس سنگ باری میں سینہ سپر ہو کر مجاہدانہ انداز میں تقریر فرماتے رہے۔ آخر کار مخالفین نے بجلی کے قمقموں کو پتھروں کا نشانہ بنایا فضا پر تاریکی چھا گئی اور جلسہ برخاست کر دیا گیا اور حضرت مولانا اپنی قیام گاہ پر تشریف لے آئے اور بریلی سے رخصت ہونے سے قبل آپ کی جانب سے ایک ہینڈ بل شائع ہوا جو دعاؤں اور نصیحتوں سے لبریز تھا اور جس کے اختتام پر یہ شعر تھا ؎

مُرادِ ما نصیحت بود گفتیم　　　حوالت با خدا کردیم و رفتیم

(حکیم عبدالرشید صاحب بریلی)

دیکھئے میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے کہاں ہے؟

درس کے وقت طلباء اپنے اشکالات پرچیوں پر لکھ کر حضرت کی خدمت میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ حضرت ان کو پڑھ کر سناتے اور جواب دیتے۔ ان میں سے بعض پرچیاں خود حضرت کی ذات سے متعلق ہوتی تھیں اور بعض میں تلخ انداز بھی ہوتا تھا مگر حضرت ایسی پرچیوں کا جواب بھی نہایت بردباری اور خندہ پیشانی کے ساتھ عنایت فرماتے۔ مثلاً ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک پرچی پہنچی جس میں تحریر تھا کہ: حضرت! آپ پاجامہ ٹخنوں سے نیچا کیوں پہنتے ہیں یہ تو از روئے حدیث حرام اور ممنوع ہے۔" حضرت نے یہ پرچی سنائی پھر فوراً کھڑے ہو گئے اور پائنچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

حضور! کون کہتا ہے کہ میں ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہنتا ہوں۔ دیکھئے میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا کہاں ہے؟؟ ہو سکتا ہے کہ کبھی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر توند کی وجہ سے نیچا ہو جاتا ہو پھر بھی کافی احتیاط اور خیال رکھتا ہوں۔ بھلا میں اس کی جرأت بھی کیسے کر سکتا ہوں جبکہ حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے۔　　(فیاض احمد حسینی فاضل دیوبند ایف۔ ایم۔ بی۔ ایس)

چالیس ہزار روپے نقد اور سرکاری ملازمت پر لات ماردی

۱۹۳۶ء میں جو الیکشن ہوا اس کے بعد سنبھل میں دیوبندی خیال حضرات میں اختلاف ہو گیا۔ یہاں تک کہ بعض افراد میں تو بول چال بھی بند ہو گئی۔ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ جب بعض شادیوں میں شرکت کی غرض سے

سنبھل تشریف لائے اور آپ کو مقامی حضرات کی باہمی کشیدگی کا علم ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ ترک تعلق کسی طرح مناسب نہیں تعلقات کو فوراً خوشگوار ہونا چاہئیے اختلاف رائے اختلاف رائے کی حد تک درست ہے اسکا اثر تعلقات پر نہ پڑنا چاہئیے۔ اس کے بعد تحریک آزادی کے سلسلے میں اپنے موقف کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں جب کراچی جیل سے رہا ہو کر آیا تو بنگال کونسل کے ایک ممبر نے مجھ سے کہا کہ چالیس ہزار روپے نقد اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچسو روپے ماہانہ کی پروفیسری آپ کے لئے ہے آپ اس کو منظور فرمالیں! میں نے کہا کہ کام کیا کرنا ہوگا، ممبر صاحب نے فرمایا:۔

'کچھ نہیں! صرف تحریکات میں خاموش رہیں'! میں نے جواب دیا کہ "حضرت شیخ الہند جس راستے پر لگا گئے ہیں میں اس سے ہٹ نہیں سکتا"

(نوٹ:۔ یہ ۱۹۲۳ء کی بات ہے اس وقت حضرت کے لئے ملازمت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا کچھ عرصہ کے بعد ڈیڑھ سو روپے ماہانہ مشاہرہ پر آپ سلہٹ تشریف لے گئے)

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کو نصیحت فرمائی کہ آپ لوگ اس کام میں لگے رہیں اور آپس میں تعلقات خراب نہ کریں!

(مولانا مقصود علی خاں صاحب سنبھلی)

موسمی شدائد کا تحمل

ایک مرتبہ بحیثیت خادم راقم الحروف حضرتؒ کے ساتھ شریک سفر تھا۔ دسمبر کا آخری عشرہ، سردی پورے شباب پر تھی حضرتؒ بستی سے براہ گورکھپور شاہ گنج تشریف لائے یہیں سے اکبرپور کے لئے ٹرین تبدیل کرنی تھی۔ اگرچہ ٹرین میں بھی کافی سردی محسوس ہو رہی تھی اور برفیلی ہوائیں کھڑکیوں کی ریخوں اور ادھ کھلے دروازے سے ڈبے میں داخل ہو کر اسے برف خانہ بنائے ہوئے تھیں۔ لیکن شاہ گنج کا پلیٹ فارم تو طبقۂ زمہریر کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ سرد خشک ہوا کے جھونکے رگ و پے میں سرایت کئے جا رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں جیسے ماؤف ہوگئے ہوں ۳ بجے شب کا وقت اور موسمی شدائد کا یہ حال میرے لئے تو چلنا دشوار ہوگیا۔ میں نے اسی پریشانی کے عالم میں حضرتؒ سے عرض کیا کہ:۔ آپ کے ساتھ سفر میں رہنا بھی کچھ آسان بات نہیں ہے! حضرت یہ سن کر مسکرائے

اور فرمایا:-

"جی ہاں! ایک انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان نے میرے ساتھ سفر میں رہنا چاہا لیکن پندرہ ہی یوم میں وہ بیمار ہو کر اپنے مکان چلے گئے اور پھر انہوں نے واپسی کی ہمت نہ کی!"

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت کے چہرے بشرے یا جسم سے ان موسمی شدائد کے اثرات مطلق نہیں ظاہر ہوتے تھے۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

استغناء و توکّل

ٹیوشن پر راضی نہ ہوئے

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میرے والد ڈاکٹر رفاقت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح میری تعلیم کے لئے مکان پر تشریف لایا کریں اور حسب خواہش ماہوار رقم مقرر کر دی جائے گی۔ والد صاحب نے بیحد اصرار کیا لیکن حضرت شیخ رح کسی طرح راضی نہ ہوئے اور والد صاحب سے فرمایا کہ عبدالحق کو حرم شریف بھیجو! میں بلا معاوضہ اور حسبۃً للہ پڑھاؤں گا۔ طرفین سے اپنی اپنی بات پر اصرار ہوتا رہا یہاں تک کہ والد صاحب رح نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خودداری و استغناء اور پابندی اصول کے سامنے سپر ڈال دی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ اس دور کی بات ہے جس زمانہ میں حضرت شیخ رح کا پورا خاندان جو کہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا تین پاؤ اُبالی ہوئی مسُو کے پانی پر گذارا کیا کرتا تھا۔

ڈیڑھ سو روپے پر قناعت

برطانوی حکومت کے ایماء پر ڈھاکہ یونیورسٹی سے شعبہ دینیات کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ مبلغ پانچسو روپے ماہوار پر بلائے گئے مگر حضرت نے انکار کر دیا۔ پھر حکومت مصر کی جانب سے جامع ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ کے لئے مبلغ ایک ہزار پانچسو روپے ماہوار، مکان و موٹر بذمہ حکومت۔ سال میں ایک بار ہندوستان کی آمد و رفت کے کرائے کے وعدے پر حضرت رح کو دعوت دی گئی۔ اگرچہ اس زمانہ میں حضرت کو ڈیڑھ سو روپے ماہوار سے زیادہ نہ ملتے تھے، لیکن حضرت نے وہاں تشریف لے جانے سے قطعاً انکار فرما دیا۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

توکّل

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ افطار کرتے وقت اگر کوئی کھانے پینے کی چیز اٹھا کر

رکھدی جاتی کہ مغرب کے بعد اطمینان سے کھائی جائے گی تو حضرت خفا ہو کر فرماتے :- آخر یہ کیا بُری عادت ہے کہ اصحاب مائدہ کی طرح ذخیرہ کرتے ہو، جس خدا نے مغرب سے قبل یہ نعمت دی ہے وہی خدا کیا مغرب کے بعد نہیں دے سکتا۔ بالآخر جب تک وہ چیز دوسرے افراد خصوصاً بچوں کو کھلا نہ دیتے آپ کو چین نہ آتا ۔

(مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی)

حضرت نے بڑے اطمینان سے فرمایا خدا پر بھروسہ رکھو وہی پورا کرنے والا ہے

۳ر دسمبر ۵۵ء کو مرض میں کافی تخفیف محسوس ہوئی۔ آپؒ نے صبح کے وقت قاری اصغر علی صاحبؒ کے کمرے میں جانے کا ارادہ کیا (موصوفؒ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی معتمد اور خانگی اخراجات نیز بہت سے دیگر امور کے منتظم تھے۔ حضرت شروع مہینے میں روپے عنایت فرما دیتے اور وہ علی الحساب خرچ فرمایا کرتے) آپ کے ارادہ کو دیکھکر ہم نے عرض کیا کہ حضرت کیوں تکلیف فرماتے ہیں، خود قاری صاحب ہی کو بلائے لیتے ہیں، جب قاری صاحب تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا کہ حساب مکمل کر لیا؟ قاری صاحب نے فرمایا: جی ہاں! ہر ماہ تقریباً ہزار ڈیڑھ ہزار کا حساب عام بات تھی، حضرت نے بہت معمولی رقم عنایت فرمائی جو مشکل سے ایک دوکاندار کے حساب کو کافی ہو سکتی تھی رقم دیکھ کر قاری صاحب نے فرمایا: اس میں کیا ہوگا؟ حضرت نے بڑے اطمینان اور انتہائی استغناء سے جواب دیا کہ :- لے جاؤ! خدا پر بھروسہ رکھو! وہی پورا کرنے والا ہے۔ قاری صاحب اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ پھر حضرت کو کچھ خیال آیا تو مجھ سے فرمایا کہ :- دیکھو! شیروانی میں سے بٹوا لے آؤ! میں نے بٹوا پیش کیا تو اس کو بالکل خالی کر لیا۔ شاید بیس پچیس روپے نکلے ہونگے مجھ سے فرمایا کہ لے جا! قاری صاحب کو دے آ۔ میں نے قاری صاحب کو جا کر دیدیئے۔ اس وقت اگر حضرت سے کوئی چند آنے مانگ لیتا تو ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے چند آنے بھی نہ ملتے مگر اس قسم کی باتوں کا احساس ہم جیسے مادی اسباب پر سہارا رکھنے والوں کو ہوتا ہے لیکن اس اللہ کے ولی کی نگاہ میں مادی وسائل ہیچ تھے اور توکل و استغناء ہی آپ کا طرۂ امتیاز تھا ۔

(مولانا رشید الوحیدی)

تمہیں غیروں سے کب فرصت؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی حاجت کے لئے کبھی کسی سے سوال نہ فرماتے۔ اگرچہ لوگ اس بات کے خواہاں رہتے تھے کہ حضرت ان سے کوئی خدمت لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ مہابیر تیاگی (سابق وزیر دفاع ہند) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رخصت ہوتے وقت کہا: کہ حضور! میری خواہش ہے کہ آپ مجھ سے کوئی خدمت لیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ؎

تمہیں غیروں سے کب فرصت ہم اپنے غم سے کب خالی
چلو اچھا ہوا یہ بھی نہ تم خالی نہ ہم خالی

(انفاس قدسیہ)

اب تو وہ بادشاہ ہیں

غالباً فروری ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے کہ اسنا (تحصیل غازی آباد) میں جلسہ تھا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے۔ راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ دہلی کے ایک صاحب نے عرض کیا کہ: حضور یہاں سے فارغ ہوکر دہلی تشریف لے چلئے۔ حضرت نے فرمایا: کیوں؟ انہوں نے کہا: صدر جمہوریہ کے یہاں چلنا ہے حضرت نے فرمایا کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ وہاں جاؤں۔ وہ بادشاہ ہیں میں فقیر، میرا ان کا کیا جوڑ؟ اب وہ پہلے کے راجندر پرشاد نہیں ہیں۔ اب تو وہ بادشاہ ہیں۔

(مفتی عزیز الرحمن بجنوری)

توکل کے خلاف کیا تھا اس لئے چوری ہوئی

ایک سال قاری اصغر علی صاحبؒ نے بقرعید کے اخراجات کی غرض سے تقریباً تین سو روپے پس انداز کئے تھے۔ اتفاق سے کوئی چور روپے کی صندوقچی اٹھا کر لے گیا۔ حضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا: کہ قاری صاحب! آپ نے توکل کے خلاف کیا تھا اسی لئے تو چوری ہوئی۔

(انفاس قدسیہ)

سلاطین کے دربار سے مجھے کیا واسطہ؟

۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء ماہ جون میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بسلسلہ حج د

وزیارت تشریف لے گئے۔ میں وسط جولائی کو آخری جہاز سے روانہ ہوا بمبئی میں ایک شناسا سے معلوم ہوا کہ ملک حجاز نے حضرت رحمہ اللہ کو آپ کی پوری جماعت کے ساتھ ریاض مدعو کیا ہے ساتھ ہی یہ بات بھی کانوں تک پہنچی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جلالۃ الملک کی دعوت کو قبول فرمالیا ہے۔ مجھے مسرت ہوئی کہ میں بھی حضرت کے ہمراہ ریاض جاؤں گا۔ مکہ مکرمہ میں جب حضرتؒ سے ملاقات ہوئی تو میں نے اپنی تمنا کا اظہار کیا۔ آپ نے حیرت سے فرمایا کہ: مجھے سلاطین کے دربار کی حاضری سے کیا واسطہ؟ میں ایک گوشہ نشین فقیر ہوں، سلاطین وامراء سے تعلق نہیں رکھتا ہوں۔ میری اس گفتگو کے بعد ایک صاحب نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے اس قسم کی تحریک ضرور ہوئی تھی مگر حضرت اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

عفو وکرم

سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کردیا

۲۴ جنوری ۴۳ء کو حضرتؒ نینی جیل الہ آباد میں داخل کئے گئے ۔ مولانا سیّد محمد شاہد صاحب فاخری، مولانا عبدالحی صاحب، عبدالمجید صاحب، مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی جیسے احباب بھی وہاں موجود تھے ۔ یہ حضرات یکے بعد دیگر رہا ہوتے رہے، مگر حضرت شیخ الاسلامؒ تقریباً ۱۹ ماہ جیل میں محبوس رہے ۔

یکم نومبر ۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کے ساتھ گستاخانہ حرکت کی محض اس لئے کہ گنتی کے لئے جس قدر عجلت سے وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرتؒ اس کے حکم کی تعمیل نہ کرسکے سپرنٹنڈنٹ جیل کی اس بیہودگی سے جیل کے تمام نظر بند برافروختہ ہو گئے اور جب یہ خبر شدہ شدہ باہر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے ہی دن اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی مگر جیل سے باہر تمام ملک میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا، چنانچہ ۲۶ر نومبر ۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے ۔

بالآخر، ۲۷ر نومبر کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک "کمیونکے" شائع ہوا جس میں اس واقعہ کی توجیہ کرتے ہوئے ذکر کیا گیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا افسران جیل سے مطمئن ہیں لیکن حضرت کے متوسلین کے لئے یہ کیونکہ بھی اطمینان بخش ثابت نہ ہوا ۔ ان کا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو برطرف کیا جائے حضرت کے محبین نے اس پر دعویٰ دائر کرنے کی تیاری بھی کرلی تھی لیکن حضرتؒ کا ایک پیغام پہنچا کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا ہے ۔ اس کے خلاف کوئی

کارروائی نہ کی جائے حضرت کے اس پیغام کے بعد تمام خدام کو اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔

دشمنوں کے حق میں دعائیں

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ پر عمل کرنے اور دشمنوں سے نہ صرف درگذر کرنے بلکہ ان کو نفع پہنچانے اور ان کے حق میں دعائے خیر کو وظیفہ بنانے میں مولانا فرد فرید تھے۔ سید پور، بریلی، جالندھر اسٹیشن کے واقعات کے بعد جو انسانیت و شرافت کی ابتدائی حدود سے بھی متجاوز اور وحشت و رزالت کا نمونہ تھے مولانا کی زبان پر کبھی بھول کر بھی کلمۂ شکایت یا اظہار حال نہیں آیا بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے تہجد و سحور کے وقت مولانا کو ان ناآشناؤں کے حق میں گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرتے سنا گیا ہے ان دشنام طرازوں، بدنام کرنے والوں اور خاک اڑانے والوں کو جب ضرورت پیش آئی ہے اور انہوں نے یا ان کے عزیزوں نے مولانا سے کسی سفارشی خط کی فرمائش کی مولانا نے بڑی بشاشت اور انشراح خاطر کے ساتھ پرزور الفاظ میں ان کی فرمائش پوری کی ہے۔ اس موقع پر اگر کسی خادم یا رفیق نے ان کا تعارف کرانے اور ان کے پچھلے کارناموں کو یاد دلانے کی کوشش کی ہے تو اس کو سختی سے جھڑک دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ان کا عمل اس اسوۂ نبی پر تھا وان اعفوا عمن ظلمنی و اصل من قطعنی و اعطی من حرمنی (حدیث) (یعنی) میرے رب نے تاکید کی ہے کہ جو مجھ پر ظلم کرے اسے میں معاف کردوں، جو میرا مقاطعہ کرے میں اسکے ساتھ سلوک اور صلہ رحمی کروں)، جو مجھے محروم رکھے اس کو میں عطا کروں۔

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

حضرت کے چہرے پر شکن تک نہ آئی

نکھیم پور کھیری کا واقعہ ہے حضرتؒ سیرت کے جلسے میں تقریر فرما رہے تھے دوران تقریر میں انگریزوں کے ساتھ لیگ پر بھی تنقید فرمائی۔ ایک وکیل صاحب غصہ کے عالم میں کانپتے ہوئے کھڑے ہوے اور بلند آواز سے کہا کہ، یہ سیرت کا جلسہ ہے اس میں سیاست سے بحث نہ کیجئے! حضرت نے انتہائی متانت سے فرمایا:- بہت اچھا اور یہ کہہ کر تقریر کا رخ تبدیل کر دیا۔ وکیل صاحب جلسہ گاہ سے جا چکے تھے، حاضرین میں سخت

اشتعال تھا لیکن حضرت کے چہرے پر ناگواری کا شائبہ تک نہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی پیش نہیں آئی۔ (حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

عفوو درگذر اور عیب پوشی

رمضان المبارک میں حضرت مولانا نوافل میں تمام رات قرآن مجید پڑھا کرتے تھے دو تین شرکاء اور بھی ساتھ ہوتے تھے۔ (یہ اس دور کی بات ہے جبکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دیوان خانے میں رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں بھی وہاں رمضان المبارک کے مہینے میں مہمان تھا عصر کے بعد مولانا کہیں سے تشریف لائے شیروانی اتار کر لٹکا دی اور بیت الخلاء چلے گئے میں باہر بیٹھا تھا شیروانی اندر لٹکی ہوئی تھی، ایک نوجوان لڑکا آیا اور اس نے جیب میں سے روپیہ اور پیسے نکال لئے۔ پانچ روپیہ کچھ پیسے تھے میں نے دیکھ لیا اور اسے پکڑ لیا وہ رونے لگا حضرت جب واپس آئے تو میں نے اس لڑکے کو پیش کر کے واقعہ سنایا۔ حضرت نے روپے لیکر اس میں سے دو روپے اس کو دیئے اور تسلی دلا سا دے کر اسے رخصت کر دیا اور جب وہ چلا گیا تو حضرت نے فرمایا کہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرنا۔

میں سب کو معاف کر چکا ہوں

بنگال کے سفر میں جب بعض مقامات پر لوگ حضرتؒ سے گستاخی سے پیش آئے اور اخبارات میں اس کا چرچا ہوا تو چودھری مقبول الرحمن خاں سیوہاروی نے ان لوگوں کی ہجو میں ایک نظم لکھی جس میں ان کے لئے کچھ بد دعائیں بھی تھیں اس نظم میں انہوں نے مجھ سے بھی مشورہ کیا۔ غرضیکہ اس کو صاف کر کے بغرض اشاعت اس کو اخبار مدینہ بجنور بھیج دیا۔ لیکن جب وہ نظم شائع نہیں ہوئی تو میں نے مولوی مجید حسن کو شکایتی خط لکھا مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ جب وہ نظم یہاں پہنچی حضرت دفتر ہی میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے وہ نظم حضرت کو سنائی تو آپ نے فرمایا کہ یہ نظم شائع نہ کی جائے لہٰذا ہم اسے اخبار میں شائع کرنے سے معذور ہیں! اگلے مہینے جب حضرت سیوہارہ تشریف لائے تو میں نے کہا آپ نے ہماری نظم کو شائع ہونے سے کیوں روک دیا؟ فرمایا کہ بھائی! میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا۔ میں سب کو معاف کر چکا ہوں آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا نہ کہیں نہ کسی کے لئے بد دعا کریں!

حضرت سنتے رہے اور مسکراتے رہے

حضرت سیوہارہ میں تشریف فرما تھے

باہر کا کوئی شخص آیا اور اس نے کچھ گفتگو کی آخر سخت کلامی پر اتر آیا حضرت سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔ آخر وہ شخص بہت ہی شرمندہ ہوا اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا۔

(قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی)

جہاز کے ملازم کا غلط رویّہ اور آپ کا حسن سلوک

حضرت نے ایک مرتبہ جمعیۃ کے کسی پروگرام کے سلسلے میں رنگون کا سفر فرمایا اور جب بحری جہاز سے آپ کی واپسی ہوئی تو میزبان نے حضرت کی آرام کی غرض سے ایک خادم بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت کا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا اور خادم کا ٹکٹ تیسرے درجے کا۔ مگر چونکہ حضرت کے کیبن میں کوئی دوسرا مسافر نہیں تھا اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ خادم بھی اسی میں رہے مگر جہاز کا ملازم جب بھی وہاں حاضر ہوتا ملازم کی موجودگی پر اعتراض کرتا چنانچہ حضرتؒ نے ایسا کیا کہ خود ہی زیادہ تر وقت تیسرے درجہ میں گذارنے لگے۔ جب سفر ختم ہوا اور چوتھے دن جہاز ساحل پر پہنچا تو وہ ملازم راستے میں اپنے غلط رویہ کے باوجود حضرت کی خدمت میں بھی اپنے دستور کے مطابق انعام اور بخشش لینے پہنچ گیا۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس نے ہمیں راستے میں تکلیف پہنچائی ہے اس لئے اسے بھی انعام سے محروم کر دیجئے۔ لیکن حضرت نے فرمایا کہ: نہیں! اس کا حق دیا جائے گا اور یہ کہہ کر حضرت نے پورے چار روپے گن کر اس کی جانب بڑھائے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ایک روپیہ موجودہ دور کے سات آٹھ روپے کے مساوی ہوتا تھا اور بڑا سے بڑا انگریز افسر بھی جہاز کے ملازمین کو ایک روپیہ سے زیادہ نہیں دیتا تھا۔ ملازم نے حضرت کے ہاتھ میں بجائے ایک کے چار روپے دیکھے تو اس نے یہ خیال کیا کہ چونکہ اس نے راستے میں تکلیف پہنچائی ہے اس لئے شاید اس سے مذاق کیا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا نے اس کے تذبذب اور ندامت کو محسوس کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ لو! یہ روپے تمہارے ہی لئے ہیں چنانچہ اس نے روپے لے لئے۔

یہ دیکھ کر خادم سے رہا نہ گیا اور حضرت سے کہا کہ اس جہاز کے ملازم نے تو ہمیں راستے میں تکلیف پہنچائی اور آپ نے اکٹھے اسے چار روپے دیدیئے جبکہ بڑے سے بڑا انگریز افسر بھی ایک روپے سے زیادہ انعام نہیں دیتا۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا: بھائی! اصل بات یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا

کہ انعام لوبخشش صاحب بہادروں سے ہی سنی ہے ہماری جیسی مولویانہ صورت والوں سے وہ کسی انعام کی توقع نہ رکھتا ہوگا اس لئے اس نے ہم لوگوں کے ساتھ مناسب برتاؤ کا ثبوت نہ دیا۔ ہمارا سفر تو بہرحال ختم ہوگیا لیکن یہ روپے اسے میں نے اس لئے دیئے ہیں کہ اسے یقین آجائے کہ ہمارے جیسے لوگ انگریزوں سے کہیں زیادہ دے سکتے ہیں۔ اب مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ شخص ہماری جیسی صورت والے کسی اللہ کے بندے کو نہیں ستائے گا بلکہ اس کو آرام ہی پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ (مولانا فیاض احمد حسینی بحوالہ ماہنامہ الفرقان)

عفو و درگذر

مغرب کے وقت مسجد میں جماعت ہو رہی تھی حضرت نے عجلت کے ساتھ مسجد میں داخل ہوکر رکعت میں شریک ہونا چاہا چند طلبہ ساتھ تھے حضرت جوتا نکالنے لگے تو کسی نے آگے بڑھ کر جوتا لینا چاہا۔ جوتا ابھی پاؤں سے نکلا بھی نہیں تھا کہ ان صاحب کا ہاتھ اس طرح اس پر پڑا کہ حضرت الجھ کر گر پڑے۔ آپ فوراً اٹھے اور جماعت میں شامل ہوگئے نہ گرنے کا کچھ خیال فرمایا اور نہ اس بے صبر خدمت گذار سے کچھ فرمایا۔

(مولانا افضال الٰہی صاحب بحوالہ اصلح الحسینی)

فراخ حوصلگی

ایک دن دیوبند کے ایک صاحب نے آکر حضرت کے سامنے اپنے احتیاج کا اظہار کیا حضرت نے فوراً ہی پانچ روپے عنایت فرمائے! کسی نے عرض کیا کہ حضرت! یہ شخص تو علماء کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسی وجہ سے تو میں نے اس کو روپے دیئے اس کو خیال تو ہوگا کہ علماء سے روپے ملتے ہیں، ان کو گالیاں نہ دینی چاہئیں۔

(انفاس قدسیہ)

حضرت نے اُف نہیں فرمایا

آپ کا خادم محمد اکبر اندرون خانہ و بیرون خانہ کے کام کاج اور بچوں کے کھلانے پر مامور تھا۔ یہ ملازم اپنی نوعمری کے باعث اِدھر اُدھر کھیلتا پھرتا اور درس حدیث کے لئے مدرسہ آمد و رفت کے وقت اس کو بار ہا دیکھتے لیکن زجر و تنبیہ نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ یہی ملازم حضرت کی چھوٹی بچی عمرانہ کو دارالعلوم کے چمن میں اس جگہ کھلا رہا تھا جہاں آج کل ٹیوب ویل ہے۔ اس وقت ٹیوب ویل نہ تھا بلکہ اسے نصب کرنے کے لئے صرف زمین کھودی گئی تھی اور وہاں بہت بڑا گڑھا موجود تھا

ملازم کی لاپروائی سے بچی گڑھے میں گر گئی اور کسی چیز سے اس طرح ٹکرائی کہ اس کا ہونٹ پھٹ گیا فضل خداوندی شامل حال تھا کہ بچی موت کے منہ سے بال بال محفوظ رہی کیونکہ چند طلباء اس کنوئیں میں کود گئے اور عمرانہ کو باہر نکال لائے۔ حضرت کے علم میں یہ واقعہ آیا لیکن آپ نے خادم سے نہ کوئی سخت بات فرمائی اور نہ اسے کسی قسم کی سزا دی۔ (انفاس قدسیہ)

مخالفین و معاندین کے لئے دعائیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں: "جنہوں نے تکلیفیں دیں مولانا نے ان کے ساتھ سلوک اور احسان کیا ہمیشہ نفع رسانی اور خدمت کی فکر میں رہتے اور جب بھی اور جس طرح بھی موقعہ ملا ان کو نفع اور آرام پہنچایا ہے۔ دوسروں سے اگر کام پڑا ہے تو سفارش کی ہے خود جا سکے تو خود تشریف لے گئے اور پیغام کے ذریعہ ممکن ہوا ہے تو پیغام بھیجا ہے۔ براہ راست مخالفین کو ضرورت پیش آئی تو ان کی ضرورت پوری کی ..... انہوں نے اپنے معاندین و مخالفین کو معاف بھی کیا ہے اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتے تھے۔ (انفاس قدسیہ بحوالہ مدینہ بجنور)

ایک مرید کے غلط اعتراض پر صبر و تحمل

ٹانڈہ کا واقعہ ہے۔ رمضان المبارک کا زمانہ تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید جناب قاری اصغر علی صاحب کے پاس پہنچا اور جا کر کہنے لگا کہ حضرت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ غلط پڑھتے ہیں۔ یہ سن کر قاری صاحب بہت خفا ہوئے اور اس سے کہا کہ تم کیسے مرید ہو کہ پیر پر بھی اعتراض کرتے ہو۔ اس کے بعد اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے شاطبیہ، سراج القاری اور رایۃ وغیرہ فن تجوید کی کتابیں پڑھی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں! تب قاری صاحب نے فرمایا کہ پھر اعتراض کیوں کرتے ہو؟

اس کے بعد موصوف نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کر دیا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ قرآن شریف غلط پڑھتے ہیں! حضرت نے عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ بھائی! میں نے کسی قاری سے باقاعدہ نہیں پڑھا ہے اور نہ میں کوئی قاری ہوں۔ البتہ میں قرآن شریف قرائے حرمین شریفین کے طرز پر پڑھتا ہوں۔ یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو پوری خانقاہ سر پر اٹھا لیتا اور جاسوسوں کے ذریعہ معترض کو تلاش کر کے ایسی سزا دیتا کہ

تو بھلی! مگر حضرتؒ نے اس اعتراض پر ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہیں فرمایا اور نہایت انکساری کے ساتھ جو بات تھی سب کے سامنے ظاہر کردی رنور اللہ مرقدہ و انزل علیہ شآبیب غفرانہ الی یوم الدین) (انفاس قدسیہ مع حذف و اضافات)

کھجوریں اور زمزم تو لیتے جائیے

جبکہ آخری حج سے آپ کی واپسی ہوئی تو اس موقع پر ایک دن بعد نماز ظہر مہمان خانے میں تشریف فرما تھے کہ مظفر نگر کے ایک ڈاکٹر صاحب بغرض ملاقات تشریف لائے جب کافی دیر انہیں بیٹھے ہوئے ہوگئی تو انہوں نے حضرت کو اپنی جانب متوجہ کیا حضرت نے فوراً انہیں داڑھی کے سلسلے میں ٹوکا اور نصیحت فرمائی۔ انہیں یہ بات ناگوار گذری اور (جھنجھلاکر) نہایت اونچی آواز سے کہا کہ: مولانا آپ کو کیا معلوم کہ ہمیں کس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، بہت سے مواقع ایسے آئے ہیں کہ اس داڑھی کے نہ ہونے کی وجہ سے جان بچی ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلدیے۔ مگر حضرت نے فرمایا: کہاں جاتے ہیں؟ کھجوریں اور آب زمزم تو لیتے جائیے! اور فوراً ہی یہ دونوں چیزیں باصرار عنایت فرمائیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو مکان سے نکلوا دیتا مگر حضرت نے ان کی بدتمیزی کے باوجود وسعت اخلاق میں فرق نہ آنے دیا۔ اسی قسم کا ایک واقعہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مقدمہ مکتوبات جلد ثانی میں تحریر فرمایا ہے کہ: (حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے) "جمعہ کی نماز ایک جامع مسجد میں ادا فرمائی۔ اس مسجد کے خطیب صاحب حضرات دیوبند کی تکفیر کرنے والوں میں سے تھے، انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض بزرگوں کے متعلق بہت کچھ کہا۔ مولانا سنتوں سے فارغ ہوکر خاموش بیٹھے تھے۔ نماز ہوئی اور پھر خاموش تشریف لے آئے۔ سفر کے اختتام تک کہیں بھول کر بھی خطیب صاحب کا تذکرہ نہیں کیا!"

(انفاس قدسیہ)

مہمان نوازی

جود و سخاء

خود عباء اوڑھ کر رات گذار دی

۱۹۳۱ء میں قانون شکنی کی تحریک کے سلسلے میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ بہت دنوں تک حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان خانے میں رہے۔ اسی زمانے کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جاڑے کی راتوں میں بعض مرتبہ حضرتؒ اپنا لحاف وغیرہ بھی مہمانوں کو دیدیا کرتے تھے اور خود عباء وغیرہ اوڑھ کر رات گذار دیتے جس کی اطلاع گھر والوں کو بعد میں ہوتی۔ (مولانا عثمان غنی صاحب ایڈیٹر نقیب)

برابری کا برتاؤ کرتے صرف مولانا کو دیکھا

"بھائی بھائی برابر ہیں" یہ کہتے ہوئے بہتوں کو سنا ہے لیکن برابری کا برتاؤ کرتے صرف مولانا کو دیکھا ہے۔ کھانا پکاتے وقت باورچی باورچی رہتا تھا۔ آپ کی حیثیت مالک کی ہوتی تھی لیکن کھانا کھاتے وقت باورچی و مالک ایک ہوتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مولانا کو صرف ایک پاؤ گوشت ملتا تھا لیکن کھانے کے وقت جو بھی آکر کھاتے وقت بیٹھ جائے اس کو حصہ مل جاتا تھا پتہ نہیں تھا کہ جیل میں کب تک رہنا پڑے گا۔ لیکن اگر کوئی معمولی قیدی کھانے کے وقت آگیا تو اس کا کھانا اور اپنا کھانا ملا کر اس کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔ تندرستی گرنے لگی تو میں نے جیل کے ڈاکٹر سے کہا کہ مولانا اپنا کھانا تقسیم کر دیتے ہیں اس لئے تندرستی گرتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر نے پہلے تو یہ کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ قاعدہ یہی ہے کہ صرف پاؤ بھر گوشت دیا جائے لیکن جب دوسرے دن آکر معائنہ کیا تو صحت میں انحطاط دیکھ کر پاؤ بھر گوشت کا اضافہ کر دیا لیکن اسی کے حساب سے مولانا کا خرچ بھی بڑھ گیا اور پہلے سے بھی زیادہ لوگ کھانے میں شریک ہونے لگے ــــــــ

ایک دن ایک قیدی نے مولانا کی خدمت میں آکر فریاد کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور پاس ہی فلاں قیدی بھی تھا اس نے میری اٹھنی چرائی ہے (جیل میں اٹھنی روپے کے برابر تھی) مولانا نے کہا کہ تو میں کیا کر سکتا ہوں میں بھی تمہاری ہی طرح ایک قیدی ہوں لیکن جب اسے زیادہ رنجیدہ دیکھا تو اپنے پاس سے اٹھنی دے کر رخصت کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے برجستہ عرض کیا کہ اب میں آپ کے ساتھ اس بیرک میں نہ رہونگا کیونکہ آپ کے اخلاق اس قدر وسیع ہیں کہ اگر میں آپ کے ساتھ کچھ دن اور رہا تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ:۔ تم تو بہت دن سے مسلمان ہو تم کیا مسلمان ہوگے۔

(ستیارام جی شوکل)

مستحقین اور مہمانوں کی خبر گیری

زمانہ مرض میں ایک دن کا واقعہ ہے طبیعت کچھ سنبھلی تھی کمرے میں کچھ تحریر فرمارہے تھے میں حاضر ہوا۔ ایک دم نظر اٹھائی جیسے کسی کے منتظر ہوں، فرمایا کہ لے یہ لیجا! اور یہ عدد منی آرڈر عنایت فرمائے جو مختلف جگہ جارہے تھے۔ ایک صاحبہ نے اپنی پوری کیفیت اور مفلسی کے ذکر کے بعد لکھا کہ میں یہاں مسلم نسواں اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی ہوں اس ماہ فیس نہ ہونے کی وجہ سے ڈر ہے کہ نام خارج ہو جائے آپ مدد فرمادیں گے تو میں بہت بڑی دشواری سے بچ جاؤں گی۔ حضرت نے ان کو تسلی دی تھی اور فیس مع کچھ زائد رقم روانہ فرمادی۔ ایک صاحب نے سردی کے سامان کے لئے مدد طلب کی تھی انہیں مکمل سردی کا سامان تیار کرنے کے لئے خرچ روانہ فرمایا ایک منی آرڈر ان کے نام تھا۔ اس کے علاوہ جو سلسلے مستقل امداد کے تھے۔ بیماری کی شدت کے زمانے میں بھی کبھی فراموش نہ ہوئے۔ بعض اوقات سخت حیرت ہوتی جب پوری غفلت یا کرب و بےچینی کے بعد کچھ ہوش آتا تو فوراً فرماتے مہمانوں نے کھانا کھالیا۔ اسعد کہاں ہے؟ اس سے کہو کہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھائے۔ ان کے آرام کا مکمل خیال رکھے۔ ایک بار مولانا اسعد صاحب کہیں چلے گئے اتفاق سے ایک مہمان کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا ہے فوراً مولانا اسعد صاحب کو بلوایا اور جب وہ حاضر ہوئے تو سخت غضبناک ہو کر فرمایا کہ:۔ ______ مہمان بھوکے رہیں اور تجھے پتہ نہ چلے۔ حضرتؒ کی

اس تنبیہ کے بعد سے کبھی موصوف نے کھانے پر مہمانوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سلیم اللہ جن کے ذمہ مہمانوں کی خدمت اور دیگر خانگی ضروریات کی فراہمی ہے انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ روزانہ صرف آدھ گھنٹہ کے لئے گھر میں پردہ کرا کے حاضری کا موقع عنایت فرمایا جائے تاکہ خدمت کی سعادت حاصل کرسکوں۔ حضرت نے نہایت یگانگت اور محبت سے فرمایا کہ:۔ بھائی تمہارے لئے یہ بہت کافی ہے کہ تم میرے مہمانوں کی خدمت کرتے رہو۔ سلیم اللہ! مجھ پر تمہارا یہ بڑا احسان ہے کہ میری غیر حاضری میں مہمانوں کا خیال رکھتے ہو، بس تمہیں اور خدمت کی ضرورت نہیں۔ (مولانا رشید الوحیدی)

خوشبو، پھول اور مہمان

مولانا فرید الوحیدی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔ بلا خوف تردید میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی عمر میں خوشبو، پھولوں کے پودے، چڑیوں اور مہمانوں کے علاوہ کسی قیمتی سے قیمتی سامان اور عجیب سے عجیب تر چیز کی طرف حضرت کو توجہ کرتے کبھی نہیں دیکھا چڑیاں اور پودے مدراس، آسام اور کیرالا سے زر کثیر صرف کر کے منگایا کرتے اور بڑی رغبت اور مسرت سے ان کی دیکھ بھال فرمایا کرتے تھے۔ عموماً ہدایا میں سے ہر قسم کی چیز تقسیم فرمادیا کرتے مگر پودے چڑیاں اور عطر بڑی رغبت سے قبول فرماتے اور کئی منٹ تک اس سے محظوظ ہوتے رہتے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے کوئی پودا پیش فرمایا جو بظاہر کوئی گھاس معلوم ہوتی تھی۔ حضرت فوراً اُٹھے اور اسی وقت اپنے سامنے اس کو کیاری میں لگوادیا اور پانی دیا۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ بات آئی کہ یہ صاحب بہت ذہین ہیں رغبت کا انہیں علم ہوگا۔ ملاقات کرنے چلے تو راستہ کے کسی کھیت سے یہ گھاس اکھاڑ لائے۔ مہمان خانے کے صحن میں ایک درخت تھا جس میں نہایت خوشبودار زرد پھول لگتے تھے۔ صورت میں وہ بالکل ببول کے مشابہ تھا۔ یہ درخت حضرتؒ مدینہ طیبہ سے لائے تھے اور بہت شوق و چاہت سے اس کے نیچے بیٹھتے تھے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اسی جنس سے وہ درخت تھا جس کے نیچے بیعت رضواں کا عظیم تاریخی واقعہ پیش آیا تھا۔

"میری خواہش ہے کہ میرے گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو"

.... مطالعہ کے لئے کوئی مخصوص کرہ یا لائبریری نہ تھی ایک بڑے کمرے کا درمیانی حصہ کتابوں کی الماریوں سے گھر کر خود بخود الگ سا ہو گیا تھا اس میں ایک چٹائی پر ہرن ۔ چیتل یا پہاڑی بکرے کی کھال بچھی ہوئی تھی اور چمڑے کا ایک گاؤ تکیہ سہارے کے لئے رکھا ہوتا تھا جس میں کھجور یا تاڑ یا ناریل کی چھال بھری ہوتی تھی ۔ چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر ہوتے تھے اور سامنے کاغذات کا ایک انبار ہوتا تھا جو درخواستوں ، خطوط ، مضامین اور دارالعلوم کی فائلوں اور دیگر یاداشتوں پر مشتمل ہوتا تھا اس چٹائی کی ایک جانب لکڑی کے تختہ پر ایک اسٹیل کا معمولی سا بکس ہوتا تھا جس میں چند جوڑے معمولی کھدر کے ہوتے تھے اور اسی بکس کے قریب ایک کھونٹی پر حضرت اپنی شیروانی ، عبا اور عمامہ ٹانگ دیا کرتے تھے ۔ یہی مطالعہ کا کمرہ حضرت کا عبادت خانہ بھی تھا تہجد و نوافل یہیں ادا فرماتے اور اسی جگہ ذکر و مراقبہ میں معروف ہوتے اس مطالعہ گاہ کی ایک جانب حضرت کی چارپائی تھی اور دوسری جانب ضعوکی چوکی ۔ ہمارے بچپن کے دور میں چارپائی خالی پڑی رہتی تھی اور چٹائی ہی پر استراحت فرمایا کرتے تھے ۔ مگر کم و بیش پندرہ برس سے تقریباً تین گھنٹے کے لئے یہ چارپائی استعمال میں آنے لگی تھی مگر چارپائی پر آرام کے یہ تین گھنٹے مسلسل نہ تھے بلکہ دوپہر کے کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ اور رات کو ساڑھے بارہ یا ایک بجے کے بعد تقریباً ڈھائی گھنٹوں پر مشتمل تھے گھر کے افراد میں سے جس کو کچھ عرض کرنا ہوتا وہ مطالعہ گاہ میں حاضر ہوتا اور حضرت ہمیشہ اسے وظیفہ پڑھنے ، مطالعہ کرتے یا کچھ تحریر فرماتے ہوئے ملتے بچے تو آواز دے کر اور " ابا جی یا دادا میاں " کہہ کر مخاطب کر لیتے تھے مگر ہم لوگ یا حضرت والدی صاحبہ کھڑی رہ کر انتظار کرتیں کہ حضرت متوجہ ہوں تو عرض مدعا کیا جائے عموماً سر اٹھا کر دریافت فرماتے کہ : کیوں آیا ہے ؟ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ انتظار بسیار کے بعد ہمیں واپس آنا پڑتا ۔ گھر میں بلا ضرورت کسی سے گفتگو نہ فرماتے اور جب گفتگو کرتے بہت ٹھہر ٹھہر کر چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح بولتے جیسے روزمرہ کی زبان آتی ہی نہ ہو ۔ بچوں سے البتہ کبھی کبھی خوش طبعی اور مزاح کی گفتگو فرما لیا کرتے

تھے جس میں ہم نوجوانوں کو بھی شریک کر لیتے تھے۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں گھر کے کسی سامان سے کوئی واسطہ نہ تھا حتیٰ کہ وقت بے وقت مہمانوں کے ہجوم اور عین وقت پر پندرہ بیس مہمانوں کے لئے کھانا طلب کر لینے کے مسئلے کو جب ریفریجریٹر کے ذریعہ حل کیا گیا تو غالباً مہینوں اس کو دیکھا تک نہیں ایک روز اتفاقاً اس پر نظر پڑ گئی تو دادی صاحبہ سے دریافت فرمایا کہ: یہ کیسے کھلتا ہے؟ اس میں چیزیں کس طرح تازہ اور بغیر خراب ہوئے رہتی ہیں؟ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری خواہش ہے کہ میرے گھر میں مہمانوں کی ضروریات کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہو۔ مرض وصال میں چارپائی پر آرام فرماتے ہوئے ہر کھانے اور چائے کے وقت عم گرامی مولانا اسعد صاحب کو تاکید فرماتے اور دادی صاحبہ سے دریافت فرماتے کہ مہمانوں نے کھانا کھا لیا؟ چائے پی لی؟

چونکہ کھانا ناشتہ مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے ——————

—————— اور یہی بات آپ کی عادت ثانیہ بن چکی تھی، اس لئے ایام مرض میں بھی سب کے منع کرنے کے باوجود جب تک سکت رہی بہر دو وقت کھانے کے وقت مہمان خانے برابر تشریف لاتے رہے۔ اگر کبھی کوئی شخص مہمان کیساتھ بدخلقی سے پیش آیا اور آپ کو علم ہوا تو انتہائی غضبناک ہوئے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب تقریباً دو ماہ مقیم رہے نہ نماز پڑھتے نہ حضرت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ خادم مہمان خانہ نے ان سے کہا کہ: تم دو مہینے سے مقیم ہو نہ حضرت کے سامنے اپنا مقصد پیش کرتے ہو اور نہ نماز پڑھتے ہو اگر یہاں آنے سے تمہارا کوئی مقصد نہیں ہے تو جاؤ اپنا گھر بار دیکھو۔ اتفاق اور شومی قسمت سے جس وقت خادم نے یہ گفتگو کی اس وقت میں بھی وہیں موجود تھا۔ بات رفت و گذشت ہوگئی اور وہ مہمان رخصت ہو گئے۔ ہمارے ذہن سے بھی واقعہ نکل گیا۔ مہینوں کے بعد حضرت کو یہ واقعہ کسی طرح معلوم ہوا حضرت کی خدمت میں راقم الحروف حاضر ہوا تو آپ مطالعہ میں مصروف تھے۔ جوں ہی مجھ پر نظر پڑی مجھے ڈانٹنا شروع کر دیا: مہمان سے یہ کس نے کہا کہ چلے جاؤ! مردک، گدھے! تو اسی لئے پیدا ہوا تھا!! یوں تو عموماً حضرت مجھے مختلف باتوں پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے لیکن جب کبھی یہ تنبیہ زبان و بیان کی حد سے گذر کر دست مبارک تک پہنچنے والی ہوتی پہلی ہی نظر میں اس کا اندازہ ہو جایا کرتا تھا آج جوں ہی حضرت نے میری جانب نگاہ اٹھائی مجھے ذرا صورت حال کی نزاکت کا احساس ہو گیا اور نہایت صفائی کے

ساتھ اپنا بے قصور ہونا ثابت کرنا شروع کر دیا۔ فرمایا: "تو وہاں موجود تھا، تو نے روکا کیوں نہیں؟"
میں نے جرأت کرتے ہوئے عرض کیا کہ وہ مہمان دو ماہ سے مقیم تھے تارک صلوٰۃ تھے اس لئے میرا
خیال تھا کہ صوفی جی کچھ بے جا نہیں کر رہے ہیں۔ فرمایا: تارک صلوٰۃ ہمارا نہیں خدا کا قصوروار ہے
اس پر اُن کو سمجھانا چاہیئے تھا اور کوئی مہمان دو ماہ رہے چاہے سو ماہ رہے کسی کو یہ حق نہیں ہے
کہ کوئی ٹیڑھی نظر سے دیکھے یہ نہ سمجھنا کہ میں سفر پر رہتا ہوں مجھے علم نہیں ہوتا اگر کسی نے مہمانوں کو
تکلیف پہنچائی تو میں قیامت کے دن دامن گیر ہوں گا۔

(مولانا فرید الوحیدی)

چلم بھر رہے ہو تو حقہ بھی تازہ کر لینا

ایک واقعہ جسے میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن
بڑے تواتر اور ثقہ حضرات سے سُنا ہے۔

یہ ہے کہ ایک رات حضرتؒ بارہ بجے درس حدیث سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو مہمان خانے
میں ایک بڑے میاں نے آواز دے کر پوچھا کہ کون ہے؟ حضرت نے بجائے اپنا نام بتانے کے
بڑی نرمی سے دریافت کیا کہ آپ کو کچھ کام ہے؟ مہمان نے کہا کہ ذرا حقہ بھر دو! تعمیل حکم کے لئے
حضرت بڑی آہستگی کے ساتھ چارپائی کی طرف بڑھے نصف شب کا وقت اور خواب و بیداری
کی کشمکش کا عالم تھا اور مہمان بھی کچھ ضعیف العمر تھے حضرت چارپائی کے پاس پہنچے تو بھی ان صاحب
نے منہ سے چادر ہٹانے اور آنکھیں کھول کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی اور لیٹے لیٹے فرمایا کہ میاں
جب چلم بھر رہے ہو تو حقہ بھی تازہ کر لینا نہ جانے کب سے تازہ نہیں ہوا ہے کچھ مزہ نہیں آیا حضرت
حقہ لے کر زنانخانہ تشریف لائے، اہل خانہ محوِ خواب تھے۔ خود ہی حقہ تازہ کیا اور انگارے بنا کر
چلم بھری، ادھر بڑے میاں نے سوچا کہ آنکھ کھل گئی تو لگے ہاتھوں پیشاب سے بھی فارغ ہو لیں
چنانچہ وہ پیشاب سے فارغ ہو کر آئے۔ ادھر سے وہ مہمان نواز میزبان حقہ لئے پہنچے جب بڑے
میاں نے حضرت کی صورت دیکھی تو نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا سانس اوپر رہ گیا ہاتھ جوڑ کر
کھڑے ہو گئے لیکن حضرت نے بکمال شفقت و انکساری فرمایا: یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ نے
خدمت کا موقع دیا۔ ہمارے والد مرحوم حقہ کے بڑے شائق تھے اس لئے مجھے تو حقہ بھرنے کی عادت ہے
اور پھر مہمان کی خدمت میں تو بڑا شرف و امتیاز ہے۔

(مولانا فرید الوحیدی)

مہمانوں کا انتظار

دستر خوان پر اگر کوئی مہمان موجود نہ ہوتے تو فوراً دریافت فرماتے، نام تو سب کے کہاں تک یاد رہتے علامات بتا کر دریافت فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً وہ جو سیاہ شیروانی پہنے ہوئے تھے یا وہ جو لاہور سے تشریف لائے ہیں"۔ غیر مسلم مہمان کے لئے اس سے دریافت کر کے سبزی پکواتے یا بازار سے غیر مسلم کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا منگوا کر اپنے ساتھ شریک کرتے تھے۔ اگر غیر مسلم مہمان گوشت خور ہوتا تو اسی عام دستر خوان پر اور عام برتن میں جس میں سب کھا رہے... ہوتے شریک فرماتے تھے۔ کھانا گول دستر خوان پر کھایا جاتا۔ درمیان میں ایک بڑی قاب میں سالن یا طشت میں چاول رکھے جاتے اور اس کے گرد تمام مہمان مع میزبان بیٹھتے۔ دستر خوان پر امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور اس موقع پر وزیر و فقیر رئیس و مفلس تاجر و کسان سب دوش بدوش نظر آتے۔

آداب طعام

کھانے سے پہلے حضرت اپنے دونوں ہاتھ خوب اچھی طرح دھوتے اور انہیں تولیہ سے خشک فرماتے۔ لقمے چھوٹے ہوتے اور خوب چبا کر کھاتے۔ میں نے اکثر کھانے کی مقدار کو بغور دیکھا۔ ڈیڑھ دو چپاتیوں سے زیادہ کبھی میرے اندازے میں نہیں آئیں۔ لطف یہ کہ مقدار پوری اس وقت ہوتی تھی جب ایک ایک کر کے سب مہمان فارغ ہو جاتے تھے۔ کھانے کے بعد روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور کنارے جلد تر شرکاء دستر خوان پر چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے۔ حضرت والا انہیں چن چن کر کھانے کے عادی تھے... کھانے کے ساتھ بڑی رغبت سے شہد استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اچار اور چٹنیوں سے بھی شوق فرماتے تھے۔ میں نے کبھی کسی کھانے کی یا کسی خاص چیز کی فرمائش کرتے نہیں دیکھا اور نہ کسی کھانے یا مٹھائی وغیرہ کی تنقیص اور برائی کرتے دیکھا اور سنا۔ گھر کے لوگ قرائن سے آپ کی پسند اور رغبت کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔ دادی صاحبہ جب کوئی خاص چیز تیار فرمائیں تو ہم لوگوں سے معلوم کرتیں کہ حضرت نے فلاں چیز زیادہ مرتبہ لی یا کمی کے ساتھ! اور پسند یا ناپسندیدگی معلوم کرنے کا صرف یہی طریقہ تھا۔

یتیموں اور بیواؤں اور اقرباء کی امداد

یتیموں اور بیواؤں کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ عموماً امداد فرماتے رہتے تھے۔ ایسے بھی متعدد افراد میری نظر میں ہیں جنہیں بے روزگاری اور بے کاری کے دور میں مستقل امداد

دیتے رہے ان میں مسلم اور غیر مسلم کی قید نہ تھی ۔ دوسری اقوام کے محبوب و مستحق افراد کی بھی کاربرآری فرماتے تھے ۔ اعزا و اقربا میں جو لوگ مفلوک الحال ہوتے ان کی امداد باضابطگی سے فرماتے عید و بقرعید کے مواقع پر آبائی وطن ٹانڈہ ہوتے تو نماز سے پہلے اعزا کے گھروں میں خود تشریف لے جاتے اور عیدی تقسیم فرمایا کرتے ۔

میرے والد اسیر مالٹا مولانا وحید احمد مدنی مرحوم حضرت کے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے تھے مگر بڑے بھائی کی حیات ہی میں بھتیجے کی پرورش و نگہداشت اپنے ذمہ لے لی تھی ۔ مالٹا میں نظر بند ہوئے تو یہ بھتیجا بھی وہاں ہمرکاب رہا ۔ مدینہ طیبہ سے ہندوستان منتقل ہوئے تو بھی یہ برادر زادہ آغوش شفقت سے جدا نہ ہوا ۔ تعلیم و تربیت اور شادی وغیرہ سب کچھ اپنے تکفل میں کیا کم و بیش پچیس ہزار کے صرف سے ان کے لئے ایک عالی شان مکان تعمیر کرایا اور جب موصوف عین عالم شباب میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم تین بھائیوں اور دو بہنوں کے حصے میں یتیمی آئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ہمارے سروں پر ہاتھ رکھا اور دلوں سے احساس یتیمی دور فرمایا کہ ۵ دسمبر ۵۷ء کی منحوس دوپہر تک ہمیں کبھی محسوس نہیں ہوا کہ ہمارے سروں پر باپ کا سایہ نہیں ہے ۔ بچپن میں تو عام طور پر لوگ یہاں تک کہ بعض باشندگان دیوبند بھی مجھے حضرت ہی کا فرزند سمجھتے رہے ۔ ہمارے بچپن کے زمانے میں گھر میں چھوٹی سی سائیکل آئی تو مجھے اور عم گرامی صاحبزادہ اسعد کو اس میں برابر کا شریک بنایا ۔ سواری کی تربیت کے لئے گھوڑا منگوایا تو ہم دونوں کے لئے ایک ایک دن مقرر فرمادیا ۔ بڑے ذوق و شوق سے ہماری شادیاں کیں ———— غرضیکہ اس دور نفسی نفسی میں جبکہ حقیقی پوتوں کے ساتھ پرخلوص مہر و محبت عنقا ہے ۔ بھتیجے اور اس کی اولاد کے ساتھ ایسے غیر معمولی مہر و محبت کے برتاؤ کی مثال بھی شاید مشکل سے نظر آئے ۔ (مولانا فرید الوحیدی)

آتے اپنے کام سے اور ٹھہرتے مولانا کے یہاں

میں نے کئی بار دیکھا کہ بعض لوگ دیوبند اپنے نجی کاموں سے آتے کوئی تحصیل اور منصفی میں اپنے مقدمات کی پیروی کے لئے اور کوئی اپنے کسی عزیز سے ملاقات کی غرض سے مگر قیام مولاناؒ کے یہاں ہوتا ۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ خود اپنے مہمانوں کو بھی مولانا کے یہاں پہنچا دیتے ۔ برکت طعام کی کرامت جیسی میں نے مولانا کے یہاں دیکھی کسی بزرگ کے

یہاں نہیں دیکھیں۔ ایک ہی سالن ہوتا تھا۔ ایک تانبے کی بڑی رکابی میں اور روٹیاں ہوتی تھیں۔ جتنے حاضرین بیٹھ جاتے سب سیر ہو جاتے تھے اور کھانا بچ رہتا۔ سب سے پہلے مجھے جب مولانا کے یہاں مہمان ہونے کا اتفاق ہوا تو کھانے والوں کی تعداد اور کمی طعام کو دیکھتے ہوئے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ کھانا تو کافی نہ ہوگا مگر اس میں سے تو بچ بھی گیا۔ اس امر کا میں نے متعدد بار مشاہدہ کیا۔ (مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی)

کسی کو کیا معلوم کہ اللہ کے یہاں بوسیدہ حال لوگوں کا درجہ کیا ہوگا؟

ایک عینی گواہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کھانے کے موقعہ پر ایک صاحب جو بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھے دوسرے حضرات کے سفید پوش اور معزز ہونے کی وجہ سے مرعوب ہو کر کھانے کے حلقے سے پیچھے بیٹھ گئے۔ حضرت نے دیکھا تو ساتھ کھانے کے لئے فرمایا۔ اتفاق سے وہ ایسے صاحب کے پاس آبیٹھے جو بہت معزز اور سفید پوش تھے۔ موصوف ان کے پاس بیٹھ جانے کی وجہ سے کچھ کبیدہ خاطر سے معلوم ہوتے تھے یہ محسوس کرتے ہوئے اول الذکر مہمان کچھ تکلف اور پریشانی کے ساتھ کھا رہے تھے حضرت نے اس صورت حال کا احساس کرتے ہوئے فرمایا کہ اٹھئے! وہ نہ اٹھے تو دوبارہ فرمایا کہ اٹھئے آپ اٹھئے! اب وہ اٹھے تو حضرت نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور فرمایا کہ اچھی طرح اور اطمینان سے کھائیے! پھر فرمایا کہ کسی کو کیا معلوم ہے کہ ان بوسیدہ حال لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا اونچا درجہ ہوگا۔ یہ سن کر سفید پوش صاحب پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور بعد میں ان مفلوک الحال مہمان سے انہوں نے معافی مانگی ـــــ اس وسعت مہمان نوازی پر ہی معاملہ ختم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے ضرورت مندوں، یتیموں اور بیواؤں کی امدادوں کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی جب تک حجاز میں رہے۔ حضرتؒ ہمیشہ ان کو پچاس روپیہ ماہوار کے حساب سے ارسال فرماتے رہے۔ جود و عطا کا یہ سلسلہ اس قدر پوشیدہ رہتا تھا کہ بہت سے قریبی حضرات کو بھی اطلاع نہ ہوتی تھی ـــــــــ (مولانا سید طاہر حسن صاحب)

اگر مہمانوں کیلئے انتظام ہو سکتا ہے تو میں بھی کھا سکتا ہوں

ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں حضرت

شیخ رحمہ اللہ ٹانڈہ میں قیام فرما تھے ۔ ناچیز کو متعدد مرتبہ حاضری کا اتفاق ہوا۔ مئی اور جون کا رمضان تھا گرمی شباب پر تھی اور شدید لو چل رہی تھی روزانہ مہمانوں کی ایک کثیر تعداد کا اوسط تھا۔ اہل خانہ نے آپ کے ضعف کے پیش نظر اور موسم کے تقاضے کے بموجب عرض کیا کہ سحر کے وقت آپ کوئی میٹھی چیز تناول فرمالیا کریں۔ یہ سن کر پیکر اتباع سنت نے برجستہ فرمایا کہ: میرے مہمان روٹی سالن کھائیں اور میں میٹھی چیز استعمال کروں ؟ اگر مہمانوں کے لئے انتظام ہوسکتا ہو تو میں کھا سکتا ہوں ورنہ میں تنہا نہیں کھاؤں گا۔ آخر کار اہل خانہ سب کے لئے روزانہ سحر میں میٹھے چاول یا شیر یا سویوں کا اہتمام کرتے تھے ۔ (مولانا بشیر احمد فیض آبادی)

ساری رات عبا اوڑھ کر گذار دی

جناب مولانا فیض اللہ صاحب فیض آبادی مجاز حضرت شیخؒ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب کہ موصوف دورۂ حدیث میں تھے اور دار الحدیث کی آمد و رفت کے وقت راستے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لالٹین دکھانے پر مامور تھے ۔ ان کا بیان ہے کہ درس سے فارغ ہو کر ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نصف شب کے قریب مکان تشریف لائے تو مہمان خانے میں دیکھا کہ ایک صاحب بہت خستہ حال اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ: ان سے پوچھو کہ جب سارے مہمان سو رہے ہیں وہ کیوں بیٹھے ہوئے ہیں ؟ مجھ سے یہ فرما کر حضرتؒ خود ہی ان صاحب کی طرف بڑھے اور دریافت کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ انہیں کسی نے دسترخوان سے اٹھا دیا اور ان کے حصے میں کوئی لحاف وغیرہ بھی نہیں آیا ہے، تو حضرت بے حد متاثر ہوئے۔ بار بار نام دریافت فرماتے تھے کہ کس نے یہ حرکت کی ہے ؟ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ الغرض حضرت رحمۃ اللہ علیہ فوراً گھر میں تشریف لے گئے اور خود کھانا لئے ہوئے باہر تشریف لائے اور اس وقت تک باہر بیٹھے رہے جب تک کہ مہمان کھانے سے فارغ نہیں ہو گیا۔ سارے مہمان اور اہل خانہ سو چکے تھے حضرت اندر تشریف لے گئے اور اپنا بستر اٹھا لائے اس کو بچھوا دیا اور خود ساری رات عبا اوڑھ کر گذاری۔ مولانا فیض اللہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے بہت اصرار کیا اور چاہا کہ اپنا بستر لے آؤں اور حضرت آرام فرمائیں مگر آپ نے کسی طرح یہ بات گوارا نہ فرمائی ۔ (مولانا بشیر احمد صاحب فیض آبادی)

خود مقروض تھے لیکن میرا قرض ادا فرما دیا

غالباً ۱۹۴۴ء کی بات ہے احقر نے اپنے ایک دوست سے قرض مانگا۔
انہوں نے احقر کو قرض دیا لیکن صورت حال کچھ ایسی ہوگئی تھی کہ حضرت کو اس سلسلے میں سفارش فرمانی پڑی۔ احقر کی طرف سے وقت پر ادائیگی نہ ہوسکی تو انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی، حضرت نے وہ رقم اپنی جیب سے ادا فرمادی اور احقر کو محض اطلاع دیدی حضرت نے وہ رقم ۔ وصول کرنے کی نیت سے ادا فرمائی تھی اور نہ آج تک میرے دلمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت کی وہ ادا فرمودہ رقم مجھے ادا کرنی ہے کیونکہ وہ بزرگانہ عطیہ تھا اور یہاں ایسے عطیات کی وصولی کے لئے پس، و پیش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ احقر کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود مقروض تھے ـــــ اس قسم کے نہ معلوم کتنے خدام اور وابستگان ہوں گے جن کا بار حضرت نے برداشت کیا اور خدا ہی جانتا ہے کہ ان ہزاروں خدام پر کتنے بے شمار احسانات حضرت کے ہوں گے جزاکاللہ عنا احسن ما یجازی بہ عبادہ المقربین۔

(مولانا سید محمد میاں صاحب)

ہر قسم کے مہمان آتے اور آپ خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتے

مہمانوں کے لئے نہ کوئی وقت تھا اور نہ قاعدہ جس وقت بھی مہمان آتا گھر میں جو کچھ موجود ہوتا مہمان کے سامنے لاکر رکھ دیا جاتا۔
عالم، جاہل، شہری، دیہاتی غرض کہ ہر قسم کے مہمان آتے۔ آپ نہایت خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتے اور ساتھ بٹھا کھانا کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک مہمان آیا جس کے کپڑوں سے تعفن کے بھپکے اٹھ رہے تھے اور ان میں بے شمار جوئیں بھی تھیں۔ مہمان خانے میں کوئی بھی اس کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتا، لیکن کھانے کے وقت حضرت جب مہمان خانے میں تشریف لائے تو اسے اپنے برابر بٹھا کر کھانا کھلایا اور کھانے کے بعد منہ ہاتھ صاف کرنے کے لئے اپنا تولیہ عنایت فرمایا۔ قریب بیٹھنے کی وجہ سے حضرت کے کپڑوں پر بھی چند جوئیں چڑھ گئیں جن کو آپ نے اندر تشریف لے جاکر صاف کر دیا۔

(انفاس قدسیہ)

آج تو پرہیز توڑیں گے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے کھانے اور مہمانوں کے کھانے کو الگ نہونے دیتے تھے۔ اگر کبھی ناسازی طبع کی بنا پر آپ کے لئے پرہیزی کھانا تیار کیا جاتا تو اسے بھی آپ مہمانوں کے سالن میں ملا دیتے۔ مئی ۱۹۵۸ء میں جب آپ پر لُو کا حملہ ہوا اور کئی دن پرہیزی کھانا کھاتے ہوئے ہوگئے تو ایک دن فرمایا آج تو پرہیز توڑیں گے، مہمانوں کے ساتھ کھائے ہوئے کئی دن ہوگئے ——— (انفاس قدسیہ)

کیا سب مہمانوں کے لئے انتظام ہو جائیگا

ایک مرتبہ رمضان شریف میں آپ سے عرض کیا گیا کہ آج کل گرمی اور خشکی زیادہ ہے سحری میں کچھ دودھ نوش فرمالیا کریں! آپ نے دریافت کیا کہ کیا سب مہمانوں کے لئے دودھ کا انتظام ہو جائے گا!!

چونکہ ٹانڈہ میں اس قدر زیادہ دودھ کی فراہمی دشوار تھی لہذا یہ طے پایا کہ سحری میں چاول یا کھیر وغیرہ تیار کرادی جائے اور اسی میں دودھ وغیرہ ڈال دیا جایا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت بھی سحری میں سب کے ساتھ وہی چاول کھیر استعمال فرماتے۔

(انفاس قدسیہ)

مستحقین کی خبر گیری

طلباء کی ایک جماعت ایسی بھی تھی کہ حضرت مولانا جس کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ میرے ہی کمرے میں ایک صاحب رہتے تھے جو کافیہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ اصولاً انہیں مدرسہ سے کھانا نہیں ملتا تھا۔ تھے بیچارے نومسلم اس لئے گھر سے انتظام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ایک دن میں پوچھ بیٹھا کہ: جناب! آپ کا کام کیسے چلتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "حضرت شیخ" انتظام فرما دیتے ہیں!

ایک مرتبہ راقم الحروف مولانا کی خدمت میں حاضر تھا دیگر حاضرین بھی کافی تعداد میں موجود تھے، عرضیاں پیش کی جارہی تھیں کہ ایک طالب علم نے بھی عرضی پیش کی۔ حضرت نے اسے غور سے پڑھا اس کے بعد دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر تک سفر کا کرایہ کتنا ہے؟ اس نے عرض کیا: پندرہ روپے! آپ نے دریافت فرمایا: کچھ روپے تمہارے پاس ہیں یا بالکل نہیں ہیں؟ اس نے کہا: سات روپے ہیں! یہ سن کر آپ نے جیب سے آٹھ روپے نکالے اور اس کو عنایت

فرمائے! بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ سال بھر میں اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آتے ہیں۔

(مولانا نجم الدین صاحب احیائی)

کُل کام حضرتؒ کے روحانی تصرفات کے تحت انجام پا رہے تھے

ایک مرتبہ صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا اسعد صاحب دامت برکاتہم کے ماموں صاحب نے جو کہ اس وقت مکان کے منتظم تھے، کسی مہمان سے ترش لہجے میں گفتگو کی اور حضرتؒ تک یہ بات پہنچی تو بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ: "اگر کوئی شخص میرے مہمانوں کو قولاً، فعلاً یا اشارتاً وکنایتاً بھی کوئی تکلیف پہنچاتا ہے تو مجھے سخت اذیت ہوتی ہے" بے جا نہ ہوگا اگر موقعہ پر ٹانڈہ میں گزارے ہوئے ایک رمضان المبارک کا تذکرہ کر دیا جائے یوں تو سلہٹ و بانسکنڈی کے حالات شائع ہو چکے ہیں مگر فرق صرف یہ ہے کہ مذکورہ دونوں مقامات پر وہاں کے مقامی حضرات میزبان اور حضرت بحیثیت مہمان ہوتے تھے لیکن ٹانڈہ میں نوعیت دوسری ہوتی تھی۔ یہاں حضرت میزبان ہوتے تھے اور تمام حضرات "خالص مہمان" اس لئے انتظامی امور میں کوئی دوسرا شخص مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ سنہ ۱۳۷۰ھ کے رمضان المبارک میں ٹانڈہ میری پہلی اور بدقسمتی سے آخری حاضری تھی، میں ۱۲ تاریخ کو حاضر ہوا اس وقت صرف باہر ۲۹ مہمان تھے۔ زنانخانہ کا حال مجھے معلوم نہیں۔ لوگوں کی آمد و رفت اگرچہ جاری تھی تاہم مہمانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی تھی۔ رمضان کے اخیر عشرہ میں یہ تعداد ۵۰۰ کی حد سے بھی آگے نکل گئی۔

آسام، مشرقی پاکستان، بنگال، بہار، بمبئی، گجرات اور احمد آباد وغیرہ سے آنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یو۔پی کے باشندے نسبتاً کم تھے۔ اس سال رمضان المبارک کا مہینہ مئی جون میں واقع ہوا تھا۔ اس لئے گرمی، لُو اور تپش اپنے شباب پر تھی۔ کھانے کا توفی الحال ذکر چھوڑیئے! غور فرمایئے کہ مہمانوں کی اتنی کثیر تعداد کو صرف ٹھنڈا پانی پہنچانا ہی کتنا اہم مسئلہ تھا؟ مکان کے ایک گوشے میں کنواں تھا۔ جس کے سامنے کا بڑا حوض ہر وقت پانی سے لبریز رہتا تھا۔ مٹی کے بڑے بڑے مٹکے ریت میں گڑے ہوئے تھے۔ ریت کو تر رکھنے کا انتظام عصر کے بعد اور زیادہ ہو جاتا تھا۔ بالٹیوں میں برف کا پانی اس کے علاوہ

ہوتا تھا، افطار صوم کے وقت مدینہ کی کھجوریں بڑی فیاضی سے تقسیم کی جاتی تھیں اور تام چینی کے بڑے بڑے تسلوں میں تربوز کے ٹکڑے شکر اور برف کے ساتھ بھرے رہتے تھے جو کہ افطاری اور شربت دونوں کا کام دیتے تھے نماز مغرب کے بعد کھانے میں تازہ خمیری روٹی اور خالص گھی میں تیار کیا ہوا بکری کا سالن پیش کیا جاتا تھا۔ سحری کے وقت بھی یہی انتظام ہوتا تھا۔ البتہ اس وقت دلیا، میٹھے چاول یا سویوں کا مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔ حیرت اس بات پر ہوتی تھی کہ ان تمام انتظامات میں نہ پریشانی تھی اور نہ کوئی دقت، نہ شور و شغب تھا اور نہ خلفشار و ہنگامہ۔ جیسا کہ بالعموم ایسے کثیر مجمع اور اس قسم کے مواقع پر ہوتا رہتا ہے۔ ہر کام نہایت سکون کے ساتھ ہو رہا تھا اور لوگوں کو کسی قسم کے اضطراب کا احساس تک نہ ہوتا تھا جو حضرات اتنے بڑے مجمع کو کھانا کھلانے کا تجربہ رکھتے ہیں وہ انتظامی دشواریوں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ پھر اگر ایک دو دن کا معاملہ ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ یہاں تو پورے ایک ماہ مسلسل (بلکہ اس سے بھی زیادہ) یہ دور چلتا تھا۔ اکثر حضرات کا معدہ خمیری روٹیوں کا عادی نہیں ہوتا اور انہیں ریاحی تکالیف پیدا ہو جاتی ہیں خصوصاً جبکہ شب میں معتدبہ آرام کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا ہو مگر جہاں تک مجھے علم ہے کسی سے معدے میں گرانی تک کی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ ان تمام امور کے بارے میں اکثر غور کرتا رہتا تھا۔ بالآخر تسلیم کرنا پڑا کہ تمام کام حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی تصرفات کی برکت سے انجام پا رہے تھے۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

نماز میں سترہ کس لئے ہے؟

ٹانڈہ میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگ سنن و تراویح میں مشغول تھے کہ مہمانوں میں سے کوئی صاحب نمازیوں کے قریب سے گذرے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت کے بعض مصاحبین نے ذرا تلخ لہجے میں کہنا شروع کیا کہ: لوگ صفوں کے قریب سے گذرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ نماز میں خلل واقع ہوگا۔ چونکہ انداز گفتگو میں درشتی تھی اور مہمان کی توہین و دل شکنی کا پہلو نکلتا تھا، اس لئے حضرت نے انہی صاحب کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ خود اپنی کوتاہی

محسوس نہیں کرتے ہیں اور دوسروں کو برا بھلا کہتے ہیں آخر نماز میں سترہ کس لئے قائم کیا گیا ہے ؟ اور پھر آپ کی نماز ایسی ہوتی ہی کیوں ہے کہ ذرا سی بات سے ذہن منتشر ہو جائے ؟ ۔

(مقدمہ فرمودات حضرت مدنی)

فروتنی اور خدمتِ خلق

میں اپنی کم مائیگی سے خود واقف ہوں

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم کے ایک شاگرد نے ایک اخبار میں مولانا موصوف کے محاسن پر ایک مضمون لکھا اور اس میں مولانا مرحوم کو تمام علمائے عصر پر فوقیت دینے کے لئے بعض واقعات لکھے۔ ان میں یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی مجید حسن مالک اخبار مدینہ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ پر فوائد لکھنے کی مولانا حسین احمد صاحب مدنی سے فرمائش کی۔ مولانا نے کچھ فوائد لکھے مولوی مجید حسن کو وہ پسند نہ آئے۔ لہذا انہوں نے مولانا شبیر احمد صاحب کی طرف رجوع کیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب نے بطور نمونہ کچھ فوائد لکھ کر دکھائے وہ سب نے پسند کئے۔ چونکہ اس معاملہ کے متعلق مجھ کو بھی کچھ معلومات حاصل تھیں۔ اس لئے میں نے صاحب مضمون سے کہا کہ یہ واقعہ غلط آپ نے لکھا ہے۔ مولوی مجید حسن سے اس کے متعلق استفسار کیجئے! اور ایک خط میں نے حضرت مولانا کو لکھا کہ مجید حسن صاحب کو اس جانب توجہ دلائیں۔ مولانا نے میرے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اپنی کم مائیگی سے خود واقف اور اس کا معترف ہوں لہذا اس قسم کی کدو کاوش کی ضرورت نہیں۔ (مولانا نے اس سے زیادہ اور کچھ نہ تحریر فرمایا) جہاں تک اصل واقعہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مولوی مجید حسن صاحب نے حضرت حافظ عبدالرحمن صاحب سے فوائد لکھائے تھے اور جو معاوضہ پیش کیا اس کو حافظ صاحب مرحوم نے منظور نہ کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی لکھوائے تھے مگر اسفار و مشاغل کے باعث مولوی مجید حسن صاحب تاخیر کے متحمل نہ ہوئے اور مولٰنا عثمانیؒ سے معاملہ کر لیا۔ (مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب)

خدمتِ خلق

میں ایک مرتبہ لکھنو سے آرہا تھا، میری طبیعت بہت خراب تھی۔ چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا۔ بخار تھا۔ اعضار شکنی تھی اس لئے کبھی کبھی کراہتا بھی تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ کونسا اسٹیشن آیا اور کون مسافر سوار ہوئے اور

اترے ۔ بریلی کے اسٹیشن کے بعد کسی صاحب نے میری کمر اور پاؤں دبانے شروع کئے مجھے بہت راحت معلوم ہوئی وہ جسم دباتے رہے اور میں لیٹا رہا۔ مجھے پیاس لگی ۔ میں نے کہا کہ مجھے تھوڑا پانی پلاؤ! انہوں نے اپنی صراحی سے گلاس میں پانی انڈیل کر مجھ سے کہا کہ لیجئے! میں اٹھا تو دیکھا کہ مولانا تھے ۔ مجھے ندامت ہوئی اور میں نے معذرت کی لیکن انہوں نے مجھے اس درجہ مجبور کیا کہ میں پھر لیٹ گیا اور وہ رام پور تک برابر مجھ کو دباتے رہے ۔ پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا ۔

(مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی)

فرمایا: عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے

مولانا عبداللہ صاحب فاروقی ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں لاہور میں قیام رہتا ہے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری (قدس سرہ) سے بیعت ہیں، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہے جس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ دیوبند میں مقیم تھے اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ مدینہ طیبہ میں رہا کرتے تھے اس زمانہ میں آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ کے یہاں قیام فرمایا۔ مولانا عبداللہ صاحب فاروقی کا بیان ہے کہ ایک روز جب کہ میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو واپسی میں مولانا کا جوتا اٹھا لیا۔ مولانا اس وقت تو خاموش رہے لیکن دوسرے وقت جب ہم لوگ نماز پڑھنے گئے اور نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے واپس ہونے لگے تو میں دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا حسین احمد صاحب میرے جوتے اپنے سر پر رکھے ہوئے جا رہے ہیں ۔ میں پیچھے پیچھے بھاگا ۔ اس پر مولانا نے بھی تیز چلنا شروع کر دیا ۔ میں نے بہت کوشش کی کہ جوتا لے لوں مگر نہیں لینے دیا ۔ میں نے کہا: خدا کے لئے سر پر تو نہ رکھئے! فرمایا: عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اٹھاؤ گے ۔ میں نے عہد کر لیا تب جوتا سر پر سے اتار کر نیچے رکھا ۔

(مولانا خدا بخش صاحب ملتان)

دوستوں سے بے تکلفی اور تواضع وانکساری

تمام فضائل و کمالات کے باوجود تواضع وانکساری اور دوستوں سے بے تکلفی آپ کی طبیعت کا جزو لاینفک تھی ۔ یہ محسوس نہ ہونے دیتے تھے کہ آپ امتیازی شخصیت

کے مالک ہیں، راقم الحروف کے والد جناب حافظ زاہد حسن صاحب امروہوی سے اسی قسم کے مراسم تھے۔ والد صاحب چونکہ حاجی امداد اللہ صاحب و حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کی خدمت و صحبت میں عرصۂ دراز تک رہے تھے اسی لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے گہرا تعلق تھا۔

۱۹۲۹ء میں امروہہ میں جمعیۃ علماء کا اجلاس ہوا وہ آموں کا موسم تھا۔ ہمارے یہاں حضرت کو دعوت دی گئی حضرت کے ساتھ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب بھی تھے۔ گھر میں جب حضرت تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پکی رکھی تھی۔ حضرت نے ازراہ خوش طبعی و بے تکلفی براہ راست ہانڈی ہی سے شوربا پینا شروع کر دیا۔ یہ دلچسپ منظر دیکھ کر جملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ (مولانا سید طاہر حسن صاحب)

امتیاز پسند نہ فرمایا

حضرتؒ ایک تقریب میں بچھرایوں تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا اسعد میاں صاحب بھی ہمراہ تھے۔ میزبان صاحب نے ایک خاص کمرے میں حضرت کے کھانے کا انتظام کیا اور اصرار کیا کہ حضرت وہیں تشریف لے چلیں۔ چونکہ دالان میں اہل قصبہ کھا رہے تھے اس لئے حضرت نے اس امتیازی شان کو قطعاً پسند نہ کیا اور جب زیادہ اصرار کیا گیا تو فرمایا کہ قضائے حاجت کے لئے بھی انسان وہیں جاتا ہے جہاں سب جاتے ہیں۔ الغرض آپ مجمع میں تشریف لائے اور سب کے ساتھ اسی عام دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔ (محمد یعقوب صاحب بچھرایوں)

مخملی قالین پر بیٹھنے سے انکار

کئی سال کی بات ہے کہ حضرت الشیخؒ سنبھل تشریف لائے تھے۔ حضرت کے میزبان کی جانب سے اس بات کی اجازت نہ تھی کہ کوئی دوسرے صاحب حضرت کی دعوت (طعام) کریں۔ البتہ چائے کے سلسلے میں ان کی جانب سے عام اجازت تھی چنانچہ میں نے حضرت کو چائے پر مدعو کیا اور آپ نے میری درخواست منظور فرمالی۔ اور آپ نے نماز جمعہ کے بعد کا وقت مقرر فرمایا۔ میں نے حضرت کی نشست کے لئے جازم پر مخملی قالین بچھا دیا۔ وقت مقررہ پر جب حضرت تشریف لائے اور جازم پر مخملی قالین بچھا ہوا دیکھا تو بہت ناراض ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قالین کو اٹھا کر ایک کنارے کر دیا۔ میں نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ

حضرت! کم از کم دری ہی بچھانے کی اجازت دی جائے لیکن حضرت نے فرمایا۔ کوئی ضرورت نہیں یوں ہی ٹھیک بیٹھا ہوا ہوں۔ (قاری محمد سلطان الدین صاحب)

خود جاکر پانی پلایا

ایک مرتبہ ایک خستہ حال شخص جو کہ قوم کا گندھیلا (غیر مسلم) تھا دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ مجھے پانی پلادو! حضرت کے گرد و پیش بہت سے آدمی بیٹھے تھے مگر اتفاق سے کسی کو خیال نہیں آیا حضرت اس کی آواز سن چکے تھے خود اٹھے اور جاکر نل سے لوٹے میں پانی بھرنا شروع کردیا۔ اب تو ہر شخص کو تنبہ ہوا اور ہر شخص نے آپ سے لوٹا لینا چاہا مگر کسی کو نہیں دیا اور خود جاکر اس شخص کو پانی پلایا۔

(مولانا فضل الکریم صاحب حسینی)

اپنی تعظیم پسند نہیں فرماتے تھے

کسی شخص کو دست بوسی یا قدمبوسی کا موقعہ نہیں دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غیر مسلم نے تعظیماً آپ کے قدموں کو چھونا چاہا تو آپ اس طرح تڑپ کر ہٹ گئے جیسے قدموں تلے کوئی سانپ آگیا ہو۔ آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے ایک شخص نے قدمبوسی کرنی چاہی تو آپ اس طرح چونکے کہ وہ شخص گر پڑا اگر کوئی شخص مصافحہ کرکے اُلٹے قدموں پیچھے ہٹتا تو آپ تنبیہ فرماتے، ایک مرتبہ ایسے ہی موقعہ پر فرمایا کہ:۔ آدمیوں کی طرح چلو!

(مولانا فضل الکریم خاں حسینی)

دستِ مبارک سے نالی صاف کی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کے استاد محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پاخانہ کی نالی صاف کرنے کے لئے بھنگی طلب فرمایا۔ اتفاق سے اس وقت بھنگی نہ ملا تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے خود ہی نالی کو صاف کردیا۔

(حیات شیخ الاسلامؒ)

شاگرد کی خدمت

اسارت کراچی کے زمانہ میں مشہور لیڈر مولانا محمد علی صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر قرآن کریم پڑھتے تھے اور حضرتؒ کا بیحد احترام فرماتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ میں خدمت خلق کا جو بے پناہ

جذبہ تھا اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوتا ہے: مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو کثرت بول کا عارضہ تھا جس کی بنا پر آپ نے پیشاب کے لئے برتن اپنے کمرے ہی میں رکھوالیا تھا۔ یہ برتن اکثر و بیشتر پیشاب سے بھرا رہتا تھا لیکن مولانا محمد علی صاحب مرحوم جب علی الصباح بیدار ہوتے تو وہ برتن پیشاب سے خالی اور دُھلا ہوا صاف ستھرا نظر آتا۔ کافی عرصہ تک یہ معمہ ان کی سمجھ میں نہ آیا اتفاق سے ایک رات عین اس وقت آنکھ کھل گئی جب کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس برتن کو صاف کرنے کی غرض سے لئے جارہے تھے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مخدوم جہاں خادم بنے ہوئے ہیں۔ (انفاس قدسیہ بحوالہ مدینہ و قومی آواز)

وسعت اخلاق و جذبۂ خدمتِ خلق

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اثنائے سفر ٹرین میں دوسرے مسافروں کی آمد سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے بلکہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے پاس جگہ دیتے اور جب کھانے کا وقت ہوتا تو باصرار کھانے میں شریک کرتے صرف یہی نہیں بلکہ رفیق سفر کی ہر ممکن خدمت انجام دینے کی سعی فرماتے اس سلسلے میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی امتیاز نہ تھا چنانچہ ذیل کے واقعہ سے مسافروں کے ساتھ آپ کے اخلاق کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ حضرت مولانا مدنیؒ حج سے واپسی ہورہی تھی ہم لوگ لاہور اسٹیشن پر بغرض زیارت حاضر ہوئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے صاحبزادہ محمد عارف (ضلع جھنگ) بھی موجود تھے جو دیوبند تک حضرت کے ساتھ گئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی موجود تھے۔ اتفاق سے وہ قضائے حاجت کے لئے باتھ روم گئے لیکن فوراً ہی اُلٹے پاؤں واپس آگئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ معاملہ سمجھ گئے۔ آپ نہایت خاموشی سے لوٹے کراٹھے سگریٹ کی چند خالی ڈبیاں پڑی ہوئی تھیں ان کو اٹھالیا اور جاکر بیت الخلاء صاف کردیا۔ وہاں سے واپس آکر ہندو رفیق سفر سے فرمایا کہ جائیے! بیت الخلاء تو بالکل صاف ہے شاید آپ کو رات کی وجہ سے صحیح اندازہ نہیں ہوسکا۔ نوجوان نے عرض کیا کہ مولانا! میں نے دیکھا ہے باتھ روم بہت گندہ اور بھرا ہوا ہے لیکن حضرت مولانا کے فرمانے پر جب وہ وہاں گیا تو گندگی کا نام و نشان نہ تھا معاملہ سمجھ گیا اور بے حد متاثر ہوا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام)

مخدوم لیکن خادم

مولانا نصر اللہ خاں عزیز ایڈیٹر ایشیا لاہور تحریر فرماتے ہیں :۔
"(مولانا) ایک عظیم المرتبت عالم، محدث اور فقیہ ہونے کے باوجود ایسے رفیق سفر ہیں جو خدمت لینے کے بجائے خدمت کرتے ہیں۔ ریل کے سفر میں وہ شدید سردی کے موسم میں بھی خود وضو کرتے ہیں اور پھر اسٹیشنوں پر اتر کر رفقا کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر لاتے ہیں اور پاؤں دبا کر بیدار کرتے ہیں۔ پھر وضو کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ عام طور پر علماء اپنے مزاج کی یبوست اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہیں مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے۔"

(انفاس قدسیہ بحوالہ اخبار شریعت حسین احمد نمبر ۴۴)

ایک روپیہ قبول فرمالیا

ہدایا کے سلسلے میں حضرت کا معمول تھا کہ بڑی رقمیں پیش کرنے والوں سے فرمایا کرتے تھے کہ بھائی کسی غریب آدمی کو دیدیجئے۔ میں تو پانچسو روپے تنخواہ پاتا ہوں۔ لیکن آپ کی انکساری ملاحظہ فرمایئے! کہ جب مراد آباد میں ایک مجذوب مولانا شمس الدین صاحب مرحوم نے حضرت کی خدمت میں ایک روپیہ پیش کیا تو حضرت نے اسے بے چون و چرا فوراً قبول فرمالیا۔

تعویذ کے لئے خود درخواست

ایک مرتبہ حضرت کے یہاں فیض آباد سے ایک بزرگ حاجی عبدالرحیم صاحب فضلی تشریف لائے آپا جی (حضرت کی اہلیہ محترمہ) نے حضرت سے عرض کیا کہ حاجی صاحب سے بچوں کے لئے تعویذ لا دیجئے! چنانچہ آپ باہر تشریف لائے اور آکر فرمایا: حاجی صاحب! بچوں کے لئے تعویذ دیدیجئے! ــــــ ملاحظہ فرمایئے جس کے آستانے سے روزانہ تعویذ تقسیم ہوتے ہوں وہ خود دوسرے سے تعویذ کا سوال کررہے ہیں اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ مہمان خانہ معتقدین سے بھرا ہوا ہے۔

دیکھا گیا کہ دسترخوان بچھا رہے ہیں

قیام آسام کا واقعہ ہے ایک دن نزاعیح سے فارغ ہوکر آپ کمرے میں تشریف لے گئے ہم لوگوں کو پہنچنے میں کچھ دیر ہوچکی تھی۔ جب ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت؂

دستر خوان بچھا رہے تھے۔

مزدور کے مکان پر تشریف لے گئے اور معذرت کی

دیوبند کا واقعہ ہے ۔ میدو پلے دار نے ایک مرتبہ حضرت کی دعوت کی اور وقت پر حاضر ہو کر عرض گذار ہوا کہ حضرت! کھانا تیار ہے تشریف لے چلیئے۔ حضرت کے یہاں اس وقت مہمانوں کا بہت کافی ہجوم تھا اور حضرت کسی کام میں مصروف تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ:۔ میرا اس وقت جانا نہیں ہو سکتا تم کھانا یہیں بھیج دو۔ چنانچہ میدو دیگ لے کر حاضر ہو گیا۔ دوسرے دن نماز فجر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ خلاف توقع اور اچانک میدو کے مکان پر پہنچ گئے اور دروازے کی کنڈی جاکھٹکھٹائی۔ میدو نے دروازہ کھولا تو دیکھتا کیا ہے کہ حضرت بذات خود دروازے پر کھڑے ہیں وہ بیچارہ کچھ مسرت اور کچھ شدت تاثر سے رونے لگا اور آپ کو مکان میں لے گیا۔ حضرت نے فرمایا: بھائی! تم غریب آدمی ہو۔ میں نے کل تمہارے یہاں آنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ تم خواہ مخواہ زیر بار ہوتے۔

(انفاس قدسیہ بحوالہ دانائی صاحب)

ہم تعمیل حکم کے لئے حاضر ہیں

جب حضرت مہتمم صاحب پاکستان جاکر دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے (اس سلسلے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کافی جدوجہد فرمائی تھی، تو موصوف کی آمد کے سلسلے میں ایک جلسہ ہوا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کرتے ہوئے مہتمم صاحب سے یہ بھی فرمایا تھا: ہم تو آپ کے نوکر ہیں اور آپ ہمارے آقا ہیں، آپ ہی حکم دیں ہم تعمیل حکم کے لئے حاضر ہیں۔ ایک عظیم مجمع میں اس قدر تواضع آپ ہی کا حصہ تھا۔ (انفاس قدسیہ)

معاف کیجئے گا میں بالکل بھول گیا تھا

مولانا عبدالصمد صاحب سورنی رمجاز حضرت شیخؒ، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو اپنی حالت کے بارے میں پرچہ دیا۔ حضرت نے فرمایا:۔ اچھا آپ کو ذکر جہری بتاؤنگا اس کے بعد حضرت بھول گئے جب آسام پہنچے تو ایک دن مولانا عبدالصمد صاحب کو دیکھ کر فرمایا: معاف کیجئے گا! میں بالکل بھول گیا تھا، آپ نے بھی یاد نہیں دلایا۔ اتفاق سے جس وقت

حضرت کو بات یاد آئی اس وقت آپ کے پاس چند افسران بھی بیٹھے ہوئے تھے انہی کے سامنے حضرت نے اپنے ایک خادم اور مرید سے معافی مانگی ——— (انفاس قدسیہ)

امتیازی برتاؤ سے انقباض

ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہار کے دورہ پر تشریف لانے والے تھے تو میں نے مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ سے درخواست کی کہ پروگرام میں مقام سانحہ (ضلع مونگیر) کو بھی شامل کر لیجیے تاکہ دارالعلوم معینیہ کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد حضرت اپنے دست مبارک سے رکھیں۔ مولانا موصوف نے از راہِ شفقت میری درخواست منظور کر لی۔ برسات کا زمانہ تھا برسات کی وجہ سے آدھ میل تک کچی سڑک سخت ناہموار تھی۔ آتے ہوئے کار کے ڈرائیور نے ہمت کی اور کسی طرح گاڑی مسجد تک لے آیا مگر اب بھی کم و بیش ایک فرلانگ کا فاصلہ قیام گاہ تک باقی تھا حضرت اتر پڑے اور جائے قیام تک پیدل ہی تشریف لائے جس بنگلہ میں قیام کا انتظام تھا وہ کافی اونچائی پر واقع تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ چھڑی کے سہارے بمشکل وہاں تک پہنچے لیکن کسی کا سہارا لینا پسند نہیں فرمایا۔ کمرے میں جاکر بیٹھ گئے تو وہاں ہجوم ہو گیا سخت گرمی تھی اس لئے پنکھا جھلنے کے لئے آدمی کھڑا ہوا لیکن اسے آپ نے سختی سے روک دیا اور فرمایا کہ یہاں سینکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے ہیں کیا انہیں گرمی نہیں لگتی۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔

(مولانا ظفیر الدین صاحب رکن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

ایثار و انکسار

ترک عہد حکومت کی بات ہے کہ مدینہ منورہ میں علاوہ احناف دیگر مسلک کے مفتیان کرام بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ مفتی احناف بہت ضعیف و کمزور تھے اس لئے ان سے کماحقہ محنت کے ساتھ تحقیق و تدقیق مسائل کا کام انجام نہیں پاتا تھا اس لئے ان کے فتاویٰ ویسے مدلل اور محققانہ نہیں ہوتے تھے جیسے کہ مفتی شوافع وغیرہ کے حضرت کا قیام اس زمانہ میں مدینہ منورہ ہی میں تھا۔ آپ سے احناف کی یہ سبکی دیکھی نہ گئی اور ایک دن مفتی احناف سے فرمایا کہ آپ چونکہ بہت ضعیف ہیں اس لئے اگر مناسب سمجھیں تو میں فتویٰ لکھ دیا کروں اور آپ اس پر دستخط فرما دیا کریں اس کی اشاعت ہوگی آپ ہی کی جانب

سے۔ مفتی صاحب نے یہ بات بخوشی منظور کر لی۔ مدتوں یہ سلسلہ جاری رہا کہ فتاویٰ حضرت تحریر فرماتے اور دستخط مفتی صاحب کر دیا کرتے۔ لطف یہ کہ اس زمانے میں کسی کو اس بات کی خبر تک نہ ہوئی۔ اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے کی شہرت اور وقار کی بحالی کے لئے گمنام رہتے ہوئے مسلسل تکالیف برداشت کر کے ایثار و بے نفسی کا اعلیٰ ترین کردار پیش فرمایا۔

عوام کسے کہتے ہیں؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ تراویح میں کبھی کبھار کوئی دلچسپ بات فرما دیتے جس سے حاضرین میں بشاشت پیدا ہو جاتی اور کسل دور ہو جاتا تھا اور آپ کا یہی معمول تہجد میں بھی تھا۔ ایک مرتبہ آپ کی بشاشت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے ایک جلیل القدر مصاحب فرمانے لگے کہ: حضرت! اگر آئندہ سال ہم لوگ بالسکندی آئیں تو عوام کو تہجد میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیں۔ یہ سُن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سخت انقباض ہوا اور خفگی آمیز لہجے میں فرمایا کہ: عوام کسے کہتے ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ جو سراج (ایک طالب علم) بیٹھا ہوا ہے اس کی وجہ سے ہماری نماز قبول ہو جائے؟ یہ حضرت کے فرمانے کے بعد مولوی سراج صاحب پر تو گریہ طاری ہو گیا لیکن ان گل افشانی فرمانے والے بزرگ کی حالت بھی قابلِ دید تھی۔

(مقدمہ فرمودات حضرت مدنیؒ)

نمازی کے چپل سیدھے کئے

آج ایک چشم دید واقعہ نگاہوں کے سامنے ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر دیوبند کی جامع مسجد سے باہر تشریف لا رہے ہیں حسب معمول گویا پوری مسجد آپ کے ساتھ ہو گئی ہے۔ جو لوگ باہر نکل چکے ہیں وہ سیڑھیوں سے اور صدر دروازہ کے سامنے سراپا اشتیاق بنے کھڑے ہوئے ہیں۔ حضرت ابھی پہلی ہی سیڑھی پر ہیں کہ آپ کی نظر ایک چپل پر پڑتی ہے جو ٹھوکروں سے دوسری سیڑھی پر گر گیا ہے۔ آپ آگے بڑھتے ہیں اور گرے ہوئے چپل کو اٹھا کر دوسرے چپل کے ساتھ ملا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ہزاروں نگاہیں ادب و احترام کے ساتھ آپ پر مرکوز تھیں۔ ابھی آپ سیڑھیوں پر ہی تھے

کہ ایک دوسرا واقعہ پیش آتا ہے۔ یوں تو سیڑھیاں حضرت کے لئے تقریباً خالی ہوچکی تھیں۔ لیکن کوئی دیہاتی بے خیالی یا عجلت میں آپ سے آگے ہوگیا اور جب ایک صاحب نے اسے پیچھے ہٹنے کے لئے اشارہ کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہیں کھڑے ہوگئے اور ان روکنے والے صاحب پر چند ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ: کیا اس کو حق نہیں ہے؟! پھر اسے کیوں روکا گیا؟؟

(مولانا جمیل الرحمٰن صاحب سیوہاروی)
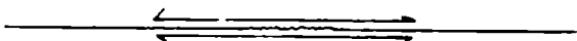
آلام و مصائب کی کسوٹی پر

میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ :- مدینہ منورہ والے حضرتؒ کی اتنی عزت کرتے تھے کہ دوسرے کسی عالم کو یہ امتیاز حاصل نہ تھا لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ رمضان شریف میں روزہ پر روزہ رکھتے اور کسی کو خبر نہ ہوتی مولانا عبدالحق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے شوق ہوا کہ آج استاد محترم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ کے ساتھ افطار و سحر کا پروگرام رکھا جائے چنانچہ کھانا بچا کر حرم شریف لایا اور انتظار کرتا رہا کہ اب حضرت کے گھر سے بھی کھانا آئے گا۔ مغرب کا وقت قریب آگیا لیکن کھانا نہ آیا۔ میں نے دستر خوان بچھایا اور حضرت والا سے عرض کیا کہ تشریف لائیں۔ جواب میں حضور والا نے فرمایا کہ آپ کھانا کھائیں میں روزہ کھجور سے افطار کر دوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو اس شوق میں حاضر ہوا ہوں کہ کھانا حضور کے ساتھ کھاؤں آپ روزہ کھجور سے افطار کر لیجئے اور میں بھی کھجور ہی سے روزہ افطار کروں گا مگر کھانے میں میرے ساتھ شرکت فرمائیں۔ چنانچہ حضرت والا نے میری ضد پوری فرمائی اور کچھ تھوڑا سا کھانا کھا کر نماز میں شریک ہو گئے۔ اس نماز کے سلسلے کو حضرت نے عشاء تک جاری رکھا۔ تراویح شروع ہو گئی۔ ختم تراویح کے بعد میں نے پھر اصرار کیا تو انتہائی لاپروائی سے فرمایا کہ سحر میں دیکھا جائے گا۔ حضرت والا سحر تک عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔

میں سو گیا اور حضرت نے مجھے وقت پر جگا کر انتہائی استغنا کے ساتھ فرمایا کہ تم کھانا کھا لو! اس وقت میں نے سوال کیا کہ حضرت بات کیا ہے آنجناب کے گھر سے نہ افطار میں کھانا آیا اور نہ اس وقت سحر کے لئے کوئی چیز آئی!؟

حضرتؒ نے بات ٹالنے کی بہت کوشش کی اور گفتگو کا رخ ادھر ادھر پھیرنا چاہا لیکن میرا اصرار بڑھتا ہی رہا حضرت والا ہنستے جاتے تھے اور مختلف طریقوں سے میرا اصرار ختم کرنا چاہتے تھے مگر جب میں نے مجبور کر دیا تو اتنا فرمایا کہ شاید آج گھر میں کچھ نہیں تھا بہر حال

میں نے زبردستی حضرت والا کو کھانے میں شرکت پر تیار کر لیا کھانا کھاتے ہوئے فرمایا: کہ عبدالحق! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کبھی تو پوری ہونی چاہیئے! اس کے بعد نہایت رگانہ انداز میں اور انتہائی لجاجت کے لہجے میں فرمایا کہ میرے گھر کی بات کسی سے نہ کہنا۔
(بارہا آدھ پاؤ مسور کی دال پکا کر سب گھر والوں نے تھوڑی تھوڑی پی کر یا تربوز کے چھلکے سڑک پر سے اٹھا کر دھو کر شب میں پکا کر اس کا پانی پی کر گذر کیا ہے)۔

درس حدیث کے ساتھ نقل کتب اور دوکانداری

ہجرت مدینہ کے بعد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجدؒ کے پاس صرف چھ سو روپے کا سرمایہ تھا۔ گھر والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ یہ سرمایہ اگر یوں ہی بیٹھے بیٹھے کھاتے رہے تو بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ مناسب ہے کہ اس رقم سے کوئی کاروبار کیا جائے۔ اس تجویز کو سب نے تسلیم کیا اور باب الرحمت و باب السلام کے درمیان ایک دکان کرایہ پر لے کر پرچون کا سامان، بساط خانے کا سامان رکھا گیا اور کھجوروں کی فروخت بھی شروع کی گئی۔ آپ ایک وقت اگر درس حدیث دیتے تو دوسرے اوقات میں خرید و فروخت فرماتے اور جب یہ محدود تجارت بھی تنگی معیشت کو دور نہ کر سکی تو آپ نے اجرت پر کتابوں کے نقل کا کام شروع کیا۔

محاصرہ طائف کی پریشانیاں

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے ساتھ طائف میں دو ماہ بیس یوم محصور رہے۔ اس مدت میں آپ حضرات کو ناقابل بیان مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ مجاہدین کے پاس سامان خورد و نوش ختم ہو گیا۔ پانی بھی ملنا مشکل ہو گیا اور تمام شہر بلبلا اٹھا مگر یہ اللہ والے غریب الوطن اور مفلوک الحال ہونے کے باوجود کبھی کسی سے سوال تو کجا اظہار پریشانی بھی نہ کیا۔ ایک طرف فاقوں پر فاقے بیت رہے تھے۔ دوسری طرف اللہ والوں کی یہ ٹولی عبادات اور روحانی ترقی میں مصروف تھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ عبادات سے فراغت کے اوقات میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مصروف رہتے جو پہلے ہی سے بہت ضعیف تھے اور موجودہ مصائب نیز فاقوں سے ضعف میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ حضرت

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنی پوری جماعت کے لئے خورد و نوش کا انتظام فرماتے اور جو کچھ روکھا سوکھا میسر آتا اسے دسترخوان پر رکھ دیتے اور جب تمام حضرات کھانے میں مصروف ہوتے تو خود کسی بہانہ سے پہلے ہی دسترخوان سے اٹھ جاتے یا اس قدر آہستہ کھاتے کہ کھانے اور نہ کھانے میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ یہ سب ایثار اس لئے تھا کہ استاد محترم اور دیگر رفقا بھوکے نہ رہ جائیں۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ دسترخوان بچھانے کے بعد فرمادیا کہ آپ حضرات کھانا کھائیں کیونکہ میں کھا چکا ہوں۔ شاید ایک آدھ لقمہ کوئی چیز کھا لیتے ہوں گے مختصر یہ کہ آپ کے اس طرز عمل سے کمزوری اس قدر بڑھ گئی کہ آواز سے نقاہت محسوس ہوتی تھی ایک روز دوپہر کے کھانے کے وقت ایک آدھ لقمہ کھانے کے بعد جب یہ کہہ کر اٹھنا چاہا کہ میں کھا چکا ہوں تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس قدر ناراض ہوئے کہ غصہ سے کانپنے لگے حضرت شیخ رحمۃ اللہ یہ دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ آنکھوں میں آنسو آگئے کیونکہ استاد محترم کی ناراضگی ناقابل برداشت تھی، استاد محترم نے بھی معاملہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے غصہ ختم کردیا اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ: "حسین احمد! تم اپنے اوپر ظلم کرتے ہو اور ہمیں ظالم بناتے ہو"۔

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر رفقاء سے فرمایا کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی رکھیں اور ہمارے بغیر انہیں کھانا کھانے کا موقع نہ دیں۔

فاقوں میں روحانی لذت ہوتی ہے

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی راوی ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام رح نے ایک مرتبہ میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ: طائف کی محصوری کے زمانہ میں جب تک رمضان شریف رہا ہماری فاقہ کشی کی خبر کسی کو نہ ہوئی۔ جب عید آگئی تو فکر ہوئی کہ اب لوگوں کو ہماری حالت معلوم ہوجائے گی۔ چند ہی دن کے بعد مذکورہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ ایک ہندوستانی تاجر آئے اور کئی گھنٹہ حضرت شیخ الہند رح کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ کھانے کا وقت آیا اور گذر گیا۔ میں انتہائی مضطرب تھا اور سوچتا تھا کہ کہیں سے کوئی چیز دستیاب ہوجائے تو کم از کم تاجر موصوف کے سامنے ماحضر پیش کردوں مگر خدا کو یہی منظور تھا کہ ہم اپنی بات چھپا نہ سکیں۔ تاجر نہایت سمجھدار تھے اس وقت تو وہ چلے گئے لیکن تھوڑی

ہی دیر کے بعد کچھ چاول لے کر تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کئے آپ نے ان چاولوں کو قبول فرمالیا اور اس طرح ہماری فاقہ کشی کا راز فاش ہوگیا حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت: ان فاقوں کی وجہ سے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا تو برا حال ہو جاتا ہوگا؟! ہنس کر فرمایا: فاقوں سے برا حال نہیں ہوتا۔ فاقوں سے تو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے اور روحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ (تذکرہ شیخ مدنی)

صاحبزادی کی وفات پر صبر

حضرتؒ کو گھر کے سب ہی بچوں سے محبت تھی۔ ایک چھوٹی بچی حسانہ مرحومہ تھی۔ اسے پیارسے حسانہ بیٹا فرمایا کرتے وہ تتلاتی ہوئی کہتی کہ اباجی! مجھے آن بیٹ کہتے ہیں تو اس کی زبان میں شریک ہوکر اسے آن بیٹ ہی کہکر پکارا کرتے تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں چیچک میں مبتلا ہوکر وفات پاگئی۔ بڑی ہونہار، ذہین اور پیاری بچی تھی۔ مغرب سے کچھ پہلے انتقال ہوا۔ میں نے گھر سے آکر انتقال کی خبر دی، عام مجلس میں رونق افروز تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر خاموش ہوگئے اور مجلس جاری رہی۔ تدفین کے بعد حسب معمول کھانا طلب فرمایا۔ میں نے عرض کیا کھانے کا انتظام مولانا سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم نے کیا ہے۔ فرمایا:- انہیں کس نے اجازت دی؟ میں نے عرض کیا کہ: میں نے! اس پر بہت برہم ہوئے، فرمایا کہ: چھوٹی سی بچی تھی۔ سنت کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ موتی کے متعلقین مصروف ہوتے ہیں اس میں کیا مصروفیت تھی۔ جاکر جو کچھ دن کا بچا کھچا ہے لے آؤ! چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہی سب مہمانوں کو پیش کیا گیا۔ (مولانا فریدالوحیدی)

مجھے اس ذلت کے ساتھ ایسی رقم منظور نہیں

ایک مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ مولانا کچھ مقروض ہیں۔ میں نے حیدرآباد دکن میں نواب فخر یار جنگ معتمد محکمہ فنانس اور چند با اختیار حکام سے اس بات کا تذکرہ کیا اور طے یہ پایا کہ مولانا کو یہاں بلایا جائے اور حیدری صاحب وغیرہ سے ملایا جائے پھر اس طرح تحریک کرکے پانچ ہزار روپیہ... سرکار سے دلایا جائے۔ میں نے مولانا کو یہ بات تحریر کی لیکن حضرت نے جواب دیا کہ مجھے اس ذلت کے ساتھ ایسی رقم لینا منظور نہیں۔ (مولانا ظہورالحسن صاحب سیوہاروی)

آخر تسلیم و رضا بھی کوئی چیز ہے

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خلیفہ حضرت شیخؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جیل کے ساتھیوں نے حضرت سے درخواست کرتے ہوئے عرض کیا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے جس سے قید سے رہائی حاصل ہو جائے چنانچہ حضرتؒ جسے وظیفہ بتاتے وہ قید سے آزاد ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ اپنے لئے بھی تو دعا کیجئے! اس پر حضرت نے فرمایا: آخر تسلیم و رضا بھی تو کوئی چیز ہے۔ (انفاس قدسیہ)

فریضہ جہاد کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا

جب ۱۹۲۱ء میں تحریک آزادی چل رہی تھی تو جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے آپ ڈکٹیٹر بنائے گئے۔ ہر ڈکٹیٹر دہلی پہنچ کر سول نافرمانی کرتا اور گرفتار ہو جاتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت اس وقت سخت علیل تھی۔ ٹانگوں میں زخم تھے اور چلنا پھرنا دشوار تھا۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کو جب یہ حال معلوم ہوا تو شاہ صاحب نے کہلا بھیجا کہ آپ اس حالت میں تشریف نہ لے جائیے بلکہ تاریخ بدل دیجئے لیکن حضرت شیخ نے اس کو گوارا نہ فرمایا اور اسی علالت کی حالت میں دیوبند سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ پولیس گرفتاری کے لئے سہارنپور سے آ رہی تھی لیکن دیوبند کے اسٹیشن پر ہجوم کو دیکھتے ہوئے نوٹس پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، دیوبند سے اگلے اسٹیشن رہانہ پہنچ کر نوٹس پیش کیا گیا جو کہ انگریزی میں تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپ اپنا قلم دیدیجئے تاکہ میں اردو میں اس کا ترجمہ کر دوں۔ حضرت نے فرمایا: کیا خوب! اپنے ہی ذبح کے لئے اپنا ہتھیار آپ کو دیدوں؟ وہ یہ سن کر واپس چلا گیا اور گاڑی چھوٹ گئی مظفر نگر اسٹیشن پر وہ ترجمہ کر کے لایا۔ جس میں یہ تحریر تھی۔

"حکومت سہارنپور کی طرف سے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ آگے نہ جائیں ورنہ اپنے آپ کو گرفتار سمجھیں۔"

حضرت نے تحریر کو دیکھ کر فرمایا: "نوٹس حکومت سہارنپور کی طرف سے ہے اور اس وقت میں سہارنپور کی حدود سے باہر ہوں اس لئے نوٹس قابل تعمیل نہیں"۔ یہ سن کر

تو افسران چکراہی گئے۔ اور لاجواب ہو گئے۔ بالآخر مجسٹریٹ نے کہا کہ میں اپنے خصوصی اختیارات کی بنا پر آپ کو نوٹس دوں گا۔ چنانچہ اس نے مظفر نگر ہی میں اپنی جانب سے نوٹس پیش کیا اور گرفتاری عمل میں آئی۔ اس وقت حضرت کی یہ حالت تھی کہ گاڑی سے دو قدم بھی چلنا دشوار تھا۔ چنانچہ گاڑی سے اترنے کے بعد اسی جگہ کچھ دیر کے لئے کرسی بچھا دی گئی جس پر آپ بیٹھ گئے۔ اس حالت کے باوجود آپ نے فریضہ جہاد کو چھوڑنا گوارا نہ فرمایا۔

(مولانا انصار الحق صاحب)

۱۹۴۷ء کے نازک دور میں

(حضرت مدنیؒ) کا

ایک تاریخ ساز فیصلہ

از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی

(۱۹۴۷ء میں) یہ مسئلہ بھی تین چار ماہ تک بہت ہی معرکۃ الآراء رہا کہ پاکستان جانے والے احباب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بہت ہی شدید اصرار کرتے تھے۔ بعض اکابر تو روزانہ پچیس تیس ہوائی جہاز کے ٹکٹ لیکر آتے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کو مع ان کے گھر والوں کے لیکر جائیں۔ ان کا اصرار تھا کہ مسلمان بکثرت وہاں منتقل ہو گئے ہیں۔ اس لئے مولانا محمد یوسف صاحب کا وہاں جانا ان کی دینی اصلاح کی خاطر بہت ضروری ہے۔ نیز اس وقت یہاں کی جو متزلزل حالت تھی اور یوپی و دہلی کا جو عام انخلاء ہو رہا تھا اس کی وجہ سے یہاں دینی کام کی اُمیدیں کم معلوم ہوتی تھیں۔ مگر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک جواب تھا کہ اگر بھائی جی تشریف لے جاویں گے تو میں بھی جاؤں گا ورنہ نہیں۔ ان کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی ہر وقت یورش رہتی۔ دہلی اور اس کے علاوہ کے احباب ہر وقت مصر رہتے کہ یہ ناکارہ بھی جلد پاکستان جانے کا فیصلہ کرلے۔ اور میرا صرف ایک جواب تھا کہ میں جب تک اپنے دو بزرگ حضرت اقدس مولانا مدنیؒ اور مولانا رائپوری نور اللہ مرقدہما سے مشورہ نہ کرلوں اس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ ان دوستوں کا اصرار

تھا کہ آپ ایک پرچہ لکھدیں ہم ان دونوں بزرگوں سے اجازت منگالیں گے۔ میں کہتا
تھا کہ میں نے اجازت کو نہیں کہا مشورہ کو کہا ہے اور وہ زبانی ہو سکتا ہے، جب بھی
مقدر ہوگا دونوں سے زبانی بات کر کے رائے قائم کر سکتا ہوں۔ میرے بعض اعزہ کا
بھی بہت ہی شدت سے میرے اور مولانا محمد یوسف صاحب کے جانے پر اصرار تھا مگر
مجھ سے کہنے کی تو ان لوگوں کو ہمت نہیں پڑتی تھی لیکن ان جانے والے دوستوں کے
ذریعے سے بہت اصرار کرتے تھے یہ بھی ہر وقت کا ایک مستقل معرکہ تھا۔ اور راستے
چونکہ ہر طرف کے مسدود تھے۔ اس لئے حضرات شیخین مولانا مدنی مولانا رائپوری نوراللہ
مرقدہما سے بات کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ محرم ۶۷ھ کے شروع میں میرے
مخلص و محسن مولوی نصیر الدین سلمہٗ جو میری دکھتی ہوئی رگ سے خوب واقف تھے
انھوں نے ایک پرچہ مجھے لکھا جو بڑی مشکلات سے دستی پہونچا جس میں انھوں نے
لکھا کہ اوجز المسالک جلد رابع کے لئے کاتب مل گیا ہے اور میں نے کام شروع کر دیا ہے
اور اس میں آپ کی ضرورت ہے۔ اوجز جلد رابع کی طباعت تقسیم سے پہلے شروع ہو چکی
تھی۔ میرا بہت سا روپیہ اس کی کتابت اور طباعت کے کاغذ میں صرف ہو چکا تھا۔ لیکن
تقسیم کے ہنگامے نے اس سب کو غتر بود کر دیا تھا جس کا مجھے بہت قلق تھا اور
حالات کے پیش نظر یہ اُمید بھی نہ تھی کہ اس کی طباعت ہو سکے گی۔ مولوی نصیر کے
اس خط سے جو انھوں نے دھوکے سے صرف مجھے بلانے کے لئے لکھا تھا مجھے واپسی کا
تقاضہ ہو گیا۔ اور میں نے عزیزم مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے واپسی کی اجازت
مانگی۔ مجھے ان کے الفاظ جب یاد آتے ہیں جبھی چبھتے ہیں، اس نے آبدیدہ ہو کر کہا
بھائی! آپ اس حال میں مجھے چھوڑ کر جاویں گے؟ اس وقت میں دوسرا مرحلہ نظام الدین
سے دہلی منتقل ہونے کا بھی تھا اس میں الحاج حافظ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بہت زیادہ پیش پیش تھے اور بلی ماران میں انھوں نے کئی مکان زنانہ اور مردانہ جماعتوں
کے قیام کے واسطے تجویز کر رکھے تھے اور مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
حافظ صاحب موصوف کے خصوصی تعلقات تھے اس لئے وہ ان پر بہت زور دیتے

تھے کہ ہم سب کو دہلی منتقل کرادیں۔ مولانا مرحوم بھی ہم لوگوں کی حفاظت کی خاطر حافظ صاحب کے ہم خیال تھے مگر جتنی شدت حافظ صاحب کو تھی ان کو نہیں تھی لیکن حافظ صاحب کے شدید اصرار پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالےٰ ان کو بلند درجات عطا فرمائے کئی مرتبہ سرکاری ٹرک لیکر ہم لوگوں کو دہلی لے جانے کے واسطے نظام الدین پہنچے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے منتقل ہونے کی بالکل نہ تھی۔ کہتے تھے کہ اگر اس کو خالی کر دیا اور اس پر پناہ گزینوں نے قبضہ کر لیا تو پھر یہاں منتقل ہونا مشکل ہو جائے گا۔ پناہ گزینوں کا بھی ہر وقت وہاں ہجوم رہتا تھا اور وہ بھی وہاں کے رہنے والوں کو خوب ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اس اشکال میں مولانا یوسف صاحب کے ساتھ تھے کہ دوبارہ قبضہ کرنا آسان نہیں ہے۔ اس مرحلہ پر بھی یہ ناکارہ عزیز موصوف کی پشت پناہ بنا ہوا تھا اور حضرت الحاج حافظ فخر الدین صاحب تو بہت اصرار سے حکم فرماتے تھے لیکن اس سیہ کار پر زیادہ زور نہیں دیتے تھے۔ عزیز مرحوم نے میری واپسی کے ارادہ پر یہ بھی کہا کہ آپ کی تشریف بری کے بعد ایسا نہ ہو کہ حافظ صاحب دہلی منتقل ہونے پر پھر اصرار فرمائیں۔ میں نے کہا اس کا جواب بہت آسان ہے تم میری غیبت میں زور سے کہہ سکتے ہو کہ اتنے زکریا اجازت نہ دے میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ ایک عجیب بات بڑی حیرت کی تھی جو ابتک سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ کہ شوال ذیقعدہ میں اس قدر نحوست در و دیوار پر چھاری تھی کہ ان کو دیکھ کر بھی ڈر لگتا تھا۔ بہت ہی سوچا کرتا تھا کہ یہ سیاہی کس چیز کی ہے؟ وہاں تو میں نے کبھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا البتہ حضرت اقدس رائے پوری سے واپسی پر تذکرہ کیا لیکن شروع ذی الحجہ سے وہ سیاہی دفعۃً کم ہونی شروع ہوئی اور بقر عید کے بعد سے انوارات محسوس ہونے لگے۔ میں نے عزیزم مولانا یوسف صاحب مرحوم کو اس کی وجہ سے اطمینان دلایا کہ اب فکر کی بات نہیں مطمئن رہو۔ ظلمت و نور کا تو میں نے اظہار نہ کیا۔ لیکن مرحوم کو اطمینان خوب دلادیا۔ ۲۰ ذی الحجہ ۶۶ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو حضرت مدنی قدس سرہ نور اللہ مرقدہٗ دیوبند سے روانہ ہو کر شب کو مظفر نگر میں قیام فرما کر دوپہر کو بڑی دقت سے دہلی پہنچے وہاں گاندھی جی جواہر لال نہرو

نے اس پر بہت ہی قلق اور اظہار افسوس کیا کہ آپ اس قدر مشقت اور تکلیف اٹھا کر تشریف لائے ہیں۔ آپ اطلاع کرا دیا کریں سرکاری ٹرک آپ کو لایا کرے گا وہی لے جایا کرے گا اور اس وقت بھی ان لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ کے لئے ایک سرکاری ٹرک تجویز کیا جو حضرت کو دیوبند لیجائے اور چار فوجی گورکھا اس پر ہتیاروں سے مسلح حفاظت کے لئے مقرر ہوئے۔ حضرت قدس سرہٗ نے اس ناکارہ کو نظام الدین اطلاع کرائی کہ میں سرکاری ٹرک میں فوجی پہرے کے ساتھ دیوبند جا رہا ہوں تمہاری مستورات (جو سب نظام الدین والدہ ہارون کی شدت علالت کی وجہ سے ۲۱ شعبان ۶۶ھ سے گئی ہوئی تھیں اور وہاں ہی محبوس تھیں) کو اس وقت تک میرے ساتھ جانے میں سہولت رہے گی میں تو پہلے ہی سے آنے کے لئے سوچ رہا تھا مستورات کی آمد کے لئے اس سے زیادہ آسان صورت کوئی نہ تھی۔ اس لئے مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طیب خاطر سے نہیں بلکہ قلق کے سب کو اجازت دے دی۔ اور ۳ محرم ۶۷ھ مطابق ۱۷ نومبر ۴۷ء دوشنبہ کی صبح کو حضرت نے اپنا ٹرک نظام الدین بھیجدیا۔ اور زکریا مع مستورات مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طرفین کی آبدیدہ نگاہوں کے ساتھ رخصت ہوکر سوار ہو گئے وہ ٹرک چاروں طرف سے پردوں سے بند تھا۔ اور چاروں کونوں پر چار گورکھا مسلح کھڑے ہوئے تھے۔ آگے کے حصے میں حضرت اقدس مدنی رحمہ اور عزیز مولوی عبدالمجید مرحوم اور عالی جناب محمود علی خان صاحب رئیس کیلاش پور جو اتفاق سے دہلی گئے ہوئے تھے۔ ایک ریوالور کے ساتھ آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور یہ ناکارہ مستورات کے ساتھ پیچھے تھا ۹ بجے دہلی سے چل کر ۷ میل کے قریب پہنچے تھے کہ دفعتہً ٹرک خراب ہوگیا۔ بہت ہی وقت اور مشقت سے اس کو دھکے لگائے۔ مستورات کو اتارنا مشکل تھا لیکن حضرت مدنی قدس سرہ نے باوجود اپنی ضعف و پیری کے بدنی قوت سے زیادہ اپنی روحانی قوتوں کے ذریعے اس کو بنفس نفیس دھکیلا۔ حضرت ہی کی برکت سے وہ چل سکا ورنہ اس قدر سخت وزنی تھا کہ ہم چند ضعفاء کے قابو کا نہیں تھا۔ ہم لوگوں کے دھکیلنے سے وہ ذرا بھی جنبش نہ کرتا۔ حضرت قدس سرہٗ کے زور سے ہی وہ حرکت کرتا تھا۔ بہت مشکل سے پانچ چھ

گھنٹے میں سونا تک پہونچا۔ وہاں ایک مدرسہ بچوں کا تھا۔ گاؤں والے اور مدرسہ والے حضرت قدس سرہ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور وہ لوگ اپنے یہاں سے کچھ چاول وغیرہ جس قسم کی بھی ان کے یہاں روٹیاں تھیں اور ساگ وغیرہ لے کر آئے۔ چونکہ میرے ساتھ عورتیں تھیں اس لئے مدرسہ کا ایک حصہ خالی کر کے مستورات کو پہونچا دیا۔ اور میں اور حضرت قدس سرہ مسجد میں چلے گئے اور فوجی ٹرک کو درست کرتے رہے۔ ٹیلیفون تو وہاں کوئی تھا نہیں۔ ایک فوجی گاڑی ادھر سے جاتی ہوئی ملی۔ ان فوجیوں نے ان کے ذریعہ کوئی پیام بھی بھیجا۔ مغرب کے بعد وہ ٹرک درست ہوا۔ انھوں نے چلنے کا تقاضہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے ساتھ مستورات ہیں بے وقت جانے میں دقت ہے۔ اب صبح کو چلیں گے مگر وہ فوجی گورکھے کہاں مانتے زیادہ اصرار کیا تو جلدی جلدی عشاء کی نماز پڑھی۔ کھانا کھایا ٹرک میں چونکہ چاروں طرف پردہ تھا اور چاروں کونے پر فوجی تھے اس لئے راستہ میں بحمد اللہ کسی نے تعرض نہیں کیا۔ مظفر نگر آکر حضرت قدس سرہٗ نے حکیم صاحب کے مکان پر ٹرک ٹھہرا کر مجھ سے یہ فرمایا کہ دیوبند میرے جانے کے بعد یہ آگے نہیں جائیں گے۔ تم کو مستورات کی وجہ سے دقت ہوگی۔ میں مظفر نگر سے دیوبند دن میں آسانی سے چلا جاؤں گا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے ان حکیم صاحب کے مکان پر خوب زنجیریں بجائیں میرے سامنے تو کواڑ کھلے نہیں۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ تم کو دیر ہو رہی ہے اور فوجی لوگوں کو بھی خوب تقاضہ ہو رہا ہے۔ اس لئے مظفر نگر سے براہ رڑکی سہارنپور صبح کے چار بجے پہنچے۔ اس لئے کہ دیوبند تا سہارنپور کی پختہ سڑک اس وقت نہیں بنی تھی۔ زکریا۔ مولوی عبد المجید مرحوم، اور عالی جناب محمود علی خان صاحب مع اپنے ریوالور کے تھے۔ کیلاش پور پر میں نے عرض کیا کہ آپ اتر جائیں۔ مگر اللہ ان کو بہت جزائے خیر عطا فرمائے انھوں نے فرمایا کہ مجھے تو یقیناً اس میں راحت ہے کہ میں اپنے گھر پر کو گذر رہا ہوں مگر میں آپ کو تنہا جانے نہیں دوں گا۔ وہ میرے ساتھ سہارنپور تشریف لائے کرفیو مظفر نگر میں بھی لگا ہوا تھا اور سہارنپور میں بھی تھا اور مظفر نگر و سہارنپور دونوں جگہ میں بلیک آؤٹ بھی تھا کوئی بجلی نہیں جل رہی تھی۔ مکان پر بالکل اندھیرا پایا۔

ٹرک والوں اور فوجیوں نے مکان پر پہنچنے کے بعد جلد اترنے کا تقاضہ کیا۔ مولوی عبدالمجید مرحوم گھر میں آئے تو سب کواڑ مردانہ زنانہ اندر باہر سے کھلے پڑے تھے۔ وہ یہ سب منظر دیکھ کر بہت حیرت زدہ ہوا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگا کہ حضرت یہاں تو کوئی نہیں سب پاکستان چلے گئے۔ کیونکہ ڈاک کا سلسلہ بھی تقریباً کئی ماہ سے بند تھا اس لئے ایک کا دوسرے کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ مولوی نصیرالدین کے مکان کے اندر کی طرف سے زنجیر لگ رہی تھی مولوی عبدالمجید مرحوم نے خوب زنجیر بجائی، آوازیں دیں، اور میں نے بھی خوب آوازیں دیں۔ مگر وہاں سے نہ زنجیر کھلی اور نہ آواز کا جواب آیا۔ تین چار منٹ ہی اس بھاگ دوڑ میں گذرے ہوں گے کہ ٹرک والوں نے ہمارا سامان اتار کر نیچے ڈال دیا اور مستورات سے تقاضہ کیا کہ جلد اترو۔ میں نے ان کو کتب خانہ کے چبوترے پر بٹھایا۔ اندھیرے میں یہ بھی پتہ نہ چلا کہ کیا اُترا کیا رہا۔ اور یہ بھی فکر تھا کہ مقامی پولیس کرفیو کی وجہ سے باہر بیٹھے ہوئے ہونے پر ستائے۔ خانصاحب بھی اسی ٹرک میں سہارنپور والے مکان میں چلے گئے جو بازار میں تھا اور ٹرک والے کا راستہ بھی ادھر ہی کو تھا۔ دس پندرہ منٹ تک میرے اور مولوی عبدالمجید کے شور کرنے پر مولوی نصیر نے اپنے دروازہ کا ذرا سا کواڑ کھول کر اندر سے جھانکا۔ اور میں نے ڈانٹ کر کہا کہ اللہ کے بندے کواڑ تو کھول میں زکریا ہوں۔ اس پر اس نے دونوں کواڑ کھولے سلام کیا اور میں نے کہا کہ جلدی لالٹین لاؤ۔ وہ یکے بعد دیگرے دو لالٹین جلا کر لائے۔ ایک لالٹین لے کر مولوی عبدالمجید مرحوم مکان میں آئے اور بہت ڈرتے ڈرتے مکان کو سب کو اندر باہر اوپر نیچے پاخانہ وغیرہ دیکھا کہ کہیں کوئی آدمی تو نہیں۔ دوسری لالٹین سے اوّل مستورات کو میں نے گھر میں پہونچایا پھر میں نے اور مولوی نصیر نے اور مولوی عبدالمجید مرحوم نے جلدی جلدی سے وہاں سے سامان اٹھوایا۔ مکان کے دروازے میں سب کو جمع کیا۔ اور مولوی نصیر سے مطالبہ بھی کیا کہ یہ سارے کواڑ کیوں کھلے پڑے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ عصر کے بعد لگانا یاد نہیں رہا اور مغرب بعد کرفیو ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو کوئی عذر نہیں۔ جب یہاں کوئی تھا ہی نہیں تو یہ کیوں کھلے۔ صبح کی نماز میں جب یہ ناکارہ مسجد میں گیا تو اولاً محلے میں ادھر

سارے شہر میں میری واپسی کا ایسا شور مچا اور ایسے زور دار اونچے اونچے فقرے سُنے کہ مجھے بھی گیدڑ کی طرح سے اپنے بری ہونے کا شبہ ہونے لگا۔ ہمارے محلے کے بہت سے لوگ اور اس کے ساتھ شہر کے بھی بہت سے احباب پاکستان جانے کے لئے ان کیمپوں میں پہنچ چکے تھے جو کچہری کے پل سے اتر کر کثرت سے لگے ہوئے تھے۔ میری واپسی پر سب سے پہلے شیخ اظہار احمد تاجر چوب جو میرے بہت مخلص دوست اور انکے والد جو اُس وقت حیات تھے وہ بھی بہت بڑے تاجر چوب تھے اپنے گھر والوں کو مع اپنے سارے سامان کے کیمپ سے واپس لے آئے اور میں نے سُنا کہ شام تک دو سو آدمی ایک دوسرے کو دیکھ کر واپس ہو گئے۔ مجھے سفر کے تکان کا مرض تو ساری عمر سے ہے اور یہ سفر تو بڑی مشقت سے گذرا تھا۔ اس لئے یہاں آکر شدید بخار ہوا۔ حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ میری بیماری کی اطلاع سُن کر اگلے دن چہارشنبہ کی صبح کو تشریف لائے۔ اور تین دن قیام فرمایا۔ اور شنبہ کی صبح کو واپس تشریف لے گئے ۱۰ ارمحرم ۶۷ھ دوشنبہ کی صبح کو حضرت مدنی قدس سرہ ڈیڑھ بجے تشریف لائے اور کار میں گنگوہ تشریف لے گئے۔ حضرت رائپوری قدس سرہ بھی دوشنبہ کی صبح کو حضرت مدنی کی آمد کی خبر پر دوشنبہ کی صبح کو ہی تشریف لے آئے تھے۔ مگر حضرت مدنی اسٹیشن سے سیدھے گنگوہ تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے نظام سفر واپسی کا معلوم نہ ہو سکا۔ حضرت رائے پوری قدس سرہ حضرت مدنی کا دن بھر انتظار فرما کر بعد عصر واپس تشریف لے گئے۔ مغرب کے بعد حضرت واپس تشریف لائے اور حضرت رائپوری کی آمد و انتظار و واپسی کا حال معلوم ہوا تو علی الصبح بہٹ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر جب معلوم ہوا کہ حضرت تو رائے پور جا چکے تو پیچھے پیچھے رائپور تشریف لے گئے اور دونوں اکابر عصر سے پہلے سہارنپور تشریف لائے اور بعد مغرب وہ معرکۃ الآرا مشورہ ہوا جس کا بہت سی جگہ اس زمانے میں رسائل و اخبارات میں ذکر آیا تھا۔ علی میاں نے بھی حضرت رائے پوری کی سوانح میں اس کا ذکر کیا ہے میں دہلی سے واپسی پر حضرت مدنی قدس سرہ سے اور سہارنپور آمد پر حضرت رائے پوری سے عرض کر چکا تھا کہ دہلی میں بہت زور دار اصرار میرے اور عزیز یوسف کے

پاکستان چلے جانے پر راغم میں آپ دونوں حضرات کے مشورہ پر اپنے سفر کو معلق کئے ہوئے ہوں اور عزیز یوسف کا سفر مجھ پر موقوف ہے۔ رائپور میں اسی دن حضرت اقدس رائپوری بھی اشارۃً اس قسم کا ذکر کرچکے تھے کہ پنجاب والوں کا مجھ پر بھی تقاضا ہو رہا ہے مگر میں نے حضرت والا اور حضرت شیخ کے مشورہ پر موقوف کر رکھا ہے۔ اس لئے یہ دونوں حضرات مشترک طور پر واپس تشریف لائے اور بعد مغرب کے گھر میں یہ سیہ کار اور دونوں اکابر مشورے کے لئے جمع ہوئے اور اس کی ابتدا حضرت رائپوری نے اس عنوان سے کی کہ حضرت! (خطاب حضرت مدنی کو تھا) اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی پنجاب کے تھے اور حضرت قدس سرہ (اعلیٰحضرت رائے پوری) کے متعلقین بھی زیادہ تر انہی دو جگہ کے تھے۔ مشرقی تو سارا مغربی کی طرف منتقل ہوگیا۔ ان سب حضرات کا بہت اصرار ہو رہا ہے کہ میں بھی پاکستان چلا جاؤں۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بھی حضرت اقدس رائپوری کو پاکی مسلمانوں کی ضرورتوں کا بار بار احساس دلاتے تھے اور خود اپنا جانا بھی حضرت رائپوری کی تشریف بری پر محمول کئے ہوئے تھے اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ میرا تو مکان بھی مغربی میں ہے اور ان سب مظلومین کی دلداری بھی اسی میں ہے۔ شروع رمضان ہی سے ان کا اصرار ہو رہا ہے مگر آپ دونوں حضرات کے مشورے پر میں نے معلق کر رکھا ہے۔ یہاں تو پھر بھی اللہ کے فضل سے اہل اللہ ہیں مگر وہاں اللہ اللہ کرنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا کچھ شہید ہوگئے کچھ اجڑ گئے اور تقریباً حضرت کی گفتگو کا رُخ یہ تھا کہ وہاں قیام ضروری ہے۔ اس سب کو سُن کر حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ ہماری اسکیم توفیل ہوگئی ورنہ نہ تو یہ قتل و غارت ہوتا اور نہ یہ تبادلۂ آبادی ہوتا۔ حضرت مدنی کا فارمولہ یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں داخلی امور میں سب خود مختار خارجی امور فوج ڈاک خانہ وغیرہ سب مرکز کے تحت مرکز میں ہندو مسلم سب برابر ہوں گے۔ ۴۵-۴۵ اور ۱۰ اچھوت اقلیتیں گاندھی جی نے تو اسکو منظور کر لیا تھا مگر مسٹر جناح نے اس کا انکار کردیا۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر ہماری یہ تجویز مان لیتے تو نہ کشت و خون کی نوبت آتی اور نہ تبادلۂ آبادی کی۔

اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا۔ اگرچہ میرا وطن مدینہ ہے اور محمودؒ وہاں بلانے پر اصرار بھی کر رہا ہے مگر ہندوستانی مسلمانوں کو اس بے سروسامانی اور دہشت اور قتل و غارت گری میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور جسے اپنی جان و مال، عزت و آبرو دین اور دنیا یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو وہ یہاں ٹھہرے اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جاوے۔ حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ میں تو حضرت ہی کے ساتھ ہوں۔ حضرت اقدس رائے پوری نے فرمایا کہ تم دونوں کو چھوڑ کر میرا جانا بھی مشکل ہے۔ میں نے تو اس گفتگو کو کسی سے نقل نہیں کیا اور توقع ان حضرات سے بھی معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن عشاء کی نماز پڑھتے ہی عمومی شور ہر شخص کی زبان پر سُنا کہ اکابر ثلاثہ کا فیصلہ یہاں رہنے کا ہوگیا ہے اور پھر ان ہی دونوں بزرگوں کی برکت تھی اور اصل تو اللہ ہی کا انعام و احسان تھا کہ ایک دن پہلے تک جو لوگ تشویش میں تھے وہ اگلے دن اطمینان کی سی باتیں کر رہے تھے۔ یہ زمانہ بھی قیامت کی یاد کو بہت ہی تازہ کر رہا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی ہر شخص پر ایسی مسلّط تھی کہ بڑے بڑے قیمتی برتن تانبے لوہے کے بہت ہی معمولی پیسوں میں فروخت ہوئے۔ دہلی میں نیلام ہوتے تھے اور تانبے کے برتن بلامبالغہ دو ڈھائی آنہ سیر فروخت ہوتے۔ رئیس لوگ اپنی کاروں میں نظام الدین اسپیشلوں میں سوار ہونے کے لیے جاتے اور کار اسٹیشن پر چھوڑ کر ریل میں سوار ہو جاتے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کئی مرتبہ افسوس سے فرمایا کہ یہ لوگ سڑکوں پر عمدہ کاریں چھوڑ کر جا رہے ہیں، اگر جمعیۃ کو دے جائیں تو ان کو فروخت کر کے جمعیۃ کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اب اس طرح لاوارثی مال کو کیا کام میں لایا جاوے۔

لاقانونیت اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ اس کے قصے بھی بہت ہی ناقابلِ تحریر ہیں۔

حضرت الحاج حافظ فخرالدین صاحب کی صاحبزادی اپنے خاوند کے

ساتھ روہتک میں تھیں، حاملہ تھیں۔ روہتک والوں کا پیدل اخراج وہاں کے حکام نے تجویز کر دیا۔ حضرت حافظ صاحب نے اپنے تعلقات کی وسعت اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی مدد سے جواہر لال سے بھی یہ لکھوا دیا کہ ان کی لڑکی کو پیدل والی جماعت سے مستثنا کر دیا جاوے، مگر روہتک کے تھانہ دار نے اس تجویز کو قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ یہاں کا جواہر لال میں ہوں!۔

مجھے اس وقت ۳۸ھ کا حج خوب یاد آتا تھا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی، کہ جب کوئی حاجی کسی بدو کی شکایت کسی مقوم سے کرتا اور یہ کہتا کہ میں مکہ جا کر شریف سے شکایت کروں گا تو ان کا مقولہ تھا من شریف انا شریف۔ شریف کون ہے شریف میں ہوں)

اس زمانہ میں دہلی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجات عطا فرمائے، سارے دن دہلی کے فساد زدہ علاقوں میں نہایت بے جگری سے پھرتے تھے، مسلمانوں کو دلاسہ دیتے اور گالیاں سنتے۔ مگر اللہ ان کو مراتب عالیہ نصیب فرمائے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تحمل اور برداشت خوب عطا فرمایا تھا اور ان سے بڑھ کر میرے حضرت مدنی قدس سرہ تھے۔ سارے ہندوستان کا اسی خطرے کے زمانے میں دورہ فرماتے اور مصائب پر ان کا اجر سناتے۔ بڑے لانبے لانبے دورے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمانوں کو جمانے کے سلسلے میں ہوئے۔ ایک چیز پر مجھے بہت ہی رشک آیا، نہایت شدید مخالف معاند لیگی جنہوں نے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو منہ در منہ بہت کچھ کہا اور ستایا، حضرتؒ ان کو بھی بہت ہی تسلی کے خطوط تحریر فرماتے اور خود جا کر ان کو دلاسہ دیتے اور ایسی گفتگو فرماتے جیسے حضرتؒ کا بہت ہی معین و مددگار رہے۔

مجھے دو آبے کے متشدد لیگیوں کے متعلق خود سننے کی اور حضرت قدس سرہٗ کے گرامی نامے دیکھنے کی نوبت آئی کہ گھبرائیں نہیں انشاء اللہ حالات

کسی وقت سازگار ہوں گے۔آپ کو جو تکلیف پیش آوے مجھے لکھیں۔میں انشاءاللہ ہر نوع کی مدد کروں گا۔بعض لیگیوں کی سفارش کے لئے ہندو حکام کے پاس بھی تشریف لے گئے، جن کے نام میں لکھوانا نہیں چاہتا، مگر حضرتؒ کے علو شان کی داد ہمیشہ دوں گا کہ جن لوگوں نے حضرتؒ کی شان میں غائبانہ اور مُنہ در مُنہ سخت سخت الفاظ کہے حضرتؒ نے ان کی سفارشیں اور اس بات تک کی ضمانتیں لیں کہ اب یہ لوگ آپ کے خلاف کچھ نہیں کہیں گے۔مگر لیگی حضرات کو اس پر بھی اعتماد نہ ہوا اور نہ حضرتؒ کی سفارش کی قدر فرمائی اور پاکستان چلے گئے۔حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجات سے نوازے۔اس زمانے میں حضرت قدس سرہٗ پر تاثر بہت تھا، بسا اوقات تقریروں میں کسی کسی بات پر آبدیدہ بھی ہوجاتے تھے ؎

وہ محرومِ تمنا کیوں نہ سُوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائگاں دیکھے

اللّٰھمّ اغفر لہٗ وارحمہ رحمۃً واسعۃ۔

ماخوذ

(از آپ بیتی نمبر ۵ صـ۱۸ تا صـ۲۲)

درس آموز و ایمان افروز

آپ قیاس مع الفارق کر رہے ہیں!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں لکھنؤ میں بسلسلہ مدح صحابہ سول نافرمانی کی تحریک چلی اور حق تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ جب لکھنؤ سے آپ کی واپسی ہوئی تو اسٹیشن دیوبند پر ہزاروں شہریوں اور طلبار نے استقبال کیا۔ حضرت کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور شب کے وقت جلسہ عام میں ارشاد فرمایا کہ :- اگر آپ نے میرا استقبال کسی دینی جذبہ کے تحت کیا ہے تو کیا وجہ ہے ان دیہاتیوں کا استقبال نہیں کیا گیا جنھوں نے جیل جاکر وہاں کی تکلیفیں برداشت کیں میں تو جیل بھی نہیں گیا۔ اچھا فرض کرو کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے کچھ کام لیا بھی تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس استقبال اور نعروں سے میرے دل میں عجب و غرور پیدا ہو کر سارا عمل حبط ہو جائے تو پھر آپ میرے دشمن ٹھہرے!

مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندی جو غالباً اس وقت جامع مسجد دیوبند کے خطیب تھے انہوں نے جوابی تقریر میں فرمایا: حضرت کی ناراضگی سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم نے کوئی ناجائز کام تو کیا نہیں ہے۔ کیا انصار مدینہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال نہیں کیا تھا! حضرت نے بیٹھے بیٹھے ذرا اوپر کو دیکھا اور فرمایا: بھائی! حضور معصوم تھے! وہاں عجب پیدا ہونے کا احتمال کہاں تھا؟ آپ تو قیاس مع الفارق کر رہے ہیں۔

(مولانا عبدالکریم صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خاں)

ہمیں تو امت محمدی سے تعلق ہے

یہ ناچیز آخری بار ۲۵ نومبر ۱۹۶۸ء کو یعنی وفات سے صرف گیارہ روز پہلے حاضر ہوا۔ سخت تکلیف اور بیحد ضعف تھا۔ یہ وہی دن تھا جس دن ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی معائنہ کے بعد کہا تھا

کہ مولانا صرف اپنی قوت ارادی سے زندہ ہیں ورنہ ہمارا فن تو ایسی علالت میں بقائے زندگی کی توجیہ سے قاصر ہے: اس روز بھی مولاناؒ نے ظہر کی نماز کھڑے ہوکر اور باہر آکر جماعت کے ساتھ ادا کی۔ مولانا کی خدمت میں جب حاضری ہوئی تو پوری بشاشت اور نہایت استقلال کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ ایک کتاب کے پہنچنے کا ذکر کیا۔ میں نے عرض کیا مجھے اگر معلوم ہوتا کہ علالت اور ضعف کی یہ کیفیت ہے تو کبھی اس کے پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ فرمایا:۔ کیوں؟ میں نے تو کئی صفحات کا مطالعہ کیا اور نفس کتاب ہی بڑی نعمت ہے۔ اسی مجلس میں ایک مخلص نے جو باہر سے ملنے آئے تھے روتے ہوئے کہا کہ دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے! فرمایا:۔ نہیں! دنیا میں بہت لوگ ہیں! انہوں نے عرض کیا: ہمیں دوسروں سے کیا تعلق؟ یہ سن کر مولاناؒ نے فرمایا:۔ ہمیں تو امت محمدی سے تعلق ہے۔ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم)

میری نگاہ میں یہ سودا مہنگا نہیں!

غالباً ۴۵ھ ہی کا ذکر ہے حضرت مدنیؒ لاہور سے دیوبند تشریف لا رہے تھے جب آپ جالندھر ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو مسلم لیگ کے چند والنٹیروں نے ننگے ناچ اور پتھروں کی بارش سے آپ کا استقبال کیا۔ اس سفر میں مولانا حفظ الرحمن صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انہیں سینے پر گہری چوٹ لگی۔ شرپسندوں کی طرف سے تشدد کی جب انتہا ہوگئی تو حضرت مدنیؒ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ بھائی! اس طرح میری جان لینے سے اگر تمہیں آزادی نصیب ہوسکتی ہے تو میری نگاہ میں یہ سودا مہنگا نہیں۔ میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ جالندھر کے بعد امرتسر حتّٰی کہ لاہور تک کے تمام اسٹیشنوں پر آپ کا اسی طرح استقبال کیا گیا لیکن مجال ہے کہ حضرت مدنیؒ نے اُف تک کی ہو یا ان کے حق میں بددعا فرمائی ہو۔ ایسے مواقع پر آپ یہی فرمایا کرتے تھے:۔ خدا ہماری قوم کو جہالت سے بچائے۔ یہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ (یہ واقعہ لاہور سے دیوبند لوٹتے ہوئے امرتسر، جالندھر اور لدھیانہ اسٹیشنوں پر ہوا تھا۔۔۔ قاسم العلوم ملتان کا سنگِ بنیاد رکھ کر واپسی ہوئی تھی)۔ (جناب عبدالرحمن صاحب ایم اے بی ٹی پرنسپل عثمانیہ کالج شیخوپورہ)

منتہائے صبر و تحمل

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ مفسر قرآن کے صاحبزادے مولوی حبیب اللہ صاحب دورۂ حدیث میں شریک تھے۔ کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تو خاموش رہے لیکن دوسری نشست

میں جواب دیتے ہوئے نہایت نرمی اور شائستگی سے فرمایا کہ: مجھے کسی دوست نے رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے!

یہ سن کر درسگاہ میں ہیجان برپا ہوگیا۔ ہر طالب علم مجسمہ غیظ و غضب بنا ہوا تھا مگر آپ نے اسی سکون بھرے انداز میں فرمایا۔ خبردار! کسی کو غضبناک ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا حق ہے کہ میں سوال کرنے والے کی تسلی کر دوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ: میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ محلے اللہ داد پور کا رہنے والا ہوں۔ اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں خط بھیجکر یا وہاں جاکر سمجھ لیا جائے! ______ العظمۃ للہ بُردباری کی بھی انتہا ہوگئی۔ اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پوری تشریح ہوجاتی ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے اور اپنے نفس کو مغلوب کردے۔

(جناب عبدالرحمٰن صاحب پرنسپل ثانیہ کالج شیخوپورہ)

جلسہ نہ یہاں ہوا نہ وہاں

ایک مرتبہ کھتولی میں تبلیغی اجتماع تھا ہم لوگ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ہمرکابی میں کھتولی پہنچے۔ ریل سے اتر کر معلوم ہوا کہ ہاتھی وغیرہ آئے ہیں اور اسٹیشن سے جلوس کی شکل میں جانا ہوگا۔ ہم نے یہ کہتے ہوئے کہ یہ تبلیغی اصول کے خلاف ہے جلوس سے انکار کردیا الغرض ایک معمولی یکہ پر بیٹھ کر قیام گاہ پہنچ گئے۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہوچکی تھی۔ اچانک معلوم ہوا کہ اس وقت کانگریس کا بھی جلسہ ہے اور حضرت مولانا مدنی بھی تشریف لائے ہوئے ہیں اس کی مخالفت میں یہ جلسہ کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تقریر بند کردی اور فرمایا: حضرت مدنی تشریف لائے ہوئے ہیں سب حضرات چل کر ان کی تقریر سنیں! یہ فرماکر اپنے جلسے کو ختم کردیا اور اس مقام پر پہنچے جہاں کانگریس کا جلسہ ہو رہا تھا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس وقت تبلیغی جلسہ ہے اور مولانا محمد الیاس صاحب تقریر فرما رہے ہیں تو اپنی تقریر ختم کردی اور لوگوں کو تبلیغی جلسہ میں شرکت کی ہدایت فرماکر دیوبند روانہ ہوگئے۔ جلسہ نہ یہاں ہوا نہ وہاں۔ دونوں بزرگ چل بسے مگر آنے والی نسلوں کے لئے اپنے خلوص اور للّٰہیت کی ایک مثال قائم کرگئے۔

(حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی)

خلاف سنت امر پر انتباہ

میں ایک عزیز کی تعزیت میں شیخوپورہ گیا ہوا تھا۔ واپسی بڑوت کو ہوئی، کاندھلہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ بڑوت میں آج جلسہ تھا حضرت مدنی تشریف لائے ہوئے تھے۔ اپنی اس بیخبری اور زیارت سے محرومی پر بیحد افسوس ہوا۔ ابھی چند روز پہلے میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت مدنیؒ کی شکل وصورت میں زیارت کی تھی۔ اسی لئے بھی حضرت مدنیؒ کی زیارت کا اشتیاق زیادہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت مدنی کی واپسی کاندھلہ کو ہوگی اور شب میں قیام ہوگا۔ یہ سن کر طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے بعد تشریف لے آئے۔ میں نے فرطِ اشتیاق میں حضرت کے مزاج اور طبیعت سے واقفیت کے باوجود آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حضرت نے اپنے ہاتھوں کو اس عجلت کے ساتھ کھینچا کہ میں اور حضرت دونوں گرتے گرتے بچے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے معذرت چاہی تو ارشاد فرمایا کہ: بہت سے خلاف شرع امور رائج ہو رہے ہیں ان میں ایک خلاف سنت کام کا اضافہ کیوں کیا جائے؟؟ میں نے اس واقعہ کو اس لئے نقل کیا ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اصل جذبہ خلاف شرع اور خلاف سنت امور کے مقابلے میں جہاد تھا اور حضرت چاہتے تھے کہ تمام خلاف شریعت امور کو روئے زمین سے نیست ونابود کر دیں!

(حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی)

ایک شیخ طریقت کی حلفیہ شہادت

وسط ستمبر ۱۹۲۳ء میں بمقام دہلی کانگریس کا خصوصی اجلاس ہو رہا تھا حضرت اقدس کراچی جیل سے کچھ ہی عرصہ قبل رہا ہوئے تھے۔ چونکہ انہی تاریخوں میں مرکزی خلافت کمیٹی کا اجلاس بھی ہو رہا تھا۔ اس لئے کانگریس وخلافت کمیٹی کے چوٹی کے لیڈر دہلی میں مجتمع تھے۔ اسی موقع پر پہلی بار حضرت والا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اخبارات سے مقدمہ کراچی اور جیل کے حالات کا علم بخوبی ہو چکا تھا اور غائبانہ عقیدت پیدا ہو چکی تھی۔ دو ایک یوم میں نے خدمت میں حاضری دینے کے بعد حلقہ غلامی میں شمولیت کی درخواست کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بیعت کے سلسلے میں حضرت کسی کی درخواست کو شاذ ونادر ہی شرف قبولیت عطا فرماتے تھے۔ چنانچہ

نہایت انکساری سے معذرت کردی اور اپنی عدم صلاحیت پر ایک طویل تقریر فرمائی نیز حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ اور بعض دیگر حضرات کی طرف رجوع کرنے کے لئے فرمایا لیکن میرا اصرار بڑھتا ہی رہا۔ بالآخر زچ ہو کر نماز استخارہ کی ہدایت فرمائی اور جب تین دن کے بعد پھر خدمت میں حاضر ہوا تو صاف انکار کر دیا۔ حضرت پیر غلام مجدد صاحب سندھی شہید (اسیر کراچی) بھی وہیں تشریف فرما تھے مجھے پیر صاحب کے سپرد کر کے انہی کی جانب رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پیر صاحب جن کے ۱۶ لاکھ مریدین مندرجہ فہرست گورنمنٹ تھے زیادہ تر تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے۔ میری حاضری پر قرآن مجید بند کر کے فرمایا:

"میرے ہاتھ میں قرآن مجید ہے۔ میں بحلف کہتا ہوں کہ جیل میں میں نے جو حالات مولانا مدنی صاحب کے بچشم خود دیکھے ہیں ان کی بنا پر میری رائے ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مولانا صاحب کا ثانی بزرگی اور اتباع شریعت کے لحاظ سے نہیں ہے۔ آپ ہرگز مولانا صاحب کا دامن نہ چھوڑیئے! اگر مولانا صاحب نہ ہوتے تو میں آپ کو مرید کر لیتا۔"

غرضیکہ پیر صاحب کی سعی و سفارش سے حضرت نے مجھے داخل سلسلہ فرمایا ——————

بیعت کے سلسلے میں یہ سختی اور انکساری عرصہ تک برقرار رہی لیکن ایک مرتبہ یہ ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب صاحبزادہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب نے دوران گفتگو فرمایا کہ آخر آپ بیعت کیوں نہیں کرتے ہیں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ: "میں اس کا مطلق اہل نہیں ہوں!" یہ سن کر حکیم صاحب بہت خفا ہوئے فرمایا کہ: آپ میرے والد مرحوم پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایک نا اہل کو اجازت بیعت دی۔ حضرت دیر تک بیٹھے روتے رہے۔ پھر حکیم صاحب کے ایماء پر قطب عالم حضرت گنگوہی کی قبر مبارک پر جا کر کچھ دیر تک مراقب رہے اور اس کے بعد بیعت کا عام سلسلہ جاری ہو گیا۔ (حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

کفن ساتھ لایا ہوں

شاہجہانپور میں حضرت کی ایک تقریر سے مخالفین بے حد مشتعل ہو گئے اور انہوں نے چیلنج کیا کہ اگر آئندہ ایسی

تقریر کرنی ہو تو کفن ساتھ لانا اسی جلسہ میں حضرت نے اعلان فرمایا کہ آئندہ جمعہ کو یہیں پر تقریر ہوگی۔ دوسرے جمعہ کو حضرت جب شاہجہانپور تشریف لے گئے اور ٹرین سے اترے تو آپ کے ساتھ ایک پوٹلی تھی اور جلسہ گاہ میں پہنچ کر اس میں سے کفن نکال کر فرمایا کہ یہ دیکھئے! میں اپنے ساتھ کفن لایا ہوں۔ یہ کہنے کے بعد آپ نے سابقہ تقریر سے بھی زیادہ سخت تقریر فرمائی۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں حضرت کی اس جرأت و بے باکی کا اثر یہ ہوا کہ مخالفین کی اکثریت بدعت سے تائب ہوکر داخل سلسلہ ہوئی۔

(حاجی احمد حسین لاہرپوری بحوالہ مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری)

امت محمدیہ کے لئے دعاء

اس ناچیز کو ایک بار یہ کیفیت دیکھنے کی نوبت بھی آئی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے وقت زار و قطار رو رہے ہیں اور امت محمدیہ کی خیر خواہی کے لئے نہایت جوش و خروش کے ساتھ زبان پر یہ شعر جاری ہے ؎

چہ بودے کہ دوزخ ز من پر شدے ۔۔۔ مگر دیگراں را رہائی شدے

یہ سن کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہوگئے اور سناٹا چھا گیا چپکے سے چلا آیا۔ بتاؤ مخلوق الٰہی کے ساتھ اس سے بڑھکر خلوص اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بولی میں سننا چاہتے ہو تو سنو! فرماتے ہیں کہ:۔ لطائف ثلاثہ یعنی عقل، قلب، نفس جب عبودیت کاملہ میں شرابور ہو جاتے ہیں تو اسکا حال وہ ہو جایا کرتا ہے جس کی حکایت مذکورہ شعر سے ہوتی ہے اور اسے حق ہے کہ وہ فرمائے ؎

ادین بدین الحب انّی توجہت ۔۔۔ رکائبہٗ فالحب دینی و ایمانی

(مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی مرتب مکتوبات شیخ الاسلام)

یہ تھا حضرت شیخؒ کا بارگاہ رسالت سے تعلق

۵۵ھ کے سفر حج میں معیت کی جو سعادت خادم کو حاصل ہوئی اس میں حضرت شیخ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چالیس روز قیام رہا اس پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود حضرت کا معمول تھا کہ نمازیں حرم نبوی میں ادا فرماتے اور عصر کی نماز کے بعد تو مسجد ہی میں معتکف

رکھ عشاء کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ نماز عشاء سے فراغت کے کافی دیر کے بعد مواجہ شریف میں حاضری دیا کرتے تھے۔ بارگاہ رسالت میں حضرت شیخ کی یہ حاضری بھی عجیب پر کیف ہوتی تھی حضرت شیخ نے حاضری کا یہ وقت غالبًا اس لئے منتخب فرمایا تھا کہ زائرین کا ہجوم قدرے کم ہوتا تھا اس وقت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش یہ ہوا کرتی تھی کہ "وعلیکم السلام یا ولدی" فرمانے والے جد بزرگوار کے سامنے تنہائی میں حال دل پیش فرمائیں لیکن پھر بھی ہم جیسے وابستگان اس بینا یا نہ حاضری کے پرسعادت لمحات میں قریب و دور رہ کر معیت کا شرف حاصل کر ہی لیا کرتے تھے۔ ہم نوجوان تھے لیکن ہماری مادی جوانی حضرت شیخؒ کی روحانی طاقت اور جذبۂ شوق زیارت نبوی کی تاب نہ لاتی تھی حضرت شیخ کی عمر کا یہ وہ دور ہے جبکہ گھٹنے تقریبًا جواب دے چکے تھے۔ نشست و برخواست میں بھی تکلف ہوتا تھا لیکن بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر جس وقت مراقب ہو جاتے تو پھر یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمہ تن دنور شوق میں غرق ہیں۔ ایک ایک گھنٹہ مراقبہ کی حالت میں اس طرح کھڑے رہتے تھے کہ پیروں کو جنبش تک نہ ہوتی تھی۔ ہم لوگ کچھ دیر کے لئے اپنے اوپر خشوع خضوع کی کیفیت طاری کرتے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد خود کو درماندہ پاکر فاصلہ سے جاکر بیٹھ جاتے تھے۔ یہ تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بارگاہ رسالت سے تعلق!

(مولانا قاضی سجاد حسین صاحب فتحپوری دہلی)

فرمایا: خدا کے سوا اور کسی سے اُمید نہ رکھنی چاہیئے

(وفات سے ڈھائی تین گھنٹے پیشتر) ۲ ابجے کے قریب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صحن میں تھے دل بہت خوش ہوا کیونکہ بہت دنوں کے بعد اس انتقال مکان کی نوبت آئی تھی مگر آہ کیا خبر تھی کہ ہماری یہ مسرت بہت عارضی ہے اور قضا و قدر کے ہاتھوں پردۂ غیب سے کچھ اور ہی ظاہر ہونے والا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قول یا فعل سے اس قسم کا کوئی شائبہ بھی نہیں پیدا ہوتا تھا جس سے ذہن پیش آنے والے خطرات کا ادنیٰ سا بھی احساس کر سکے۔ میں باورچی خانے میں عزیزم ارشد سلمہٗ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا حضرت سوکر اٹھے تھے اور صحن میں بیٹھے ہوئے ہم لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے ارشد میاں سے کہا کہ:۔

ابا جی ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ انشاء اللہ وہ بھی عنقریب کھانا تناول فرمائیں گے۔ اتنی دیر میں مولانا اسعد صاحب نے ایک رسالہ دستخط کے لئے پیش کیا جو تصور شیخ پر تھا اور حضرت نے ایام علالت ہی میں تحریر فرمایا تھا۔ آپ نے اس پر دستخط فرمائے اور اندر تشریف لے گئے۔ ہم دونوں جب کھانا کھا کر خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ میں ہاتھ میں مورچھل لے کر مکھی اُڑانے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ نے چند لقمے بہت بے دلی سے تناول فرمائے اور وہ بھی اس طرح کہ لقمہ لے کر سوچنے لگتے اور فضا میں گھورنے لگتے۔ یہ سوچنا اور کھاتے کھاتے بار بار رُک جانا۔ اب جبکہ حادثہ گذر چکا ہے بامعنی معلوم ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر آپ نے سر دے کا شربت طلب فرمایا اور شربت پینے کے بعد ٹیک لگا کر بیٹھ گئے پھر مولانا اسعد صاحب سے فرمایا کہ آنکھوں کے سامنے کچھ دھندلا پن محسوس ہوتا ہے! مگر چونکہ اس دن کچھ ابر تھا۔ سب نے یہی سمجھا کہ اس وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا ہے چنانچہ حضرت کو مطمئن کر دیا گیا۔ دادی محترمہ نے عرض کیا کہ اب آپ لیٹ جایئے! فرمایا:۔ ہاں لیٹ جاؤں گا۔ تم جاؤ کھانا کھاؤ۔ بڑی صاحبزادی سلمہا اور مولانا اسعد صاحب کی اہلیہ محترمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو بچیاں بھوکی ہیں۔ جاؤ یہ تمہارے بغیر کھانا نہ کھائیں گی۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے بھوک نہیں ہے میں کچھ دیر میں کھالونگی اور بچیوں کو اگر بھوک ہو گی تو وہ بھی کھالیں گی۔ فرمایا:۔ نہیں! تم سب کی بڑی ہو اور سب تمہیں ہر کام میں آگے رکھنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ: یہ سب گستاخ ہیں کہنا نہیں سنتی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے بہت زور سے قہقہہ لگایا۔ آہ! ذات اقدس کا بہت زمانے کے بعد آخری اور طویل قہقہہ تھا۔ کیسے نہ کہوں کہ یہ قہقہہ موت کے استقبال کے لئے تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تم سب کی بڑی ہو سب پر نگاہ رکھو۔ ان کو نصیحت کرو، ان سے کام لو، اگر کبھی انکار کر دیں یا کچھ بے ادبی کریں تو معاف کر دو۔ سب سے حسن اخلاق کا برتاؤ رکھو، دنیا کی باتوں کا خیال بھی نہ کرنا چاہیئے۔ ہر ایک سے محبت کا معاملہ ہونا چاہیئے! چند دن کی زندگی میں کسی سے ناراض ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ ہر ایک کے کام آنا چاہیئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی سے توقع اور اُمید نہ رکھنی چاہیئے اگر کسی سے اُمید نہ رکھو گی تو کسی سے شکایت بھی نہ ہو گی اور نہ کسی سے تکلیف

پہنچے گی۔ ہر بات میں خدا سے مدد مانگنی چاہیئے۔ اس کا ذکر کثرت سے کرو!

آپ یوں ہی نصیحت فرماتے اور مسکرا مسکرا کر اس طرح گفتگو کرتے رہے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہو سکا کہ یہ نصائح آخری ہیں یا اب یہ میٹھے بول سننے کو نہ ملیں گے۔ اس کے بعد خود ہی بستر پر تشریف لے گئے اور لحاف اوڑھ کر دائیں کروٹ لیٹ گئے۔ مولانا اسعد صاحب بدن دبانے لگے اور ہم سب کمرہ بند کر کے نکل آئے۔ حضرت کی زندگی میں میری یہ آخری حاضری تھی۔ اس کے بعد کیا کیفیت گذری ہیں معلوم نہ کر سکا کیونکہ وہاں سے آکر کمرے میں سو گیا۔ تقریباً تین بجے کا وقت تھا کہ ایک دم شمس روتا ہوا اور یہ کہتا ہوا آیا کہ بھائی رشید! اباجی کا انتقال ہو گیا انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(مولانا رشید الوحیدی صاحب نبیرہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ)

بیشک وہ مجدد تھے

مہمان خانہ میں کچھ لوگ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجدد ہونے پر بحث کر رہے تھے کچھ رائیں مخالف تھیں اور کچھ موافق۔ ایک صاحب نے مخالفت میں دلائل پیش کرتے ہوئے سخت بات کہہ دی مجلس میں سامع کی حیثیت سے راقم الحروف بھی موجود تھا اور بحمد اللہ مخالفت میں سخت بات سن کر مجھے اذیت ہوئی۔ اسی دن بارہ بجے حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب درس بخاری سے فارغ ہو کر مدرسے واپس آئے اور مکان کے اندر تشریف لے گئے تو میں نے پوری گفتگو کو نقل کر کے سوال کیا کہ حضرت! کیا حکیم الامت میں شان مجددیت تھی؟! میرا سوال سن کر حضرت نے انتہائی سنجیدگی سے اور وقار کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"بیشک وہ مجدد تھے۔ انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جبکہ دین کو بہت احتیاج تھی۔"

مذکورہ الفاظ مجھے اس طرح یاد ہیں جیسے ابھی سنے ہوں ——————

ایسا ہی ایک واقعہ اور ہے، نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم شہید ہوئے تو بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا کہ من یقتل فی سبیل اللہ" میں ان کا شمار نہیں ہے۔ اس لئے ان کی شہادت ثابت نہیں۔ نماز ظہر کے بعد میں نے جبکہ معترضین اور منکرین شہادت بھی مجلس میں موجود تھے۔ اس سلسلے میں بآواز بلند تفصیل کے ساتھ دریافت کیا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ:۔ کون جاہل اس میں شک کرتا ہے : بیشک وہ شہید ہوئے۔

(مولانا سید فرید الوحیدی صاحب)

دین کی خدمت کا بے پناہ جذبہ

حضرتؒ کا معمول تھا کہ جمعرات کو آپ کا تبلیغی سفر ہوا کرتا یہ اسفار عام طور پر دیہی علاقوں کے ہوتے تھے۔ اس پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود گاؤں گاؤں کا پروگرام رہتا تھا جہاں کا راستہ خراب کچی سڑکیں۔ کہیں کار خراب ہوگئی۔ کہیں ڈرائیور راستہ ہی بھول گیا غرضیکہ بدقت تمام پہنچنا ہوتا تھا۔ اس وجہ سے بار بار کوشش کی گئی کہ سفر بند ہوجائے چنانچہ اخبارات وغیرہ کے ذریعہ اعلان کیا گیا اور لوگوں سے انفرادی طور پر بھی کہا گیا مگر کون سنتا ہے۔ بقول شخصے صاحب غرض اندھا ہوتا ہے۔ لوگ آتے اور بلا تامل تاریخ لے کر چلے جاتے جب دیکھا گیا کہ کوئی نہیں ملتا تو یہ کیا گیا کہ جو اس سلسلے میں آتا اسے اس وقت تک حضرت سے نہ ملنے دیا جاتا جب تک اس بات کا اقرار نہ کرلیتا کہ سفر کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی جائے گی۔ دو چار دن تک تو یہ معاملہ رہا۔ اسکے بعد ایک صاحب نے براہ راست حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کردی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھ کو فرصت نہیں ہے! دوسرے وقت انہوں نے پھر وہی درخواست پیش کردی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہدیا کہ:۔ حضرت! آپ کے تشریف لے جانے سے مدرسہ کا بہت فائدہ ہوگا۔ اس وقت سارے گاؤں والوں کو شوق ہے اور وہ سب آپ کے منتظر ہیں، انشاء اللہ آپ کے تشریف لے جانے کی برکت سے سارا گاؤں دیندار ہو جائے گا۔ حضرت کو سفر پر آمادہ کرنے کے لئے اس قدر کہدینا کافی تھا بہرحال، یہ سن کر آپ نے فوراً ڈائری منگائی اور اس میں تاریخ نوٹ کرلی، اور بعد میں جب عرض کیا گیا کہ:۔ حضرت! آپ نے تاریخ کیوں دیدی تو فرمایا بھائی! مجھے شرم آئی کہ خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ تیرے جانے کی وجہ سے دین کا فائدہ ہوگا اور میں اپنے آرام کی وجہ سے کہدوں کہ نہیں جاؤں گا۔

ایک مرتبہ ایک جگہ کے لئے حضرت نے وعدہ فرمالیا تھا۔ اتفاق سے اسی دوران بخار آگیا۔ باری کا بخار تھا۔ ایک دن کے وقفہ سے تیسرے دن آجایا کرتا تھا آپ کی علالت کو دیکھتے ہوئے اجازت حاصل کرنے کے بعد آپ کی علالت اور جلسے میں عدم شرکت کے بارے میں

ان کو بذریعہ تار مطلع کردیا گیا جن سے آپ نے وعدہ فرمالیا تھا لیکن اس کے باوجود تاریخ موعود پر وہ بزرگ مع کار آموجود ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہئے کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت آپ نے وہاں چلنے کا جو وعدہ فرمایا تھا حضرت نے دریافت کیا کہ: کیا تار نہیں پہنچا؟ انہوں نے کہا کہ تار تو پہنچ گیا مگر وہاں گاؤں والے اور باہر کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے ہیں وہ سب مجھ پر خفا ہو رہے ہیں اور میرے بارے میں کہتے ہیں کہ اس نے ہمارا کام خراب کر دیا ہے اگر یہ معلوم ہوتا تو ہم اسے کبھی نہ بھیجتے اور خود جاکر دعوت دیتے۔

یہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت خفا ہوئے اور فرمایا: دیکھتے نہیں میرا کیا حال ہو رہا ہے ضعف کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا مشکل ہے۔ گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے ایک قدم چلنا دشوار ہے۔ وعدے کا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ مر رہا ہوں تب بھی جاؤں گا۔

وہ شخص رونے لگا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہمان خانے میں چائے نوش فرمائی اور درخواستیں وغیرہ ملاحظہ فرمانے لگے۔ سب لوگ مطمئن ہو گئے کہ چلو اب جانا نہیں ہو گا حضرت نے خود ہی انکار فرما دیا ہے۔ تقریباً پون گھنٹے کے بعد مہمان خانے کی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور فرمایا میرا سامان اندر سے منگالو! اب تو سب کے کان کھڑے ہوئے۔ فوراً بھائی اسعد صاحب آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم نے وہاں تار دے دیا تھا، وہاں سے تار پہنچنے کی اطلاع بھی آگئی تھی۔ دوسرے یہ کہ کل آپ کے بخار کی بھی باری ہے اگر خدانخواستہ سفر میں کہیں آگیا تو بہت پریشانی ہوگی اور اس وقت بارش بھی ہو رہی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام باتوں کو سن کر فرمایا: ہاں! ہاں! جا اندر سے سامان لے آ۔

پھر خود اٹھ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں بھی یہ باتیں عرض کی گئیں۔ مگر کوئی جواب نہیں دیا۔ سامان باہر بھجوایا اور شیروانی پہن کر باہر آگئے۔ اتنے میں مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ موصوف نے بھی فرمایا کہ: حضرت! ضعف بہت ہو رہا ہے تشریف نہ لے جائیں ——— ہنس کر فرمایا: دیکھئے آپ سے زیادہ موٹا تازہ ہو رہا ہوں ——— بھائی اسعد صاحب نے ڈاکٹر کو بلوایا کہ شاید اس کے منع کرنے سے رک جائیں۔ ڈاکٹر نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضور ملیریا کا بخار ہے۔ کل کو باری ہے اگر بخار آگیا تو

سفر میں دشواری ہوگی۔ فرمانے لگے : ڈاکٹر صاحب! آپ بالکل اطمینان رکھئے۔ میں انشاء اللہ پرسوں واپس آؤں گا تو بالکل اچھا ہوں گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں! یہ کہتے ہوئے کار میں بیٹھ گئے۔ مولانا قاسم صاحب بھی ہمراہ تھے۔ حضرت نے ان سے تنہائی میں فرمایا کہ : وہ بیچارہ میرے ڈانٹنے پر رونے لگا اصل میں اسی لئے مجھے آنا پڑا۔ حالانکہ اس میں میرا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر ایک شخص بھی میری وجہ سے راہ راست پر آجاتا ہے تو ممکن ہے وہی میری نجات کا باعث بن جائے۔ (مولانا رشید الدین صاحب حمیدی داماد حضرت شیخؒ)

آپ لوگ مجھے مسجد جانے سے بھی روکتے ہیں

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مرض وفات میں ڈاکٹروں کی شدید ہدایات اور تیمارداروں کے بے پناہ اصرار سے مجبور ہوکر تقریباً ۵۲ یوم اندرون خانہ صاحب فراش رہے، جب ڈاکٹری علاج ترک ہوا اور بجائے اس کے یونانی معالجہ شروع ہوا تو اطبا نے مردانہ نشست گاہ تک آنے کی اجازت دیدی۔ ۲۰ ربیع الثانی ۷۷ھ، ۱۵ اکتوبر ۵۷ء کو مہمان خانے میں تشریف لائے یہاں نمازیں جماعت سے شروع ہوگئیں۔ یہاں اتنا ہجوم ہوتا کہ صفیں صحن تک پہنچ جاتیں۔ جس روز باہر تشریف لائے اسی روز مغرب کے وقت مسجد جانے کا ارادہ کرلیا مگر مولانا اسعد صاحب نے اصرار کیا تو ان کی بات مان لی اور مسجد نہیں تشریف لے گئے لیکن ۲۴ ربیع الثانی کو آپ مہمان خانے سے اٹھے اور سیدھے مسجد تشریف لے گئے اور پھر نماز فجر میں بھی جانے لگے جس سے تکلیف میں زیادتی ہوگئی طبیبوں نے مسجد جانے سے سختی سے منع کردیا۔ ایک روز بعد نماز عصر فرمانے لگے :

> آپ لوگ مجھے مسجد جانے سے بھی روکتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدت مرض میں بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد جاتے تھے :

صاحبزادہ محترم اسعد صاحب نے عرض کیا کہ :۔ وہ مسجد قریب تھی! فرمایا : میری مسجد کون سی دور ہے! لیکن صاحبزادہ محترم نے برجستہ عرض کیا کہ : حضرت! وہ تو حجرے سے بالکل متصل تھی آپ کی مسجد تو کافی دور ہے۔

(مولانا فضل الکریم صاحب)

فرمایا: ابتدائی اسلامی مدارس کا قیام اہم و بنیادی فریضہ ہے

ایک موقع پر اس خادم نے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث حضرت شیخ سے استفسار کیا کہ کوئی ایسی خدمت میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے متعین فرما دیجئے جو دنیا و آخرت میں باعث فلاح ہو تو حضرتؒ نے ایک مکتوب کے ذریعہ ارشاد فرمایا: "میرے بھائی ابتدائی اسلامی مدارس کا قیام اور ان کی بقا ہی اہم و بنیادی فریضہ ہے۔ جہاں بھی رہنا اس خدمت سے غافل نہ رہنا۔ خلوص اور مستعدی سے اس کام میں لگے رہنا، اس راہ کی دشواریوں پر صبر کرنا اور ہمت سے کام لینا ہی اعلیٰ درجہ کی خدمت ہے۔ نیز اپنی اصلاح سے غافل نہ ہونا چاہئے! توکل علی اللہ بہترین سہارا ہے۔ اس سہارے کو ہاتھ سے نہ دینا!"

(مولانا ظفر علی خاں انبیٹھوی)

نماز کے لئے کوئی پابندی عائد نہ کی جائے

(مرض وفات کا تذکرہ ہے) درمیان میں کچھ افاقہ ہوا تو حضرت نماز فجر کے لئے بھی مسجد میں جانے لگے۔ حکیم محمد نسیم صاحب ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند نے جو یہ کیفیت دیکھی تو بہت شدت اور تاکید کے ساتھ ممانعت کی لیکن حضرتؒ کی ہمتِ خداداد کو بھلا کون پابند کر سکتا تھا آپ اس کے باوجود مسجد تشریف لے جاتے رہے تو ایک دن اہل خانہ میں سے کسی نے فرط محبت میں یہ جرأت کی کہ آپ کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ جب چپکے سے اٹھے کہ نماز فجر کے لئے باہر تشریف لے جائیں تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے، آپ اس حرکت پر بیحد ناراض اور خفا ہوئے اور اس کا اظہار فرمایا۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ جب ناشتہ کے وقت جو کچھ اطباء نے بتا رکھا تھا اہلیہ محترمہ اور صاحبزادی ریحانہ سلمہا نے پیش کیا تو اس طرح ناراضگی سے ہاتھ مارا کہ تمام برتن بھی گر کر ٹوٹ گئے جب گھر والوں نے بہت معافی مانگی تو اس شرط پر ناشتہ فرمایا کہ "مجھ پر نماز کے سلسلے میں کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے۔"

آنسو تھمتے ہی نہ تھے

وفات سے دو روز قبل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ

اصغر علی صاحب، مولانا سید فخرالدین صاحب شیخ الحدیث جن کو حضرتؒ نے اپنی حیات ہی میں عارضی طور پر درس بخاری کے لئے بلالیا تھا۔ ان حضرات کے سامنے اپنی نمازوں پر جنھیں تیمم سے ادا کیا تھا اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا :۔ دیکھئے بیٹھے بیٹھے بلا وضو نمازیں پڑھ رہا ہوں۔ اس بات کا مجھے بیحد قلق ہے اتنا ہی فرماسکے تھے کہ آپ پر رقت طاری ہوگئی اور پھر اس قدر روئے کہ پورا جسم لرزنے لگا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ جس پیکر صبر واستقلال اور مجسمۂ صبر وتحمل نے کبھی بڑی سے بڑی مصیبت پر ایک آنسو نہ گرایا ہو وہ آج خوف خدا سے کس قدر لرزہ براندام تھا۔

(مولانا سید فخرالحسن صاحب استاد دارالعلوم)

اساتذہ سے تعلق اور محبت

تقسیم ملک سے پیشتر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک سلہٹ میں گذارتے تھے اور وہاں سے واپسی کے موقع پر لوگ صدمہ جدائی سے زار وقطار رودیا کرتے تھے۔ کسی نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ حضور! آپ کو بھی ہماری جدائی کا صدمہ ہوتا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ: حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے صدمہ کے سامنے دوسرے صدموں کی کوئی حقیقت نہیں تمام صدموں کا حصہ اسی وقت رو چکا ہوں۔

مولانا سید فخرالحسن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ میں ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ گنگوہ شریف کے ایک جلسہ میں گیا۔ رات کے وقت میں اس فکر میں تھا کہ دیکھوں حضرت آج کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب دو بجے تو آپ اٹھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ میں بھی دبے قدموں پیچھے ہولیا۔ مگر ذرا فاصلہ سے رہا تاکہ حضرت کو میری موجودگی کا احساس نہ ہونے پائے۔ جب آپ مزار پر پہنچے تو اس قدر اشکبار ہوئے کہ فاصلہ سے آپ کے رونے کی آواز سنی جارہی تھی۔

(انفاس قدسیہ)

"میں اس خدمت سے غافل نہیں"

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں :۔ کہ کافی عرصہ ہوا میں نے

حضرت سے عرض کیا کہ آج میرا دل آپ سے لڑنے کو چاہتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: شوق سے لڑیئے!
میں نے عرض کیا: حضور! حضرت گنگوہیؒ و حضرت حاجی صاحبؒ نے جو خدمت آپ کو سپرد کی تھی
اس کا بھی کچھ خیال ہے یا تحریک آزادی ہند ہی میں حصہ لیتے رہیے گا؟ فرمایا: کہ میں اس خدمت
سے غافل نہیں ہوں بلکہ رمضان المبارک کے مہینے میں سلہٹ اسی غرض سے قیام کرتا ہوں۔
حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ اس گفتگو کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب بھی سلہٹ سے واپس
ہوتے تو مجھے دو چار خطوط سالکین کے دکھاتے اور فرماتے کہ دیکھیے ان حضرات کی کیسی حالت ہے؟
حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں کہ اس کے بعد خطوط دکھانے کا سلسلہ جاری رہا اور مجھے ندامت
ہوتی رہی کہ میں نے بغیر تحقیق کیوں چھیڑ دیا۔ (ایضاً)

نیند پر قابو

مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم بیان فرماتے ہیں کہ دیوبند میں
ایک صاحب کے یہاں دعوت تھی۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ عشاء
کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے تو میزبان صاحب نے فرمایا کہ چائے پی کر جانا ہو گا۔ حضرت
شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: مجھے سبق پڑھانا ہے! صاحب خانہ نے عرض کیا کہ ابھی پندرہ
منٹ میں چائے تیار ہو جائے گی۔ حضرت نے فرمایا: اچھا۔ تو پھر میں ایک نیند لے لوں۔ یہ
کہہ کر اسی جگہ ٹیک لگا کر آپ لیٹ گئے اور ذرا ہی سی دیر میں خراٹے کی آواز بھی آنے لگی۔ میں
خیال ہوا کہ اس قدر گہری نیند میں شاید آپ جلد بیدار نہ ہو سکیں لیکن پندرہ منٹ کے بعد آپ
بیدار ہو گئے۔ (ایضاً)

اس وقت مجلس بند نہیں کی جائے گی

قیام آسام کے زمانے میں تہجد اور تراویح
کے درمیان ایک مجلس ہوتی تھی جس میں
حضرت رحمۃ اللہ علیہ مہمانوں کے سامنے آسامی پھل (پپیتا وغیرہ) پیش کرتے اور خود بھی شریک
ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد جلیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! آپ اس مجلس
کو موقوف فرما دیں اور تھوڑی دیر آرام کر لیا کریں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ حضرات
اتنی دور دراز سے آتے ہیں۔ یہی ان کی ملاقات کا وقت ہے۔ اپنے آرام کی خاطر کس طرح اس
مجلس کو موقوف کر دوں نہیں مجلس بند نہیں کی جائے گی۔ (ایضاً)

میں حضرت کی بلند اخلاقی سے بہت زیادہ متاثر تھا اور ہوں

مجھے حضرت سید نیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف پہلی بار مالٹا سے واپسی کے بعد ۱۳۳۸ھ یا ۱۹۲۹ء میں ہوا جب میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پرانے مکان میں میرا قیام تھا اور حضرت مرحوم نئے مکان میں قیام پذیر تھے۔ اس وقت تحریک خلافت شباب پر تھی۔ اس سلسلے میں اکثر جلسے ہوتے رہتے تھے۔ ان جلسوں میں حضرت مرحوم کی تقریریں میں نے سنی ہیں۔ اس زمانے میں میں نے دیکھا ہے کہ بسا اوقات ظہر سے پہلے یا ظہر کے بعد اپنے خطوط اپنے ہاتھ سے مدرسہ کے لیٹر بکس میں ڈالنے کے لئے تشریف لاتے تھے۔ کھدر کا پائجامہ براؤن رنگ کا کرتا زیب بدن اور کھدر کی دوپلی ٹوپی (جیسی اس زمانہ میں تمام طلبائے دارالعلوم پہنا کرتے تھے) زیب سر ہوتی تھی۔

طلبا میں اس وقت اکثر چرچا رہتا کہ حضرت کے پاس عنقریب نسائی شریف کا سبق شروع ہوگا۔ مگر چند ہی دن گذرے تھے کہ ایک روز بعد عصر یہ خبر مشہور ہوئی کہ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس آئی ہے اس خبر کا سننا تھا کہ ایک تہلکہ مچ گیا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان سے لے کر مفتی صاحب کی مسجد بلکہ مدرسہ تک راستوں اور گلیوں میں طلبا ء بھر گئے اور اس بات پر اڑ گئے کہ ہم مولانا کو گرفتار نہ ہونے دیں گے۔ معاملہ نہایت نازک صورت اختیار کر گیا۔ اتفاق سے اس وقت سوائے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی دوسرا بڑا شخص دیوبند میں موجود نہیں تھا۔ مفتی صاحب مرحوم نہایت خاموش اور سیدھے سادے بزرگ تھے مگر اس دن معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں میں ہر قسم کی صلاحتیں موجود ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر طلبا کو صبر و سکون کے ساتھ پُر امن رہنے کی تلقین فرمائی۔ مفتی صاحب کی تقریر سے کچھ ہنگامہ فرو ہوا ادھر پولیس نے بھی اس وقت واپس چلے جانے ہی میں مصلحت دیکھی۔ طلبا جب واپس چلے گئے تو رات کے سناٹے میں فوج نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس وقت پولیس حضرت کو گرفتار کر کے لے گئی۔ گرفتاری کے وقت میں بھی محاصرہ میں تھا مگر ہم لوگ

اس وقت بے خبر سو رہے تھے۔ صبح کو یہ واقعہ معلوم ہوا۔ اس گرفتاری کے بعد کراچی کا وہ مشہور مقدمہ پیش آیا جس میں حضرت مرحوم کی جرأت حق نے انگریزی ایوان حکومت میں زلزلہ ڈالدیا تھا اس کے بعد مدتوں حضرت کی زیارت سے محرومی رہی اور اس کے بعد جب ۱۳۶۶ھ میں آپ دارالعلوم کی مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے تو اس کے بعد مرض وفات تک یاد نہیں کتنی بار حضرت کی صحبت میں رہنے اور طویل و قصیر زیارت سے بہرہ ور ہونے اور آپ کی نوازشوں اور شفقتوں سے مالامال ہونے کا موقع ملا۔ زیارتوں کا یہ سلسلہ بہت طویل اور اس کی مدت تیس سال سے زیادہ ہے مگر اس پوری مدت میں باوجودیکہ میرا تعلق حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور حضرت مرحوم کو اس کی اطلاع بھی تھی۔ میں نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ حضرت مرحوم اپنے اخص خواص تلامذہ و مریدین و محبین کی نسبت کچھ کم اعتماد و محبت و شفقت اس حقیر پر فرماتے ہیں۔ میں حضرت کے اخلاق کی اس بلندی سے بہت زیادہ متاثر تھا اور ہوں۔

(حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی ممبر شوریٰ دارالعلوم دیوبند)

خلوص و محبت کا خیال خاطر احباب اور بے نفسی

مجھ کو حضرت شیخ الاسلام مرحوم کی اس خصوصیت نے بے حد متاثر کیا تھا کہ آپ اپنے عقیدت مندوں سے ظاہرداری نہیں بلکہ دل سے محبت فرماتے تھے اور بہت قوی الاحساس تھے۔ اس لئے اگر کسی عقیدت مند کو کوئی معمولی تکلیف یا کوفت کسی وجہ سے پہنچ جاتی تو ہر چند کہ اس میں آپ کے ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہ ہوتا پھر بھی اس کو محسوس کرتے اور کلمات معذرت لکھ کر اس کی دلدہی ضروری سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ مئو میں مجھے اطلاع ملی کہ حضرت فلاں گاڑی سے بلتھرا روڈ جاتے ہوئے مئو سے گذریں گے۔ میں اس وقت ملنے کے لئے اسٹیشن گیا۔ مگر حضرت اس گاڑی سے تشریف نہیں لائے اور زیارت سے محرومی رہی۔ اس کے بعد ہمارے قصبہ کے نیک نفس طبیب مولوی حکیم سعد اللہ صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ میں نے اس سال ... حج کا ارادہ کر لیا ہے اور میری خواہش ہے کہ مدینہ منورہ میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ میں قیام کروں۔ اس لئے حضرت مولانا کا ایک سفارشی خط وہاں کے لئے حاصل ہو جاتا تو بہت بہتر تھا۔ میں نے حکیم صاحب کی خواہش کی بنا پر

حضرت کو ایک عریضہ دیوبند کے پتہ پر لکھا۔ حضرت نے سفارشی خط تحریر فرما کر بھیجدیا۔ اور اسکے ساتھ احقر کے نام بھی والا نامہ تحریر فرمایا جس میں اسٹیشن سے میری ناکام واپسی پر اظہار افسوس کے ساتھ جلد ہی تشریف آوری کی بشارت کے ذریعہ دلدہی فرمائی تھی۔ خط کا متن بعینہ یہ ہے :-

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج مبارک، والا نامہ دیوبند سے واپس ہوکر یہاں ٹانڈہ میں باعث سرفرازی ہوا۔ مجھ کو بلتھرا روڈ میں معلوم ہوا کہ آنجناب گذشتہ جمعرات ۱۷ شوال کو خبر پاکر شام کی گاڑی پر اسٹیشن تشریف لائے تھے اس سے مجھ کو افسوس ہوا۔ چونکہ شاہ گنج میں اس دن دیرہ اکسپریس لیٹ ہو جانے کی بنا پر آپکی چھوٹی لائن والی شہنشاہی گاڑی چھوٹ گئی تھی۔ اس لئے اس گاڑی میں نہیں آسکا تھا۔ شب کی گاڑی میں تقریباً بارہ بجے گذرا لیکن بدقسمتی سے ملاقات سے محروم رہا۔ (آنے اور جانے کے دونوں وقتوں میں) اگر منظور الٰہی ہے تو قریب زمانہ میں شرف زیارت حاصل کروں گا حسب ارشاد مدینہ منورہ کو عریضہ لکھدیا ہے جناب حکیم سعد اللہ صاحب کو دیدیجئے اور ہدایت فرما دیجئے کہ مدینہ منورہ میں موٹر سے اتر کر اسباب مزدوروں کے سر پر رکھوا کر بھائی صاحب کے مکان پر چلے جائیں۔ کتنا ہی مدینہ منورہ کا معلم یا دوسرے اشخاص روکیں یا دوسری طرف پھیریں اس طرف توجہ نہ فرمائیں بھائی صاحب باب النسار بالکل حرم نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے متصل رہتے ہیں۔ احباب کے لئے کچھ حصص مکانات کے خالی رکھتے ہیں، وہاں چلے جائیں۔ بھائی صاحب انشاء اللہ حسب استطاعت امداد و اعانت لازمہ میں کوتاہی نہ فرمائیں گے مکان حرم نبوی کے بالکل قریب ہے صرف سڑک کا فاصلہ ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام۔ دافقین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیجئے۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۸ رشوال ۱۳۷۰ھ

اس مکتوب گرامی کو پڑھ کر میرے دل پر اس کرم وسمو اخلاق کا بھی بڑا خاصا اثر ہوا کہ باوجودیکہ حکیم صاحب سے مولانا کا کوئی تعلق اور جان پہچان بھی نہیں ہے۔ مگر حضرت نے صرف خط لکھ کر ٹال نہیں دیا بلکہ بمقتضائے الدین النصیحۃ ان کی راحت وسہولت کے لئے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا ۔

(حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی شیخ الحدیث)

دلچسپ و حیرت انگیز

احباب سے بے تکلفی اور خلوص

سہارنپور ریلوے جنکشن ہے یہیں سے اطراف کو ٹرینیں چھوٹتی ہیں۔ اس لئے عموماً ہر سفر میں حضرت (شیخ رحمۃ اللہ علیہ) کو سہارنپور سے گذرنا ہوتا تھا اور جس ٹرین سے آپ کو سفر کرنا ہوتا اگر اس کی روانگی میں ذرا بھی توقف ہوتا یا توقف پیدا کیا جا سکتا تو مدرسہ (مظاہر علوم) کو اپنی تشریف آوری سے ضرور نوازتے گویا یہ ادارہ بھی حضرت کے لئے بمنزلۂ جنکشن تھا کہ وہاں قیام کئے بغیر آگے روانگی نہیں ہوتی تھی اور اس معاملہ میں وہ اس قدر بے لوث اور مخلصانہ وضع کے پابند تھے کہ جس کی مثال آج کے دور میں عنقا ہے۔ اس سلسلے کے بعض واقعات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کرتا ہوں :۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے ہیں طوفان برق و باراں کی شدت ہے۔ ہر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ اچانک حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم کی مطالعہ گاہ اور تصنیف و تالیف کے مخصوص کمرے سے ملحق زینے کے دروازے پر دستک ہوتی ہے حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنے دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں کہ اس وقت کوئی نمایاں شخصیت ہی بے تکلفی کر سکتی ہے اور معاً ذہن مولانا مدنیؒ کی جانب منتقل ہو جاتا ہے اور جب اُٹھ کر دروازہ کھولتے ہیں تو وہ خیال حقیقت کی شکل میں سامنے آجاتا ہے۔ واقعی حضرت مدنیؒ ہاتھ میں چھتری لئے ہوئے سامنے موجود ہیں اب جو گفتگو ہوتی ہے اس میں یگانگت و اختصاص کی وہ جھلک موجود ہے جس کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں۔ محترم میزبان فرماتے ہیں :۔ آخر ایسے میں آنے کی مصیبت کیا پڑی تھی ؟ ؟ مہمان کی جانب سے جواب ارشاد ہوتا ہے کہ :۔ ابھی دیوبند کی ٹرین سے اترا تھا، ٹانڈہ جانے کا عزم ہے۔ ابھی چونکہ گاڑی کی روانگی میں وقفہ تھا۔ اس لئے سوچا کہ مدرسہ ہو آؤں اور آپ سے ملاقات کر لوں۔

یہ واقعہ ان بیشمار واقعات میں سے ایک ہے جو ان کے احساس کرم، اخلاص و انتہائی تعلق کے آئینہ دار تھے۔ اب اس سے بھی زیادہ دلچسپ ایک واقعہ سُنئے!

تقسیم ملک سے قبل کی بات ہے جب سفر حج سے براہ کراچی حضرت مدنیؒ کی واپسی ہوئی تو حضرت شیخ الحدیث مظاہر علوم کو بذریعہ تار یہ اطلاع ملی کہ حضرت مدنی فرنٹیر میل سے ۲ بجے رات کو سہارنپور پہنچ رہے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب فرنٹیر میل پر استقبال کا پروگرام بنا چکے تھے اور ٹرین کی آمد کے وقت اسٹیشن کے لئے روانہ ہوتے کہ اچانک اسی بالائی منزل کے زینے پر زنجیر کھٹکھٹائی جاتی ہے اور جب شیخ الحدیث صاحب کواڑ کھولتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مولانا مدنیؒ موجود ہیں۔ حیرت کی انتہا نہیں رہتی کیونکہ یقین تو اس بات کا تھا کہ موصوف فرنٹیر میل سے تشریف لا رہے ہیں۔ اب یہاں بھی اسی پر لطف انداز میں گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔ میزبان محترم کے الفاظ بعینہ تو محفوظ نہیں مگر ان کا مفہوم کچھ اس نوع کا تھا کہ:۔ کیا حج کرنے کے بعد بھی آدمی خلاف واقعہ بات کہہ سکتا ہے؟ جناب کی اطلاع فرنٹیر میل سے آنے کی تھی اور ہم اسی پر استقبال کے لئے جانے والے تھے (مگر آپ ہیں کہ اس کی آمد سے پہلے ہی موجود ہیں)۔ حضرت مدنی نے فرمایا: فرنٹیر میل سے آنے کی اطلاع صحیح تھی چنانچہ سامان اور تمام متعلقین اسی سے آرہے ہیں لیکن جب کراچی میل لاہور پہنچا تو معلوم ہوا کلکتہ میل لیٹ ہے۔ وہ لاہور سے چھوٹ رہا تھا۔ میں کراچی میل سے اتر کر چلتی گاڑی ہی میں سوار ہو گیا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ متعلقین و رفقاء فرنٹیر میل سے آتے رہیں گے میں کچھ پہلے پہنچ کر درمیانی وقفہ مدرسہ پہنچ کر آپ کے پاس گذاروں!

اللہ اکبر! اخلاص و مودت کے کیا نادر نمونہ تھے جنہیں خلق و مروت کے منبع اور سرچشمہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

(حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کو شرمندگی ہو

ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ میں مدرسہ اسلامیہ کرہی ضلع بستی کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لئے جا رہے تھے۔ لکھنؤ سے

مولانا ابوالوفا صاحب اور مولانا قاسم صاحب بھی ساتھ ہوگئے۔ نماز ظہر ٹرین ہی میں ادا کرلی تھی۔ جب میں وضو کر کے آیا تو شبہ ہوا کہ جماعت تیار ہے میرا ہی انتظار ہے چنانچہ میں نے تکبیر شروع کردی حضرت بلا تکلف فرض کے لئے کھڑے ہوگئے۔ نماز کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت نے سنتیں نہیں ادا فرمائی تھیں۔ خیر بات ختم ہوگئی۔ عرصہ کے بعد حضرت کو لاہرپور کے سفر کا اتفاق ہوا۔ اثنائے سفر ظہر کی نماز پڑھی گئی تو حضرت نے پہلے نہایت اطمینان سے سنتیں ادا فرمائیں اور اس کے بعد فرض پڑھے۔ میں نے عرض کیا کہ کرہی جاتے ہوئے حضرت نے سنتیں ترک فرمادی تھیں اور آج اس قدر اہتمام کے ساتھ ادا فرمائیں۔ مسکرا کر جواب دیا کہ اس دن آپ نے تکبیر شروع کردی تھی اور سفر میں سنن موکدہ نفل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے محض نوافل کے لئے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کو ندامت یا شرمندگی ہو۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

منٹ اور سکنڈ کی کیا بحث

ایک مرتبہ ٹانڈہ میں سحر کے وقت بحث ہونے لگی کہ تین بجکر اتنے منٹ ہوگئے ہیں۔ لہذا اس وقت سحری کھانے والوں کا روزہ باطل ہوگیا۔ حضرت نے یہ گفتگو سنی تو فرمایا: باہر جاکر دیکھو! صبح کی روشنی نمودار ہوئی یا نہیں؟ یہ منٹ سکنڈ کی بحث کیا چھیڑ رکھی ہے "نحن امۃ امیۃ" حضرت کے اس ارشاد پر بحث ختم ہوگئی اور حدیث کے اس برمحل جملے نے ایسے معاملات میں ہمیشہ کے لئے دینی نقطہ نظر سامنے رکھنے کا راستہ کھول دیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے خواب میں آسکتے ہیں

۱۹۴۶ء کے الیکشن کا طوفان اُتر چکا تھا اور پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کی تاریخی ٹکر ہوچکی تھی۔ اتفاقاً بہار سے واپسی کے موقعہ پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب کے بچوں کو دیکھنے کے لئے بہرائچ تشریف لے آئے۔ صبح کے وقت مخلصین و متوسلین کا اجتماع تھا۔ مجلس ہی میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ:

حضرت! بازار میں خواب کی ایک کتاب پانچ آنے میں فروخت ہو رہی ہے جس میں تحریر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسٹر جناح کو ایک جھنڈا عنایت فرمایا ہے۔" یہ بات کہاں تک درست ہو سکتی ہے؟؟ ابھی حضرت کے جواب کی نوبت نہ آئی تھی کہ فوراً ایک صاحب تیز ہو کر بول اٹھے کہ: جھوٹا خواب ہے!" لیکن حضرت نے فرمایا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو خواب میں نظر آسکتے ہیں ممکن ہے مسٹر جناح نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔" یہ سُن کر حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے کہ جس ذات گرامی کی وجہ سے پورے ملک میں مسلم لیگ سے مقابلہ کی دھوم مچ گئی اس کے علم و اخلاق میں کس قدر وسعت ہے کہ ہر چیز کا فیصلہ اخلاقی زاویہ نگاہ اور دینی نقطہ نظر سے ہوتا ہے۔

مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک ہم نے دیکھا کہ پاکستان کی سخت ترین مخالفت کرنے والوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سب سے آگے تھے کہ اس سے اسلام اور مسلمانوں دونوں کو سخت نقصان پہنچے گا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جب ایک صاحب نے مجلس میں پوچھا کہ حضرت! پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو حسب معمول سنجیدگی اور بشاشت سے فرمایا:۔

"مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے۔"

یہ تھا حضرت کے یہاں ہر شے کے بارے میں دینی نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرنے کا انداز خواہ کوئی بڑے سے بڑا معاملہ ہو یا چھوٹے سے چھوٹا قضیہ!

(مولانا افضال الحق صاحب قاسمی)

عطاء اللہ کی مجال نہیں کہ وہ تقریر کرے

(میری طالب علمی کے دور میں ایک مرتبہ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ طلبار نے ان سے تقریر کے بارے میں بہت اصرار کیا مگر وہ تیار نہ ہوئے اس کے بعد پھر ایک مرتبہ انتہائی کوشش کی گئی۔ لیکن کسی طرح اس سلسلے میں راضی نہ ہوئے مجبوراً دورۂ حدیث کے طلبار کا ایک پانچ نفری وفد

جس میں یہ راقم الحروف بھی شامل تھا۔ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ موصوف حضرت شیخ کی مسجد میں شمالی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ہم لوگوں نے بہت کوشش کی مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوسکے صرف اس قدر فرمایا کہ جہاں حضرت شیخ (مدنیؒ) ہیں وہاں عطاء اللہ کی مجال نہیں کہ تقریر کرے اور فرمایا "تم میرے ساتھ سہارنپور چلو وہاں رات بھر تقریر سن لینا!" چنانچہ رات کے وقت سہارنپور میں اس سحرالبیان خطیب نے گھنٹوں تقریر کی۔ (مولانا افضال الحق صاحب قاسمی)

میری ٹانگیں سوتی ہیں

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۵۷ء کو بخاری شریف جلد اول کا سبق پڑھا کر اٹھے تو فرمایا: تم لوگ سبق میں سوتے ہو اور میری ٹانگیں سوتی ہیں۔ اسی دن سے حضرت کی نقل و حرکت مکان تک محدود ہو کر رہ گئی اور طلباء درس کو پھر آپ کے فیض سے استفادے کا موقع نہ مل سکا اس (مرض وفات کے) سال حضرت نے کل ترسیٹھ سبق پڑھائے۔ بخاری شریف جلد اول میں ایک چلّہ یعنی چالیس یوم پورے ہو گئے تھے اور بخاری شریف جلد ثانی کے تیئس ۲۳ اسباق پڑھائے تھے۔ حضرت کی زندگی کے یہ آخری اسباق تھے۔ حضرت کے خلف اکبر مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہ کی جانفشانی و حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے حسن انتظام سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ستیس ۳۷ درسی تقاریر ریکارڈ کر لی گئیں جو آنے والے طلبہ کے لئے انشاء اللہ یادگار علمی سرمایہ ثابت ہوں گی۔

جب بخاری شریف میں سواک کی فضیلت کا باب آتا تو آپ کا طریقہ تھا کہ تمام طلبائے دورۂ حدیث میں مسواکیں تقسیم فرماتے اس سال ابھی یہ باب شروع نہیں ہوا تھا کہ حضرت علیل ہو گئے اور جب مولانا فخرالدین احمد صاحب کے درس میں یہ باب آیا تو حسب دستور طلباء نے مسواک کا مطالبہ کیا حضرت کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بستر علالت سے کہلوا بھیجا کہ اسوقت موجود نہیں ہیں یہ میرے ذمہ قرض ہیں انشاءاللہ ادا کردوں گا مگر افسوس اجل نے فرصت نہ دی تو وفات کے بعد پانچویں روز ۱۷ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ کو صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب نے یہ قرض ادا فرمایا۔ فجزاہم اللہ

سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے

درسگاہ میں داخل ہو کر آپ پہلے سلام فرماتے، طلبہ بھی اس نعمت کے منتظر رہتے تھے مگر غایت ادب سے جواب آہستہ دیتے۔ ان کے دل سے رعب کم کرنے کیلئے ایک دن حضرت نے فرمایا:- دیکھو! سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے! لہٰذا اگر تم جواب نہیں دیتے تو میرا کیا نقصان؟؟ طلباء مقصد سمجھ گئے اور اس کے بعد باآواز بلند وعلیکم السلام کہنے لگے۔ اس سے حضرت بہت خوش ہوتے تھے۔

(مولانا فضل الکریم صاحب آسامی)

تراویح میں حفص کی قرأت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں ہم نے یہ عجیب بات دیکھی کہ حضرت مرحوم ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی جہراً پڑھتے۔ چند روز تک مسلسل دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور دریافت کر بیٹھا، فرمایا: "میں تراویح میں حفص کی قرأت پر عمل کرتا ہوں ان کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کا جزو ہے اس لئے میں اس کی پابندی کرتا ہوں، لیکن چونکہ یہ مسئلہ بہرحال مختلف فیہ ہے اس لئے فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط کرتا ہوں مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لئے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن کریم ختم ہو جائے۔ ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورہ میں تلاوت سے رہ جائے گی اور اس طرح کچھ لوگوں کے نزدیک پورا قرآن شریف ختم نہ ہو سکے گا۔" پھر فرمایا:-

"مجھے حیرت ہے کہ لوگ علیہ اللہ اور بسم اللہ مجریها ومرسٰها میں تو حفص کی قرأت کا لحاظ کرتے ہوئے عام قاعدہ کے خلاف پڑھتے ہیں۔ پھر بسم اللہ کی جہراً قرأت اور وہ بھی نوافل میں کیوں تامل کیا جاتا ہے بہرحال میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔"

(مولانا عبدالحمید اعظمی)

عید کے دن بھی اگر انعام نہ دیا جائے تو افسوس ہے

(ایک مرتبہ سلہٹ میں) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی

طبیعت رمضان کے اخیر عشرہ میں خراب ہوگئی جس کا سلسلہ عید کے بعد تک جاری رہا عید کے دن غیر مسلم پوسٹ مین حضرت کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا اور مجھ سے خیریت دریافت کر کے چلا گیا۔ جب حضرت کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ تم نے اسے ناحق واپس کر دیا آج انعام دینا ضروری تھا۔ میں نے اور دوسرے حضرات نے حضرت کو بہت اطمینان دلایا کہ وہ محض آپ کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا تھا مگر حضرت کی بے چینی دُور نہ ہوئی اور شام تک کئی مرتبہ فرمایا کہ: عید کے دن بھی اگر انعام نہ دیا جائے تو افسوس ہے۔

(مولانا عبد الحمید صاحب اعظمی)

میری تعریف میں اگر کوئی لفظ آیا تو میں اُٹھ کر چلا جاؤں گا

حضرت جب آخری حج سے واپس تشریف لائے تو دار العلوم کے طالب علموں نے جلسہ کیا اور حضرت مہتمم صاحب کے توسط سے قصائد پڑھنے کی اجازت چاہی مگر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اگر میری تعریف کا کوئی لفظ بھی آیا تو میں اُٹھ کر چلا جاؤں گا۔ حضرت مہتمم صاحب نے بے ساختہ کہا کہ: حضرت تعریف نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہوگا۔ بہر حال اصرار کے بعد کسی طرح راضی ہوگئے لیکن جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی تو آپ کو نیند آگئی اس طرح طلبہ کے حوصلے بھی پورے ہوگئے اور آپ نے اپنے نفس کی حفاظت بھی کر لی۔

(مولانا محمد نعیم صاحب)

ان سبھوں کا حق تجھ پر ہے

(در زمانہ طالب علمی میں) صاحبزادہ حافظ سید ارشد سلمہ دار العلوم میں بچوں کی انجمن "تہذیب الاخلاق" کے صدر تھے۔ اس کے سالانہ اجلاس کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مرض وفات کے زمانے میں چندہ طلب کیا تو آپ نے از راہ شفقت صاحبزادہ کے سوال کو پورا فرمایا۔ اس کے بعد موصوف نے برادر بزرگ مولانا اسعد صاحب زید مجدہم سے بھی چندہ طلب کیا صاحبزادہ محترم نے فرمایا کہ جب ابا نے چندہ دے دیا تو وہ سب کی طرف سے ہوگیا! برادر خورد نے بھائی صاحب کی شکایت حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کر دی تو آپ نے مولانا اسعد صاحب کو بلا کر نصیحت آمیز لہجے میں فرمایا کہ: "ان سبھوں کا حق تجھ پر ہے اور تو ہی ذمہ دار ہے!"

اس جملے کو سننے کے بعد صاحبزادہ محترم کو احساس ذمہ داری نے بوجھل بنادیا اور فوراً چندہ دے کر برادر خورد کی دلدہی فرمائی۔ مولانا اسعد صاحب فرماتے ہیں کہ میں اپنی ماں کو آپا کہتا تھا اور حضرت بھی جب حکم فرماتے تو کہتے کہ: جا اپنی آپا سے یہ بات کہہ دے۔ لیکن جب مرض الموت میں شدت کرب سے آپ کی نیند حرام ہو چکی تھی۔ ایک رات صاحبزادہ محترم مولانا اسعد صاحب سے فرمایا: اپنی والدہ کو جگادے!۔ دراصل آخری لمحات زندگی میں خلاف عادت مذکورہ لفظ استعمال کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ محترم کو ذمہ داری اور فریضہ خدمت کا احساس دلا رہے تھے۔ (مولانا عبدالرشید صاحب مونگیری)

ہماری یہ شب کیسی شب ہے خدایا؟

(جس روز حضرت شیخؒ کی وفات ہوئی اسکی رات کو راپنی باری پر) تقریباً ڈھائی بجے خدمت میں حاضر ہوا اور بہت آہستگی سے جاکر سرہانے بیٹھ گیا کہ کہیں آنکھ نہ کھل جائے۔ محسوس ہوا کہ حضرت برابر اللہ اللہ کر رہے ہیں اور کروٹ لے رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: آج کچھ تکلیف زیادہ ہے؟ فرمایا کہ: ہاں بھائی! لو مجھے اٹھا دو۔ میں نے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ فرمایا کہ: پانی لاؤ! جلدی سے پانی پیش کیا۔ ایک گھونٹ لے کر فرمایا: اچھا رکھ دے! اور سردا کاٹ لے۔ جب میں کاٹنے لگا تو فرمایا کہ: تھوڑا ہی کاٹنا۔ اتنی دیر میں میں نے طشتری میں چند قتلے پیش کئے۔ فرمایا: تم بھی ساتھ کھاؤ! میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کھالیں آخرکار دو قتلے چھوڑ دیئے اور فرمایا کہ: لے کھالے! میں نے عرض کیا کہ رکھ دوں پھر کسی وقت کھا لیجئے گا! بہت سختی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: نہیں! کھالے! خبردار رکھنا مت! میں نے اسے کھا لیا۔ پھر فرمایا:۔ دیکھ ڈبے میں اناناس ہو تو شربت لے آ! میں سمجھ نہ سکا اور بجائے شربت کے قتلے پیش کر دیئے۔ فرمایا: یہ نہیں بلکہ شربت! جب تک شربت لاؤں ایک قاش منہ میں رکھ چکے تھے۔ اسے تھوکنا چاہا اور سلفچی اٹھانے کے لئے اشارہ کیا۔ میں نے ہاتھ آگے کر دیا۔ کچھ پس و پیش کے بعد قاش ہاتھ پر ڈالدی اس کا رس چوس لیا تھا۔ میں نے شربت پیش کر دیا لیکن بجائے شربت پینے کے میری جانب دیکھتے رہے میں نے اس قاش کو اپنے منہ میں رکھنا ہی چاہا تھا کہ بہت

زور سے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ: پھینک! اس اب میرے لئے سوائے تعمیل حکم کے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس لئے سلفچی میں ڈالنا پڑا۔ حضرت شربت پینے کے بعد ٹیک لگا کر بیٹھ گئے میں نے پان اور دودھ کے بارے میں دریافت کیا۔ دودھ کا نام سنتے ہی متلی شروع ہو گئی میں سلفچی لے کر تیار ہو گیا مگر قے نہیں ہوئی۔ فرمایا: دیکھو بھائی! نام سے تو متلی ہوتی ہے پھر دودھ کس طرح پی لوں۔ میں بدن دبانے لگا تو حضرت کچھ پڑھنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ترنم کے ساتھ گنگنانے لگے میں نے سُنا تو یہ فرما رہے تھے ؎

ہماری یہ شب کیسی شب ہے خدایا ۔۔۔ نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

میں نے طبیعت کے بہلنے کی غرض سے عرض کیا کہ حضرت! شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مقدمہ مشکوٰۃ میں روایت و درایت کے مسئلے میں فلاں بحث کی ہے۔ اس کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ اس کے جواب میں بہت دیر تک سمجھاتے رہے۔ پھر فرمایا: لٹا دو! میں نے آہستہ سے لٹا دیا۔ تقریباً ۴ بجے سعیدالوحیدی کا وقت ہو گیا تھا اسے جگا کر میں سونے چلا گیا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ خلاف عادت اس سے بہت باتیں کیں۔

(مولانا سید رشیدالوحیدی صاحب)

حضرت شیخ گھریلو ماحول میں

حضرت کو گھریلو ماحول سے صرف اس قدر واقفیت تھی کہ مہمان خانے سے مطالعہ کا راستہ فلاں جانب سے گذرتا ہے اور مطالعہ گاہ سے بیت الخلاء اس جانب ہو کر جاتے ہیں۔ مہمان خانے سے مطالعہ گاہ کے راستے میں کبھی کسی چیز یا شخص کی جانب نگاہ نہیں اُٹھاتے تھے۔ صرف دو چیزیں کبھی کبھی سد راہ ہو جاتی تھیں۔ ایک تو کھیلتے اور شور مچاتے ہوئے ننھے بچے کہ انہیں کبھی کبھی مسکرا کر مخاطب فرماتے مثلاً: کیا کہتا ہے؟ کیوں روتا ہے؟ اور کبھی بالکل ہی ننھے بچے کو اٹھا کر دو ایک مرتبہ اُچھالتے اور پیار بھرے لہجے میں "اللہ الا اللہ" کہہ کر اس سے باتیں کرتے۔ دودھ پیتے بچوں سے بھی سوائے الا اللہ کے اور کچھ نہ فرماتے تھے۔ بچوں کے علاوہ کبھی کبھی چڑیوں کے پنجرے بھی ملاحظہ فرماتے۔ اپنے دست مبارک سے ان کو دانہ پھل یا چاول کھلاتے اور پنجروں کے برتنوں میں پانی ڈالتے۔ چڑیاں اس تواضع کی عادی ہو چکی تھیں۔ جوں ہی حضرت کو قریب

دیکھتیں اچھل اچھل کر پیاری پیاری آوازوں میں آپ کو اپنی جانب متوجہ کرتیں خصوصاً جب پہاڑی مینائیں بھاری پُر رعب اور مردانہ آواز میں کہتیں کہ: حضرت! اللہ اللہ کہو! اللہ اللہ کہو! تو حضرت بے ساختہ اُن کی جانب لپکتے۔ چڑیوں میں مینائیں، کوئل، شاما، لال، قمری وغیرہ رہتی تھیں۔ طوطا کبھی گھر میں نہیں رہا۔

اندازِ تربیت بچوں کی تربیت کے سلسلے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سخت اور حکیمانہ انداز تھا۔ ضرورت پیش آتی تو مارتے بھی تھے۔ راقم الحروف اور عم گرامی مولانا اسعد صاحب اپنے اپنے بچپن کے زمانے میں اس شرف سے کافی فیض یاب ہو چکے ہیں۔ خود تو اسفار کی کثرت اور ہجوم مشاغل کی بنا پر اتنی فرصت نہ پاتے تھے لیکن ہماری تربیت و نگرانی حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ کے سپرد تھی۔ ہم کو بلا اذن و ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ ضروریات کی تمام چیزیں اور تفریحات کا سامان ہیں گھر ہی پر مہیا کیا جاتا تھا حضرت قاری صاحبؒ ہم لوگوں کو باہر سے آئے ہوئے مہمانوں، مریدین و معتقدین کے ساتھ گفتگو وغیرہ کی اجازت نہ دیتے۔ مبادا ان حضرات کی عقیدت اور شیفتگی ہمارے لئے عجب و نخوت کا باعث بن جائے۔

ان حالات و قیود کے زمانے میں ایک مرتبہ مجھے اور عمی مولانا اسعد کو بہت ہی مغتنم فرصت میسر آئی۔ قاری صاحبؒ بیمار ہو کر اپنے وطن سہنسپور ضلع بجنور چلے گئے۔ حضرت کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ آج صبح دس بجے کی ٹرین سے سفر پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہم لوگ چند احباب کے ساتھ جن میں ہمارے ایک مرحوم دوست مولوی محمد امین صاحب سیتاپوری بھی تھے پک نک کی طرز کی ایک تفریح کے لئے جدھر منہ اٹھا چل نکلے۔ صبح گئے اور شام کو تین بجے واپس ہوئے۔ چار پانچ میل کا پیدل سفر کیا تھا اور تھک کر چور ہو گئے تھے۔ مگر طبیعت مطمئن تھی کہ اب کھانے اور کھیلنے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ مگر جوں جوں آبادی کے قریب ہوتے گئے یہ طلسم ٹوٹتا گیا۔ جو شخص بھی ہمیں ملتا عجیب و غریب نگاہوں سے دیکھتا اور یہ اطلاع دیتا کہ تم لوگوں کی تلاش کے لئے پورے شہر میں حضرت نے آدمی دوڑائے ہیں۔ القصہ ہم لوگ گھر پہنچے حضرت باہر مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اندر تشریف لائے۔ سب سے پہلے میں ہی سامنے پڑا مجھے چار بیدیں رسید کیں اور فرمایا کہ تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں سفر پر رہتا ہوں تو تو آزاد ہو گیا ہے۔

جس دن میں قبر میں چلا جاؤں اس دن سمجھنا کہ تو آزاد ہوا ہے اس سے پہلے تجھ کو زندہ درگور کردونگا یہی حال عمی اسعد کا ہوا عموماً ڈانٹتے ہوئے یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے " مردک " گدھے! دوزخ کا کندہ بنتا ہے ۔ کیا اسی لئے پیدا ہوا تھا؟ یہ ڈانٹ اور خفگی صرف گھر کے بچوں تک محدود تھی دوسرے افراد کو اول تو خفگی میں کچھ کہتے ہی نہیں تھے ۔ بڑی سے بڑی بات اور تقصیر پر بھی درگذر کر جایا کرتے تھے اگر شاذونادر خلاف شرع امور پر کچھ کہتے بھی تو تعظیمی الفاظ میں فرماتے تھے مثلاً :- آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہیئے! شریعت اور اسوۂ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا چاہیئے! وغیرہ وغیرہ ۔ استاذ قاری اصغر علی صاحبؒ سے میں نے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ کسی خادم نے شکوہ کیا کہ حضرت! میں تو ادنیٰ غلام ہوں اور آپ مجھے جناب اور آپ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو فرمایا کہ: بھائی! میں دنیا میں سب سے حقیر اور چھوٹا ہوں ۔ وحید اور اسعد کے سوا کوئی مجھ سے چھوٹا نہیں! (اس وقت والد مرحوم سید وحید احمد صاحب بقید حیات تھے) ۔ (مولانا فرید الوحیدی صاحب نبیرہ حضرت شیخؒ)

پرندوں سے انسیت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ صبح وشام پرندوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے ۔ سفر سے واپسی ہوتی تو جو کچھ پھل وغیرہ کنڈی میں ہوتا اس کو خود نکال کر لاتے اور کھڑے ہو کر دست مبارک سے اس وقت تک کھلاتے رہتے جب تک کہ وہ شکم سیر نہ ہو جاتے ۔ اگر سفر طویل ہوتا تو جو خطوط اپنی بڑی صاحبزادی کے پاس بھیجتے ان میں صراحتاً تاکید فرماتے کہ دیکھو! پرندوں کا خیال رکھنا! ایک مرتبہ ایک دل چسپ واقعہ پیش آیا رمضان المبارک کے موقعہ پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بانسکنڈی آسام میں قیام تھا وہاں سے ایک خط ارسال فرمایا جس میں لکھا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئل کی صحیح طور پر خبر گیری نہیں کرتیں کیونکہ اس نے ہم سے خواب میں شکایت کی ہے ۔ اس کا پنجرہ بدل دو! مجھے یاد پڑتا ہے کہ پارسال آیا ہوا ایک نیا پنجرہ مچان پر رکھا ہوا ہے ۔ بہرحال اس خط میں جو ہدایات درج تھیں ان کی تعمیل کی گئی اور صورت حال سے حضرت کو مطلع کر دیا گیا تو اس کے جواب میں پھر آپ کا والا نامہ صاحبزادی کے نام صادر ہوا کہ پنجرے کی تبدیلی اور کوئل کی جانب تمہاری توجہ کے بارے میں معلوم ہو کر خوشی ہوئی مگر تم کہتی ہو کہ کوئل چغل خور ہے بھلا وہ

بیچاری بے زبان کیا کرے؟ تم سب تو اس کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھو اور وہ ہم سے خواب میں بھی شکایت نہ کرے؟ (مولانا رشید الدین صاحب حمیدی داماد حضرت شیخؒ)

تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے؟

حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحبؒ محدث دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ حیات شیخ الہندؒ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"احقر کے زمانۂ قیام جون پور میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھاگلپور سے واپس ہوتے ہوئے ایک روز کے لئے جون پور ٹھہرے۔ مولانا حسین احمد صاحب ہمراہ تھے۔ رمضان المبارک کا تیسرا روزہ تھا۔ شب بیداری کے کسل سے صبح کی نماز کے بعد حضرت نے آرام کرنا چاہا۔ تنہائی کے لئے مسجد اٹالہ کے بالائی درجہ پر بستر بچھا کر حضرت کو لٹا دیا۔ مولانا حسین احمد صاحب (جو اس زمانہ میں ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد کے صحیح مصداق ہو گئے ہیں) ہمیشہ سفر و حضر میں خدمت کر کے حضرت کو راحت پہنچاتے رہتے تھے حسب عادت پاؤں دبانے لگے، خاکسار محروم الخدمت کو بھی حرص آئی میں نے دوسرا پاؤں دبانا شروع کیا اور ہنس کر مولانا حسین احمد صاحبؒ سے کہا کہ:- مولوی صاحب! آج تو ہم بھی آپ کے برابر ہو گئے۔ حضرت مولانا (محمود الحسن صاحبؒ) نے سن کر فرمایا:- بھائی! تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے؟؟ اس وقت تو یہ ایک معمولی فقرہ سمجھا گیا لیکن مولانا حسین احمد صاحبؒ کا مدینہ منورہ میں قیام اور پھر اپنی بیش قیمت آزادی کو قربان کر کے خوشی سے نظر بندی میں حضرت کی معیت اختیار کرنا تمام اسفار خصوصاً زندان قاہرہ اور اسارت مالٹا میں جاں نثاری و خدمت انجام دینا اور اعلائے کلمۂ حق پر زندان کراچی میں اسیر ہونا اور تمام ہندوستان میں بچے بچے کی زبان پر مدحیہ اشعار میں مولانا حسین احمدؒ کا نام ہونا تبلا رہا ہے کہ وہ ایک پر مغز کلام تھا اور مولانا حسین احمد صاحب کی آئندہ شاندار دینی و قومی زندگی کے لئے ایک معنی خیز اشارۂ خیر و برکت تھا۔" (انتہی)

ہم سمجھ رہے تھے کہ حضرتؒ سے جواب نہ بن پڑے گا

۱۳۴۹ھ میں ملتان میں کانگریس کے

زیر اہتمام اتحاد کانفرنس ہونے والی تھی۔ گوپال سنگھ جنرل سکریٹری تھے۔ کانگریس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی۔ حضرت نے اپنی مصروفیت کا عذر فرمایا لیکن یہ بندہ پروری ملاحظہ ہو کہ ساتھ ہی اس خادم (خدا بخش) کو تحریر فرمایا کہ میں نے معذرت کر دی ہے لیکن اگر تمہارے نزدیک میرا آنا ضروری اور مفید ہو تو میں تیاری کروں، تم مجھے تار سے مطلع کرو۔ میرے لئے تو حضرت کی تشریف آوری نعمت عظمیٰ تھی۔ میں کب انکار کر سکتا تھا مگر اس خدام نوازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کانگریسی دوستوں کو معلوم ہوا کہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے تو بہت خوشامد کی اور پھر آخر تک ممنون رہے۔ بہر حال میں نے تار دے دیا حضرت تشریف لائے اور مسجد سراجان حسین آگاہی میدان دوسہرا میں حضرت کا قیام کرایا گیا کیونکہ یہ مسجد جلسہ گاہ سے قریب تھی۔ حضرت کی آمد پر مضافات بلکہ دوسرے اضلاع کے متوسلین اور معتقدین بھی ملتان پہنچ گئے تھے۔ ان میں علما کی اکثریت تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ یوں تو اتحاد کے لئے کانفرنس کی جا رہی تھی مگر کشیدگی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ ہندو مسلمانوں سے کوئی چیز خریدنا گوارا نہ کرتے تھے۔ منڈی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ دیہاتی مسلمان مال لے کر وہاں پہنچتے تو ان کی توہین کی جاتی تھی۔ پانی کی سبیلیں ہندوؤں کے لئے مخصوص تھیں۔ مسلمانوں کو پانی تک نہیں پلایا جاتا تھا اسی طرح سیرگاہوں وغیرہ میں بھی یہی امتیاز قائم تھا بہر حال کشیدگی بڑھی ہوئی تھی اور بہت سی شکایتیں ذہنوں میں تھیں۔ اب حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو متوسلین نے چاہا کہ حضرت کو حالات سے باخبر کر دیا جائے کیونکہ خیال یہ تھا کہ حضرت کی تقریر کے بعد اس پر عمل کرنا مشکل ہوگا اور عمل نہ کرنے کی صورت میں نافرمانی ہوگی جو کہ گوارا نہ تھی (لہٰذا بہتر یہ ہے کہ حضرت اس سلسلہ میں کچھ تقریر ہی نہ فرمائیں)۔

بہر حال قیام گاہ پر متوسلین اور ان کے ہمنوا پہنچ گئے اور حلقہ بنا کر حضرتؒ کے گرد بیٹھ گئے۔ قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی ہم میں سب سے زیادہ جری تھے اور انداز گفتگو سے بھی بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے حضرت کے سامنے بیٹھ کر پورے مجمع کی ترجمانی کی اور جو شکایتیں تھیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیں۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ حضرت سے ان کا جواب نہ بن پڑے گا اور وہ یقیناً ہمارے ہم خیال ہو جائیں گے لیکن حضرت نے پورے

اطمینان سے تمام باتیں سنیں اور پھر ایسا جواب دیا کہ پورا مجمع لاجواب ہوگیا۔ اس وقت یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضرت کس درجہ مردم شناس تھے اور مجمع کی نبض شناسی میں آپ کو کس درجہ مہارت حاصل تھی حضرت نے فرمایا: "جو کچھ آپ نے حالات بیان فرمائے ہیں وہ بے شک تکلیف دہ ہیں مگر ایک بات پر آپ حضرات غور فرمائیں وہ یہ کہ اگر خدانخواستہ کسی ایک مسلمان کو شدھ کرلیا جائے تو آپ صاحبان پر کیا اثر ہوگا اور کتنا ہونا چاہیے۔ پورے ضلع میں نہیں بلکہ پورے صوبہ میں بلکہ کبھی پورے ملک میں ہیجان پھیل جاتا ہے۔ یہ صرف ایک شخص کی تبدیلی مذہب کا اثر ہوتا ہے۔ اب آپ غور فرمایئے کہ جب آپ آئے تو کتنی تعداد تھی۔ تاریخ کی روایتیں مختلف ہیں۔ زیادہ سے زیادہ تعداد اٹھارہ ہزار بتائی جاتی ہے لیکن اب آپ کی تعداد دس کروڑ ہے جس میں باہر سے آنے والوں کا عنصر بہت ہی کم ہے۔ زیادہ تر وہی ہیں جو یہاں کے پرانے باشندے تھے۔ ان کی غیر مسلم برادریاں اب تک موجود ہیں اور بہت جگہ ایسے خاندان کے افراد موجود ہیں۔ اس تبدیلی کے اوپر اگر غیر مسلم بھائیوں کو احساس ہوتا ہے تو آپ خود اپنے اوپر قیاس کرکے فرمایئے کہ یہ احساس برمحل ہے یا بے محل۔ پھر آپ یہ بھی غور فرمایئے کہ کتنا ہی مشہور کیا جائے کہ اسلام کی اشاعت جبر و قہر اور تلوار کے ذریعہ ہوئی مگر کیا یہ درست ہے؟ ہر مسلمان یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ سراسر غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بزرگان دین نے صبر و تحمل اور اپنے اخلاق و کردار سے دوسروں کو متاثر کیا اور اسلام کی تبلیغ کی۔ لوگ متاثر ہوتے اور اسلام قبول کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ فرض ہمارے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔ کیا اسلام کی تبلیغ ہمارا فرض نہیں ہے۔ اگر کوئی ترشی یا بد خلقی سے پیش آئے تو کیا ہم پر صبر و تحمل لازم نہیں ہے اور کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم اعلیٰ حوصلہ اور بلند کردار سے دوسروں کو متاثر کریں! میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جو آپ نے بیان فرمائیں مذبوحی حرکات ہیں۔ ان کے جواب میں ہمارا فرض اور تبلیغی مصلحتوں کا تقاضا یہی ہے کہ ہم صبر و تحمل اور وسعت اخلاق اختیار کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش کریں اور جو ہم سے متوحش ہیں ان کو مانوس بنائیں۔ ہر ایک مسلمان خصوصاً علمائے کرام ایک مشن رکھتے ہیں، ان کو اس سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔"

حضرت مولانا کی تقریر ایسے پیرائے میں تھی کہ مجمع نہ صرف لاجواب اور خاموش ہو گیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے سے تاریکیاں سمٹ گئیں اور روشنی پھیل گئی۔ بہرحال یہ مجلس ختم ہوئی اور ایک نصب العین لے کر ختم ہوئی۔ رات کو جلسہ ہوا بے شمار مجمع تھا۔ تمام میدان بھرا ہوا تھا۔ عورتیں کوٹھوں پر تقریر سننے کے لئے بیٹھی ہوئی تھیں مسلمان بہت کم تھے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ حضرت نے تقریر شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور ہمدردی خلق خدا تقریر کا موضوع تھا۔ تقریباً دو گھنٹہ تک اللہ کا یہ شیر گرجتا رہا اور مجمع محو حیرت بنا ہوا تھا ــــــ آپ نے تقریر میں ہندوؤں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

" مادر وطن کی آزادی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ آپ کے پاس موجود ہیں دولت، تعلیم، باہمی اتحاد اور سیاسی سوجھ بوجھ سب باتیں آپکے پاس ہیں مگر ایک چیز جس کے بغیر آزادی نہیں مل سکتی۔ وہ آپکے پاس کم اور مسلمانوں کے پاس بہت زیادہ ہے۔ یعنی جان پر کھیل جانا اور قربان ہو جانا (بازار قصہ خوانی وغیرہ کے واقعات جن میں ہزاروں مسلمانوں نے جانیں دی تھیں وہ شہادت کے لئے کافی تھے)"

حضرت نے ہندوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"آپ پھل دار درخت ہیں۔ آپ کو خصلت بھی پھل دار درخت کی اختیار کرنی چاہیے پھل دار درخت پر لوگ پتھر برساتے ہیں مگر وہ پتھروں کے جواب میں پھل پھینکتا ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

"کہا جاتا ہے کہ ہندو مسلمان میں چولی دامن کا ساتھ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف ساتھ ہی نہیں بلکہ خون کا اشتراک ہے۔ کتنے ہی مسلمان آپ کی نسل اور برادری میں شریک ہیں اور کتنوں ہی کو خود آپ نے شریک کرلیا ہے۔ مسلمانوں نے شادی بیاہ کرکے چولی دامن کے ساتھ نسل اور خون کا رشتہ بنا دیا۔"

بہرحال دو گھنٹے آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا اور مجمع بیحد متاثر ہوا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد واپسی کا پروگرام تھا۔ حضرت جلسہ سے فارغ ہوئے تو اسٹیشن جانے کی تیاری شروع کردی۔ کانگریسی دوستوں نے مجھے ایک معقول رقم دی کہ حضرت کی خدمت میں پیش کردوں

اور مجھے بھی کرایہ دیا کہ میں حضرت کے ہمراہ سفر کروں۔ بہرحال اب حضرت اسٹیشن پہنچے اور اپنا ٹکٹ خود خرید لیا میں نے بھی ٹکٹ خرید لیا اور جب گاڑی میں بیٹھ گئے تو میں نے وہ رقم پیش کی جو کانگریسی دوستوں نے دی تھی حضرت نے چونک کر فرمایا کہ: یہ کیا؟؟ میں نے عرض کیا کہ مصارف سفر ہیں! کانگریسی دوستوں نے پیش کئے ہیں: اول تو اس پر خفا ہوئے اور فرمایا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر روپے لئے کیوں؟ پھر جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ دیوبند سے چلا ہوں، یہاں تک تیرہ روپے کچھ آنے صرف ہوئے ہیں اسی قدر واپسی میں صرف ہوگا۔ بس اتنی ہی رقم رکھ لو اور بقیہ واپس کردو! اب میرٹھ دوستوں نے بھی بہت اصرار کیا لیکن کسی کی بات نہیں سنی گئی اور صرف ٹکٹ کے دام لے کر باقی رقم واپس کردی گئی۔ پھر مجھے دیکھا کہ میں بیٹھا ہوا ہوں تو فرمایا: آپ کیسے بیٹھے ہوئے ہیں؟! میں نے عرض کیا کہ کانگریسی دوستوں کا اصرار ہے کہ میں حضرت کے ساتھ سفر میں رہوں اور انہوں نے اس کا صرفہ دیا ہے! اس پر اور بھی زیادہ بگڑے اور فرمایا: ٹکٹ واپس کرکے اس کے دام انہیں دے دو! میرے ساتھ کسی کے جانے کی ضرورت نہیں ــــ مجھے حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ تن تنہا اس پرآشوب دور میں بفضلہ تعالیٰ بخیریت دیوبند پہنچے۔

(مولانا خدا بخش صاحب ملتان)

غایت بےتکلفی کے واقعات

میرے والد جناب حافظ زاہد حسن صاحب امروہوی چونکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب و حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحہم اللہ کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہ چکے تھے۔ اس لئے شیخ رحمۃ اللہ کو آپ سے گہرا تعلق تھا۔ بےتکلفی کا یہ عالم تھا کہ والد صاحب ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں دیوبند حاضر تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مٹھائی کھلایئے! والد صاحب نے فرمایا مٹھائی آپ کھلایئے۔ میں تو آپ کا مہمان ہوں۔ مگر حضرت نے کچھ دیر تو مزید اصرار کیا اور جب دیکھا کہ اس طرح کام نہیں چلتا ہے تو والد صاحب کو پچھاڑ کر جیب سے روپے نکالے اور مٹھائی منگائی۔

سنہ ۲۹ء میں امروہہ میں جمعیۃ علماء ہند کے عظیم الشان اجلاس کے موقع پر آموں کا

موسم تھا۔ ہمارے یہاں حضرت کو دعوت دی گئی۔ آپ کے ساتھ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ بھی تھے جب حضرت گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ گوشت کی ہانڈی پکی ہوئی رکھی ہے، آپ نے ازراہ بے تکلفی وخوش طبعی براہ راست ہانڈی ہی سے شوربا پینا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر جملہ ہمراہی بشمول حضرت مفتی صاحب اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے اور قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئے۔ (مولانا حافظ سید طاہر حسن صاحب امروہوی)

گھوڑے سے اُتار کر گدھے پر سوار کرنا پسند نہیں

۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے۔ حضرت مولانا حسب معمول

لکھنؤ میں جناب ڈاکٹر عبد العلیؒ صاحب کے مکان پر قیام فرما تھے۔ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع پا کر احقر اور میرے دو رفیق وہم سبق حکیم مولوی خلیق احمد صاحب مالک مشتاق دواخانہ مراد آباد اور حکیم مولوی فضل الرحمن صاحب بچھرایونی لغرض ملاقات خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ امتحان کا زمانہ تھا زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے میرا دماغ غیر معمولی تکان محسوس کر رہا تھا۔ مصافحہ وسلام کے بعد ہم لوگ مجلس میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت! میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے۔ چنانچہ مشفقانہ انداز سے میرے سر پر اپنا دست مبارک رکھ دیا جس سے مجھ کو جو اطمینان وسرور حاصل ہوا۔ اس کا اندازہ حضرت کے پروانے ہی لگا سکتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت نے ہم لوگوں سے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ لکھنؤ کس سلسلے میں آئے ہوئے ہیں۔ میرے ساتھی حکیم مولوی خلیق احمد صاحب مراد آبادی نے بعجلت عرض کیا کہ حضرت ہم تینوں تکمیل الطب کالج میں پڑھنے آئے ہیں۔ یہ سن کر حضرت نے قدرے سکوت فرمانے کے بعد کہا کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد میرے خسر صاحب نے والد صاحب پر زور دیا کہ وہ مجھے طب کی تعلیم دلائیں لیکن والد صاحب نے انہیں تحریر فرمایا کہ میں اپنے لڑکے کو گھوڑے کی سواری سے اتار کر گدھے پر بٹھانا پسند نہیں کرتا۔ یہ نصیحت آمیز جملہ سن کر ہم سب شرمندگی کے ساتھ مسکرائے لیکن فوراً ہی مجلس میں کوئی دوسری بات شروع ہو گئی۔

(حکیم حامد حسن صاحب دھامپوری)

وضعداری

اثنائے سفر میں بسلسلہ اقامت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ

جن شہروں میں حضرت کی آمد ورفت بار بار ہوتی تھی وہاں کوئی ایک مقام متعین ہوا کرتا تھا حضرتؒ اسٹیشن سے سیدھے وہیں پہنچتے۔ مرادآباد میں سب سے پہلے حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ کی حیات میں موصوف کے مکان پر قیام ہوا ہوگا بس یہی مکان ہمیشہ کے لئے لسلسلۂ قیام طے ہوگیا۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے ...... بارہا کوشش کی گئی کہ قیام کی جگہ بدل جائے مرادآباد کے مشہور سوداگر اور پنجابی برادری کے سرگرم ممبر جناب شیخ رفیع الدین صاحب برابر قیام کے سلسلے میں بحث فرمایا کرتے تھے۔ مگر حضرت کے اس اصول کو کوئی تبدیل نہ کرسکا۔

(مولانا سید محمد میاں صاحب)

اب تو انشاء اللہ آخرت میں ملوگے

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ سے میری آخری ملاقات اواخر شوال المکرم ۱۳۷۶ھ میں ہوئی۔ آپ نے اس مرتبہ خلاف معمول تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گفتگو کے لئے عنایت فرمایا۔ دوران گفتگو احقر نے عرض کیا کہ حضرت آئندہ سال (مدرسہ سے) کچھ مزید رخصت لے کر (آپ کی خدمت میں) آنے کا خیال ہے! فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کیا: صفائی قلب کے لئے! حضرت نے فرمایا: مجھ حقیر سے کیا باتیں کرتے ہو۔ لیکن جب میں نے یہی بات مکرر عرض کی تو فرمایا: مولوی فیض آبادی! اب اس کا وقت نہیں رہا، جو ہوگیا غنیمت جانو اب تو سفر آخرت کی تیاری میں مشغول ہوں، میں نے عرض کیا انشاء اللہ اختتام سال پر ضرور حاضر ہوں گا۔ لیکن حضرت نے جواب میں فرمایا: یہ کہدیا کہ ملاقات نہیں ہوگی۔ اب تو انشاء اللہ میدان آخرت میں ملوگے۔

اس گفتگو کے بعد میں اور میرے گرد بیٹھے حضرات کچھ آبدیدہ ہوگئے تو حضرتؒ نے فرمایا: رونے کی کیا بات ہے؟ کیا تجھے موت نہیں آئے گی؟ اس کے بعد احقر نے کچھ طلب اور زیادتی عمر کے سلسلے میں بات کرنی چاہی مگر فرطِ غم سے بول نہ سکا۔

(مولانا ریاض احمد صاحب فیض آبادی)

ایک جن سے ملاقات کا واقعہ

مجھے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ تقریباً

چار سال رہنے کا شرف نصیب ہوا جس میں دورۂ حدیث کا بھی ایک سال شامل ہے۔ ایک مرتبہ دوران درس حدیث حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک سال میں سلہٹ پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو اسکول میں پڑھتا ہے۔ اس لڑکے کے والد عامل تھے جو تسخیر جنات وغیرہ کا کام کرتے تھے۔ بالعموم ہوتا یہ ہے کہ اس قسم کے عاملین سے جنات دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں لیکن خلاف معمول ان کے بچے کو جنات نے والد کی زندگی ہی میں اپنی تحویل اور تربیت میں لے لیا تھا اور جنات اس کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے تھے۔ یہ ایک دبلا پتلا اور نحیف ولاغر بچہ تھا۔ جب اسکول کے بچے اس سے تازہ مٹھائی یا بے موسم پھلوں کا مطالبہ کرتے تو وہ دام ایک رومال میں باندھ کر انار کے درخت میں لٹکا دیتا جو اسکول کے احاطہ ہی میں ایک طرف واقع تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب رومال کو اتار کر کھولتے تو اس میں سے مطلوبہ مٹھائی یا پھل برآمد ہوتا تھا۔ مقامی لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اس لڑکے سے اس کے اسکول کے ساتھی اس طرح کی تفریح کیا کرتے ہیں ——— میرے سلہٹ پہنچنے کے بعد جب اس سے میرا تذکرہ کیا گیا تو اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اگر اپنے موکل سے ملاؤ تو ہم تم سے ملاقات کریں۔ لڑکا اس پر آمادہ ہوگیا اور (غالباً) مغرب کے بعد کا وقت مقرر کردیا گیا۔ میں مولانا جلیل احمد صاحب اور بعض مقامی حضرات کے ہمراہ وہاں پہنچا۔ جنوب رویہ ایک دالان کے دروں پر چادر تان دی گئی تھی جس طرح کہ عورتوں کے لئے پردہ کیا جاتا ہے۔ اندرون پردہ قریب ہی ایک تخت بچھا ہوا تھا اور اس پر لیمپ روشن تھا۔ پردہ کے باہر ہم لوگوں کی نشست کے لئے کچھ فاصلے پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔ لڑکے نے تخت پر بیٹھ کر ایک رکوع تلاوت کیا اور اس کے بعد روشنی دھیمی ہوگئی لیکن پھر بھی پس پردہ لڑکا بیٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک دراز قد سایہ سا لڑکے کی جانب بڑھتا ہوا نظر آیا اور سلام کرکے لڑکے کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سلام کی کیفیت بھی عجیب تھی جس کو الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ ایک بھنبھناتی ہوئی چھوچھری باریک اور تیز آواز جس میں مجھ سے خطاب تھا (یعنی السلام علیکم یا مولانا کہہ کر مجھے مخاطب کیا) کچھ دیر تامل کے بعد میں نے کہا کہ ہم لوگ آپ کو بے حجاب دیکھنا چاہتے ہیں آپ سامنے بے حجاب تشریف لائیے! مگر وہ اپنی اسی جناتی لہجہ میں بولے کہ یہ چیز ہمارے بس

سے باہر ہے۔ ہم بغیر کسی آڑ کے سامنے آنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ انہوں نے شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا! آپ نے وقت موعود میں دیر کردی جس کا میں نے اعتراف کیا اور معذرت کی۔ بولے ایک مرتبہ ہم دیوبند گئے تھے یہ مولانا جلیل احمد صاحب قدوری پڑھا رہے تھے اور ہمارے بعض ساتھی آپ کے شاگرد بھی ہیں ــــــ سب باتوں کے بعد میں نے کہا کہ گورنمنٹ برطانیہ سے ہماری لڑائی ہو رہی ہے۔ ہم آزادی چاہتے ہیں اور وہ ہمیں غلام رکھنا چاہتی ہے ظاہر ہے کہ ہمارا یہ مطالبہ حق ہے اور ان کا ہمارے اوپر تسلط ناجائز اور ظلم ہے کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟؟ ــــــ جواب دیا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں! ــــــ پھر وہ اجازت طلب کر کے حسب سابق سلام کرتے ہوئے اسی طرح رخصت ہو گئے۔ ہمیں صرف آدمی کی شکل کی پرچھائیں سی معلوم ہوئی اور کچھ نہیں۔ ہم نے سلام کا جواب دیا۔ لڑکے نے لیمپ کی بتی ابھاری، دالان روشن ہو گیا اور ہم وہاں سے چلے آئے۔

(مولانا شرافت علی صاحب سیوہاروی)

"جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد"

جن ارادت مندوں پر حضرت کی نظر کرم رہی ان میں سے میرے والد ماجد مولانا حکیم محمد یامین صاحب بھی ہیں جو سہارنپور کے مشہور طبیب اور بزرگان دین کے سچے ارادت مند ہیں۔ حضرت شیخ ایک مرتبہ حکیم صاحب کے باغ میں تشریف لے گئے۔ حضرت کے دست مبارک میں رات کے باسی پھول تھے۔ والد صاحب نے تازہ پھول توڑ کر پیش کئے۔ ارشاد فرمایا کہ: آپ کے پھولوں سے میرے پھولوں میں خوشبو زیادہ ہے۔ حضرت والد صاحب نے برجستہ عرض کیا کہ حضرت! اس کی خاص وجہ ہے! ارشاد فرمایا: کیا؟ اس کے جواب میں والد صاحب نے شیخ سعدی کے (مشہور) اشعار از "گلے خوشبوے در حمام روزے" تا "جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ؛ وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم" پڑھ دیئے۔ حضرت شیخ اور دیگر حاضرین اس برجستہ اور برمحل جواب سے کافی محظوظ ہوئے۔

میں آج مریض کی حیثیت سے آیا ہوں

ایسا ہی ایک دلچسپ واقعہ اور ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے

حکیم صاحب کے مکان سے فاصلے پر تانگہ چھوڑ دیا اور پیدل اچانک مطب میں تشریف لے آئے۔ حکیم صاحب نے آپ کو دیکھتے ہی آپ کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دی مگر حضرت نے فرمایا کہ:
آج میں بحیثیت مریض آیا ہوں اس لئے مریضوں ہی کی جگہ بیٹھوں گا' حکیم صاحب نے بیحد اصرار کیا لیکن وہیں مریضوں ہی کی جگہ پر بیٹھ کر نبض دکھائی۔

(جناب حکیم ذوالنون صاحب سہارنپور)

غایت جفاکشی

ایک مرتبہ حضرتؒ اطراف آسام کا دورہ کر کے مہینہ بھر کے طویل سفر سے واپس آئے۔ تقریباً آٹھ بجے صبح دیوبند پہنچے تھے۔ طلبا اور اساتذہ جمع تھے۔ کچھ دیر باہر تشریف فرما رہے۔ اس کے بعد بخاری پڑھنے والے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ جاؤ اعلان کر دو کہ ساڑھے نو بجے سبق ہوگا' تمام طلباء نے اصرار کیا کہ حضرت ابھی آپ کی اس قدر طویل سفر سے واپسی ہوئی ہے آج تو آرام فرمائیے! یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ:
کیا میں پیدل چل کر آیا ہوں، ریل، ہوائی جہاز، اور موٹر میں سفر ہوا ہے پھر تکان کیسا؟ یہ سب فضول باتیں ہیں تم اس واسطے یہ کہہ رہے ہو کہ آج اور کھیلنے کو مل جائے۔ چلو! میں ابھی آتا ہوں۔

"دیوانہ بکار خویش ہشیار"

حاجی بدر الدین صاحب ساکن انچولی ضلع میرٹھ ہمیشہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جاں نثاروں، مزاج شناسوں اور مخصوص خدام میں سے رہے ہیں وہ جب بھی مجلس میں ہوتے کسی نہ کسی عنوان سے مٹھائی ضرور طلب کی جاتی کبھی مقدمہ جیتنے کی خوشی میں، کبھی زمین کی خریداری کے سلسلے میں اور کبھی نواسہ وغیرہ کی پیدائش کی تقریب میں۔ اگر موصوف مٹھائی کھلانے سے انکار کرتے تو ان کی تلاشی لی جاتی اور جو کچھ برآمد ہوتا وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ اس میں سے جس قدر مناسب سمجھتے مٹھائی کا حکم فرما دیتے ۔ اور بقیہ رقم واپس کر دی جاتی۔ حاجی صاحب جب آتے تو قصداً تفریح کی نیت سے روپے چھپا لیتے۔ کبھی نوٹوں کو کمر بند کے اندر اور اگر زیادہ خطرہ ہوتا تو منہ ہی میں رکھ لیتے۔ اگر چھیننے والے کامیاب ہو جاتے تو حضرت کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوتا اور عموماً فیصلہ حاجی صاحب کے خلاف ہی ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ عشاء کے وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ مہمان خانہ سے اُٹھ کر مکان میں وضو کرنے تشریف لے گئے۔ کچھ حضرات جو تاک میں تھے حضرت کے تشریف لے جاتے ہی حاجی صاحب پر ٹوٹ پڑے مگر روپیہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے یہاں تک کہ اس چھینا جھپٹی میں کئی جگہ سے حاجی صاحب کا کرتا بھی پھٹ گیا اور جو حصہ پھٹنے سے بچ گیا تھا اسے خود حاجی صاحب نے پھاڑ کر بالکل ناقابل استعمال بنا دیا جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ وضو کر کے باہر تشریف لائے تو حاجی صاحب نے آگے بڑھ کر اپنی مظلومیت اور کُرتے کی تباہی کا پورا پورا مظاہرہ کیا۔ حضرت نے فرمایا:۔ آپ نے مٹھائی کیوں نہیں کھلائی؟ —— اس کے بعد فرمایا کہ ۔۔ لائیے! کُرتا نکالئے! میں سلوا دوں!

الغرض اس چیتھڑے کو خود لے کر اندر تشریف لے گئے۔ خالہ صاحبہ (یعنی حضرت کی اہلیہ محترمہ) نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو بار کے قابل ہی نہیں رہا کیسے سلا جائے تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا لاؤ! میرا ایک کُرتا نکال دو! چنانچہ آپ نے جب باہر آکر اپنا کُرتا حاجی صاحب کو عنایت فرمایا تو تمام حضرات حاجی صاحب کی چالاکی پہ حیران رہ گئے اور اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے کرتے کی دھجیاں اڑا دینے میں رمز کیا تھا!

(مولانا سید رشید الدین حمیدی داماد حضرت شیخؒ)

علمی سوالات کے تشفی بخش جوابات

سنہ ۱۳۶۲ھ میں میرا دورۂ حدیث کا سال ۔ دورانِ درس احقر نہایت بے ڈھنگے اور کثرت کیساتھ سوالات کرتا مگر حضرت کبھی چیں بجبیں نہ ہوتے بلکہ فرماتے کہ دیکھو! چودھویں صدی کا مجتہد کیا کہتا ہے! میرے سوالات کا سلسلہ درسگاہ تک ہی محدود نہ تھا بلکہ آپ جب درسگاہ سے مکان واپس تشریف لے جاتے تو احقر بھی دیگر طلبہ کے ساتھ آپ کے ہمراہ ہوتا اور تمام راستے سوالات کر کر کے جواب سنتا چلا جاتا۔

ایک مرتبہ چلتے ہوئے میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا "رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ" کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ اسے شرف قبولیت حاصل ہوا ہے یا نہیں تو جواب میں فرمایا کہ جی ہاں قبول ہوئی۔ ارشاد باری ہے قَدْ اُوْتِیْتَ

سُؤْلَكَ يَا مُوسیٰ" میں نے عرض کیا کہ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکنت کلیۃً دور نہیں ہوئی تھی، حالانکہ قَدْ اُوْتِيْتَ میں ماضی پر لفظ قد داخل کیا گیا ہے۔

میری بات سن کر حضرت نے کچھ دیر کے لئے تو سکوت کیا اور پھر فرمایا کہ: کہاں ہے وہ چودھویں صدی کا مجتہد! احقر نے عرض کیا حاضر ہے! تو فرمایا کہ: موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو دیکھو! جملہ "من لساني يفقهوا قولي" میں من تبعیضیہ استعمال کیا گیا ہے اس لئے مفسرین کے اقوال اور "قد اوتيت" میں کوئی تضاد نہیں ہے! اب حضرت کے مذکورہ جواب سے شرح صدر ہو گیا۔

ایک مرتبہ بنائے کعبہ کے بارے میں گفتگو ہوئی آیۃ "ما كان للمشركين ان يعمروا مساجد الله" پر بحث کے دوران جب طلباء نے سوال کیا کہ مسجدوں کی تعمیر میں مشرکین سے چندہ لینا جائز ہے یا نہیں تو نفی میں جواب دیا۔ لیکن جب مدارس کے چندہ کے بارے میں دریافت کیا تو اثبات میں جواب دیا۔ سبق سے فارغ ہونے کے بعد احقر نے راستے میں چلتے ہوئے سوال کیا کہ جب مسجد میں مشرکین کا روپیہ پیسہ لگانا درست نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو منہدم کیوں نہیں کرادیا؟؟ کیونکہ نبوت سے قبل تعمیر کعبہ مشرکین ہی کے چندہ سے ہوئی تھی۔ حضرت نے میری بات سن کر مولوی فیض اللہ صاحب گونڈوی سے فرمایا۔ دیکھو! چودھویں صدی کا مجتہد کیا کہتا ہے۔ اس کے بعد مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ حدیث آپ کے سامنے نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: اے عائشہ اگر تمہاری قوم نو مسلم نہ ہوتی تو میں خانہ کعبہ کو منہدم کرا کے اسے بنائے ابراہیمی پر تعمیر کرتا۔ الغرض کسی خاص مصلحت کے باعث فوری طور پر ایسا نہیں کیا گیا لیکن آپ کے بعد اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی ہے۔ حضرت کے اس جواب سے پوری تشفی ہو گئی۔

(مولانا محمد انیس صاحب مظفر نگری)

اپنے ہی کی طرف جھکنا پڑتا ہے

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے سفر کلکتہ کے متعلق "نقش حیات" میں رقمطراز ہیں کہ:

مولانا ابوالکلام صاحب (آزاد) کلکتہ میں خلافت کمیٹی کے صدر تھے اور ان کی تحریک

اور زوردار تقریر ترک موالات پر طلبائے مدرسہ عالیہ متاثر ہو کر مدرسہ عالیہ سے جدا ہوئے تھے اس لئے آزاد و فیصل مدرسہ عالیہ کی تمام تر ذمہ داری مولانا موصوف اور اراکین خلافت کمیٹی ہی پر تھی۔ فرنگی محل اور امروہہ وغیرہ سے بھی مدرسین منگائے گئے تھے۔ اگر سابق مدرسین مدرسہ عالیہ ترک موالات کر دیتے تو اس کی ضرورت نہ پڑتی مگر وہ تو بڑی بڑی تنخواہوں کے لالچ اور انگریز پرستی میں مبتلا تھے۔ بہر حال ایک آزاد مدرسہ عالیہ ناخدا مسجد میں قائم ہو گیا تھا۔ مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اس کے ناظم بنا دیئے گئے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ مولانا شبیر احمد صاحب یا مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وہاں چلے جائیں اور اس تحریک پر جو انقلاب ہوا ہے اس کو سنبھال لیں۔ حضرت نے دونوں صاحبوں سے اس کا تذکرہ کیا اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ اپنی ماؤں سے اجازت طلبی کا عذر کیا اس لئے اپنے اپنے مکانوں کو واپس ہوئے اور کچھ عرصہ بعد بذریعہ خطوط اطلاع دی کہ ہماری والدہ اجازت نہیں دیتیں۔ چونکہ جلسہ جمعیۃ کی تاریخیں بالکل سر پر آگئی تھیں حضرت نے دونوں کو بلایا اور فرمایا:۔ "کلکتہ جانے کا مسئلہ ملتوی ہے مگر یہاں حاضر تو ہو جاؤ اور اجلاس کی ضروریات میں ہاتھ بٹاؤ۔" اس وقت تک فقط مفتی مولانا کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب ہی تمام امور اجلاس انجام دے رہے تھے۔

بالآخر ہر دو حضرات تشریف لائے تا اینکہ بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی علیٰ احسن الوجوہ جلسہ ختم ہو گیا۔ چونکہ مولانا عبداللہ مصری صاحب کو اس انتظار میں بہت مدت گذر گئی تھی۔ اور ان کے ضروری کاروبار میں تعطل زیادہ ہو گیا تھا جس کی بنا پر ان کا تقاضا سخت تھا۔ اس لئے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب، مدد مجھ کو تنہائی میں طلب فرمایا۔ چونکہ معالجہ میں کونین زیادہ استعمال کرائی گئی تھی اس لئے سماعت میں بہت فرق آگیا تھا حضرت نے کلکتہ کی ضرورت ظاہر فرما کر حکم کیا کہ مولانا ادر عذر ہو ہر ایک لکھ کر دیدے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب نے لکھا کہ ہماری مائیں کلکتہ جیسی دور دراز جگہ جانے کی اجازت نہیں دیتیں۔ میں نے لکھا کہ میں امروہہ حضرت ہی کے حکم سے گیا تھا اور حضرت ہی

کے حکم سے خدمت میں حاضر رہنے کی غرض سے ملازمت تدریس چھوڑ کر حاضر ہوا ہوں۔ کلکتہ جانے میں یہ مقصدِ عظیم فوت ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں نہ میں تقریر کا ماہر اور عادی ہوں نہ تحریر کا، نہ مجھ میں ذکاوت ہے نہ حافظہ۔ آئندہ آپ کا جو حکم ہو اس کے امتثال کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ایک کی تحریر پر غور کیا اور تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا کہ: اپنے ہی کی طرف جھکنا پڑتا ہے۔ تم چلے جاؤ! (میری طرف خطاب کر کے) میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا! میں حاضر ہوں، مگر چونکہ مدینہ منورہ سے کھجوریں بھائی سید احمد کی بھیجی ہوئی آئی ہیں مجھے اتنی اجازت دی جائے کہ میں سہارنپور اور دیوبند جا کر ان کو جہاں جہاں پہنچانی ہیں پہنچا آؤں۔ دو تین دن میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اور پھر کلکتہ روانہ ہو جاؤں گا۔ حضرت اس بات پر راضی ہو گئے اور مولوی عبداللہ صاحب مصری کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ میں نے حسین احمد کو کلکتہ بھیجنے کے لئے مقرر کر دیا ہے وہ دو تین دن میں یہاں کی ضرورتیں پوری کر کے روانہ ہو جائے گا۔ آپ خرچہ سفر فلاں کو دیدیں اور روانہ ہو جائیں۔

میں اسی روز دہلی سے سہارنپور اور دیوبند روانہ ہو گیا اور تیسرے یا چوتھے دن، سہارنپور، دیوبند وغیرہ سے ضروریات پوری کر کے واپس آگیا۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حمد اللہ صاحب سے فرمایا کہ: کہیں حسین احمد کو مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم کلکتہ جانے سے نہ روک دیں۔ میں جب خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھا کہ مولانا خلیل احمد صاحب نے کلکتہ جانے کے بارے میں کچھ کہا؟ تو میں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں فرمایا اور حقیقت یہی تھی اگر آپ کے حکم کے بعد وہ یا اور کوئی صاحب کچھ فرماتے میں کسی کی ماننے والا نہیں تھا۔ چنانچہ اسی روز میں روانگی کے لئے گاڑی کے وقت پر تیار ہو گیا۔ رخصتی (ملاقات) کے وقت حاضر ہوا تو میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور خوشی سے رخصت فرمایا۔ یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ رخصتی (ملاقات) ہمیشہ کے لئے ہے مگر تقدیرات الٰہیہ کون جانتا ہے؟ (حضرت شیخ الاسلامؒ۔ نقش حیات ۱۲ و ۱۳ ج دوم)

"خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم"

(۱۹۴۶ء میں) حضرت شیخ الاسلام نے مسلسل دو ماہ شب و روز دورہ کر کے لیگ کے نظام کو زندہ کیا اور اس کے امیدواروں کو کامیاب بنایا لیکن افسوس کہ کامیاب ہونے کے بعد

مسٹر جناح اور ان کی جماعت نے صد درجہ عیاری اور غداری کا ثبوت دیا اور قوم پرور جماعتوں کی رفاقت کے تمام وعدے گاؤ خورد ہو گئے اور انگریزوں کے خلاف محاذ بنانے کی بجائے انکی جماعت اور خود قائد انگریزوں کے اشاروں پر رقص کرنے لگے۔ حضرت مدظلہ العالی کے لئے یہ صورت حال غیر قابل برداشت تھی۔ چنانچہ آپ نے اس جماعت (مسلم لیگ) سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ " خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم (حیات شیخ الاسلام)

جتنا درود دیوبندی پڑھتے ہیں کوئی دوسرا نہیں پڑھتا

درس بخاری شریف میں ارشاد فرمایا کہ اہل بدعت دیوبندیوں کو کافر اور دشمن رسول سمجھتے ہیں حالانکہ جتنا درود دیوبندی پڑھتے ہیں کوئی دوسرا نہیں پڑھتا۔ مثلاً اس دار الحدیث میں تقریباً دو ڈھائی سو طلباء شریک درس ہیں اور صبح سے شام تک یہاں درس حدیث ہوتا ہے اور ہر حدیث میں تقریباً دو تین جگہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا ہے جس پر حاضرین درود شریف پڑھتے ہیں۔ اگر تمام اوقات کے درود شریف کو شمار کیا جائے تو تعداد حیرت انگیز حد تک پہنچ جائے گی اور یہی سلسلہ تقریباً بارہ مہینے جاری رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے تمام خطوں سے زیادہ یہاں درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ (انفاس قدسیہ)

کیا ہر جائز عمل ضروری ہے

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نے ایک مرتبہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ :- ایک زمانہ میں ربوٰ کے جواز پر مقالہ لکھ رہا تھا جو کہ بعض رسائل میں شائع ہوا تھا۔ اس کا تذکرہ حضرت مولاناؒ کی مجلس میں بھی چھڑ گیا۔ میں بولنے لگا تو میری گفتگو سن کر حضرتؒ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔ آپ زیادہ سے زیادہ جواز ثابت کر سکتے ہیں لیکن کیا ہر جائز پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ——— حضرت مولانا گیلانی فرماتے ہیں یہ سننا تھا کہ میرا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور پھر کبھی اس بحث میں نہیں پڑا۔

(مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی)

رفقائے سفر کی خدمت

مولانا ابو الوفا صاحب ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ

وہ پنجاب سے واپس ہو رہے تھے ۔ حضرت شیخؒ کے علاوہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی ساتھ تھے ۔ ایک بار مولانا ابوالوفاء صاحب کو محسوس ہوا کہ کوئی صاحب ان کا جسم نہایت آہستگی سے دبا رہے ہیں ان کو آرام محسوس ہوا اور یہ سمجھ کر کہ پنجابی حضرات علماء کے ساتھ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ارادت کا ثبوت دیتے ہیں کوئی تعارض نہ کیا جائے ۔ جب کافی دیر ہوگئی تو انہوں نے چادر سے منہ کھول کر دیکھا کہ آخر یہ کون صاحب ہیں اور دیکھتے ہی بدحواس ہو گئے ، خود حضرت شیخ بدن دبا رہے تھے ۔ وہ گھبرا کر اٹھے تو دیکھا مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری بھی بیٹھے ہوئے اپنا منہ پیٹ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضرت نے مجھے بھی گناہگار کیا اور اب آپ کی باری تھی ۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)
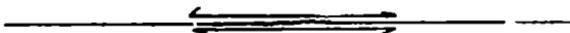
لطائف وظرائف

یہ بھی خادم زادہ ہے

ایک مرتبہ بلتھرا روڈ سے واپسی میں شاہ گنج جانے والی ٹرین پکڑنے کے لئے حضرت کو مئو کے اسٹیشن پر سر شام سے اڑھائی بجے رات تک رکنا پڑا مجھ کو کوئی اطلاع نہ تھی اس لئے حضرت نے آدمی بھیج کر اطلاع کرائی۔ میں چلنے لگا تو خیال ہوا کہ کچھ ناشتہ اور چائے کا سامان اور چولھا بھی لے چلنا چاہیئے۔ اس لئے اپنے لڑکے رشید احمد اور دو طالب علموں کو بھی ساتھ لیا۔ اسٹیشن پہنچکر سلام و مصافحہ کے بعد حضرت کے سامنے میں نے یہ کہتے ہوئے رشید احمد کو پیش کیا کہ خادم زادہ ہے! حضرت نے اس کو بھی مصافحہ کا شرف بخشا۔ تھوڑی دیر میں حضرت کے صاحبزادہ میاں اسعد سلمہ اللہ باہر سے ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو حضرت نے میری طرف اشارہ کر کے ان کو مصافحہ کرنے کے لئے کہا اور جب وہ میری طرف بڑھے تو حضرت نے فرمایا " یہ بھی خادم زادہ ہے "۔ (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی)

ٹکڑا منہ میں رکھ کر پانی سے نگل لو

ایک مرتبہ ایک مدرسہ کے افتتاح کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا گیا۔ راقم الحروف ہمراہ تھا۔ دہلی اسٹیشن پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مدنیؒ بھی مدعو ہیں اور اسی گاڑی سے تشریف لے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر دونوں بزرگ ساتھ ہی پہنچے اور داعیوں نے پر تپاک خیر مقدم کیا۔ جمعہ کا وقت تھا۔ ریلوے اسٹیشن سے اتر کر سیدھے جامع مسجد پہنچے جہاں بعد نماز جلسہ تھا اور اسی مقام پر مدرسہ کا افتتاح تھا۔ نماز جمعہ سے قبل ایک بڑے میاں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کیا کہ: حضرت یہاں پہلے سے ایک عربی مدرسہ موجود ہے جو مالی مشکلات کی وجہ سے نہیں چل رہا ہے

یہ لوگ اس کی مخالفت میں دوسرا مدرسہ قائم کر رہے ہیں آخر دو مدرسے کس طرح چلیں گے؟
حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس بارے میں تفتیش فرمائی تو معلوم ہوا کہ بڑے میاں کی بات سچ ہے۔ چنانچہ آپ نے تقریر میں جدید مدرسہ کے افتتاح کی تردید کی اور لوگوں سے اپیل فرمائی کہ وہ قدیم مدرسہ کو ترقی دیں اور باہم اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہیں۔ حضرت مدنیؒ کی تقریر کے بعد دیکھا گیا تو اصل داعی غائب تھے۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ داعیوں میں سے کوئی شخص بھی موجود نہیں ہے اور ٹرین کا وقت قریب ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ اسٹیشن تشریف لے چلئے ورنہ یہاں رات کو پریشان ہونا پڑیگا اور دوسری گاڑی علی الصباح ملے گی۔ حضرت مدنیؒ نے فرمایا: بلا میزبان کی اجازت کے کس طرح جا سکتے ہیں؟ الغرض کافی دیر انتظار کے بعد ایک لڑکا آیا اور کہا کہ کھانے کے لئے بلایا ہے۔ ہم لوگ اس کے ساتھ ہو لئے۔ بارش ہو رہی تھی۔ راستہ کیچڑ کی وجہ سے نہایت دشوار گذار تھا۔ مختصر یہ کہ بمشکل تمام دور دراز ایک مکان پر پہنچے وہاں بھی کوئی موجود نہ تھا۔ اسی لڑکے نے ایک بڑے پیالے میں گرم پانی (شوربا) اور چند سوکھی ہوئی سی موٹی موٹی روٹیاں سامنے لا کر رکھدیں اور خود غائب ہو گیا۔ دونوں بزرگوں نے انہی روٹیوں کو کھانا شروع کر دیا۔ ابھی چند لقموں ہی سے کام و دہن کی آزمائش ہوئی تھی کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر فرمایا:۔ یہ روٹی ویسے نہیں کھائی جائے گی ٹکڑا منہ میں رکھ کر پانی سے نگل لو۔

اتفاق سے یہاں پہلے بھی تبلیغی سلسلے میں آنا ہوا تھا اور کچھ لوگوں سے تعارف تھا۔ مگر اس وقت ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد جب صاحب مکان آیا تو وہ ہمیں دیکھتے ہی پہچان کر بہت خوش ہوا اور کہا مجھے کیا خبر تھی کہ آپ لوگ ہیں۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ کانگریسی مولوی ہیں۔ روٹی کرا دو سو میں نے اس قسم کی روٹیاں پکوا دیں۔ یہ کہکر وہ فوراً روٹی سالن اٹھا کر لے گیا اور چائے نیز مختلف کھانے کی چیزیں لے کر آیا پھر رات کے وقت نہایت پرتکلف دعوت کی اور لذیذ کھانے کھلائے۔

میرا خیال تھا کہ حضرت مدنیؒ ”کانگریسی مولوی“ کے لفظ سے متاثر ہونگے مگر اللہ رے عالی ظرفی۔ نہ ان پر اس جملے کا کچھ اثر تھا اور نہ مدعو کرنے والوں کی بے اعتنائی سے کبیدہ خاطر

تھے جس فرحت و انبساط کے ساتھ سوکھی روٹی کھا رہے تھے اسی طرح ہنسی خوشی مرغن کھانے کھائے۔ نہ پہلے رویئے پر میزبان کو کچھ کہا اور نہ دوسرے برتاؤ پر۔ یہ بھی آپ کی بے نفسی و بے غرضی اور خلوص و للہیت کی واضح مثال۔

(مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی)

یہ چٹنی رکھی ہوئی ہے اسے کوئی نہیں پوچھتا

ایک مرتبہ آموں کی فصل میں حضرت شیخ رح کو میں نے لاہرپور آنے کی زحمت دی. قلمی آموں کے باغات کے سلسلے میں لاہرپور کافی شہرت رکھتا ہے۔ ایک بار شیخ رمضان علی صاحب مرحوم نے یہاں کے باغات کی کثرت اور عمدگی کا تذکرہ کیا تو حضرت رح نے مسکراکر فرمایا تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ آپ لوگ بہت باغی ہیں!

اسی سفر میں رات کے وقت کھانا کھاتے ہوئے فیرینی کا صرف ایک چمچہ لے کر طشتری ہٹادی کہ ابھی آم بھی تو کھانے ہیں آخر اس کی کیا ضرورت؟

حضرت کے قریب مولانا محمد قاسم صاحب بیٹھے ہوئے تھے، ان کے بعد میں اور میرے بعد مولوی عابد حسین صاحب مرحوم تھے. مولانا قاسم نے فیرینی کی وہ طشتری اپنے سامنے رکھ لی۔ اتنے میں حضرت کے کچھ فرمانے پر مولانا موصوف ادھر متوجہ ہوئے اور مولوی عابد حسین صاحب مرحوم نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طشتری اپنی جانب کرلی. مولانا قاسم نے اب دوبارہ جو طشتری پہ نگاہ ڈالی تو ان کے سامنے سے غائب اور مولوی عابد حسین مرحوم کے سامنے موجود نظر آئی پھر کیا تھا وہ طشتری کی جانب لپکے اور آپس میں چھینا جھپٹی ہونے لگی۔ حضرت یہ خاموشی سے دیکھ رہے تھے لیکن جب آخری منظر سامنے آیا تو مسکرا کر فرمایا:

"جی ہاں! تبرک تو بس فیرینی ہی میں ہے! یہ چٹنی رکھی ہوئی ہے اسے تبرکاً کوئی نہیں پوچھتا!

(حاجی احمد حسن صاحب لاہرپوری)

مکہ معظمہ میں کھجوریں پیدا کہاں ہوتی ہیں

ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! مکہ معظمہ کی کھجوریں عنایت فرمادیجیے! حضرت نے جواب میں فرمایا: حضور! مکہ معظمہ میں کھجوریں

پیدا کہاں ہوتی ہیں؟؟ اور یہ آیت تلاوت فرمادی ہے ”رَبَّنَا اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ“ (الآیۃ)

حُقّٰۃ نہیں حِقّۃ ہے

ایک مرتبہ دوران درس مذکوٰۃ الابل کا باب آگیا۔ اس میں بنت مخاض، بنت لبون، حِقّہ اور جذعۃ وغیرہ کا ذکر تھا۔ ایک بیچارے مغفل قسم کے طالب علم نے دریافت کیا کہ حضرت! حُقّہ کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے ایک خاص انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔ حضور!”یہ حُقّہ نہیں بلکہ حِقّۃ ہے!“ اور محفل درس میں ہنسی کی لہر دوڑ گئی۔

(مولانا نسیم احمد فریدی)

یہ لڑکے تو امام نہیں ہیں

اگر کسی کتاب میں زیادہ طلبہ فیل ہوجاتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ انعامی جلسہ کے موقعہ پر اس کتاب کو پڑھانے والے استاد کی جانب متوجہ ہوکر مزاحیہ انداز میں فرماتے کہ:”حضور! آپ کی کتاب میں اس قدر لڑکے فیل کیوں ہیں کیسی پڑھاتے ہیں آپ کتاب؟؟“ ——— حضرتؒ کے اس قسم کے جملوں سے حاضرین جلسہ میں ہنسی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ ”قاضی مبارک“ میں متعدد لڑکے فیل ہوگئے یہ کتاب امام المعقولات حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی مدظلہ نے پڑھائی تھی جو حضرت شیخؒ کی زمانۂ طالب علمی کے بے تکلف ساتھیوں میں سے ہیں چنانچہ جب مذکورہ کتاب کے نتائج سنائے گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے موصوف کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا:”جناب! آپ کی کتاب میں لڑکے بہت زیادہ فیل ہیں آپ امام المعقولات کیسے بن گئے؟؟“ ——— حضرت علامہ نے جواب دیا کہ:”حضور! میں امام ہوں لڑکے تو امام نہیں۔ پھر بھلا اس میں میری امامت کا کیا قصور؟؟“ ——— حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ جواب سن کر بہت ہنسے ——

(مولانا جلیل صاحب راغبی)

یہ ایک ہوائی گھوڑا ہے

(تقسیم ملک سے قبل سلہٹ کے دوران قیام میں) ایک روز مولوی مزمل علی صاحب نے ڈپٹی کمشن سفارشات پیش کرتے ہوئے حضرت سے پوچھا:۔

"یہ گروپ بندی کیا بلا ہے؟ کیا یہ واقعی جاندار چیز ہے؟" ــــ حضرتؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "بھائی یہ ایک ہوائی گھوڑا ہے اس کے بارے میں ان کی عقلیں ضرور پرواز کریں گی جو ہوائی باتوں کے پیچھے اصل حقیقت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔"

(مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی)

دلچسپ طریقے سے اصلاح

ایک مرتبہ نماز عصر میں یہ لطیفہ پیش آیا کہ سلام پھیرنے کے بعد حضرتؒ کے بازو میں بیٹھنے والے صاحب ادباً پیچھے کھسک گئے۔ حضرت بھی خاموشی سے پیچھے کھسک کر ان کے برابر ہو گئے وہ اور کھسکے تو حضرت نے بھی ان کی پیروی کی۔ اب تو وہ بھی سمجھ گئے کہ حضرت کا مقصد کیا ہے اور ذہن میں یہ بات آگئی کہ مسجد اور دربار خداوندی میں یہ طریقہ بے محل ہے۔

(مولانا محمد نعیم صاحب)

آپ نے تو میری تاریخ پیدائش چھین لی

حضرت مولانا نے ایک مرتبہ مجھ سے سوال کیا کہ آپ کی عمر کیا ہے۔ میں نے کہا کہ چراغ محمد میری تاریخ ولادت ہے! یہ سن کر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ نے میری تاریخ ولادت چھین لی۔ میں نے کہا کہ اس کا تصفیہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کون کس مہینے میں پیدا ہوا ہے۔ مولانا نے فرمایا: پہلے آپ بتلائیے! میں نے کہا ۱۹ رمضان المبارک! یہ سن کر فرمایا: آپ مجھ سے بڑے ہیں۔

(مولانا قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی)

پان کا بیڑا اور اس کا خول

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مدنیؒ جناب عبدالباری صاحب لکھنوی کے مکان پر قیام پذیر تھے۔ احقر بھی بغرض زیارت خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ گرمیوں کا موسم تھا اس موسم میں عموماً لکھنؤ کے اونچے طبقے کے لوگ پان کے بیڑے کپڑے کے ایسے خول میں رکھتے ہیں جو کہ ساخت میں بیڑے کی ہم شکل ہوتے ہیں۔ چنانچہ میزبان کی جانب سے اہل مجلس کے سامنے پانوں کی تھال پیش کی گئی۔ دس پندرہ اشخاص کے سامنے سے گذرتی ہوئی

جب یہ تھال میرے سامنے آئی تو میں نے بھی حسب معمول نہایت سادگی سے ایک بیڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا لیکن دانتوں سے دبانے کے بعد اندازہ ہوا کہ ہمارے حصے میں صرف کپڑے کا خول ہی آگیا ہے۔ چونکہ روشنی کا بلب تمام مجلس سے قدرے فاصلے پر تھا اس لئے خفیف سی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنے رُخ کو ذرا سا پھیر کر منہ سے وہ خول نکالا اور لوگوں کی نظر بچا کر دوبارہ تھال میں رکھ دیا لیکن چونکہ میں حضرت کے بالکل سامنے تھا اس لئے میری اس حرکت پر حضرت کی نگاہ پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا قہقہے مار کر خوب ہنسے اور فرمانے لگے: مولانا! آپ تو پانوں کے ساتھ خول بھی کھا لیتے ہیں! حضرتؒ کا یہ فرمانا تھا کہ تمام حاضرین ہنس پڑے اور میں شرمندگی کی وجہ سے گردن جھکا کر خاموشی کے ساتھ بیٹھ رہا حضرت نے میری یہ کیفیت دیکھی تو چند اپنے اوپر بیتے ہوئے اسی قسم کے واقعات سنا دیئے اور فرمایا کہ جب پہلی بار خول میں لپٹے ہوئے پان میرے سامنے آئے تو خود مجھے بھی ایسا ہی اتفاق پیش آچکا ہے۔ حضرتؒ کے واقعات بیان کرنے کے بعد میری شرمندگی کافور ہو گئی۔

(جناب حکیم حامد حسن صاحب دھامپوری)

غریب کا کھانا حلق سے نہیں اُترتا

(بحیثیت مہمان) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بارہا کھانے کا اتفاق ہوا

آپ (اپنے مہمانوں کی رعایت کرتے ہوئے) ہمیشہ کھانا بعد میں ختم فرماتے اور جب میں کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتا تو ارشاد ہوتا کہ آپ مرغن کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ غریب کا کھانا حلق سے نہیں اُترتا۔ ایک بار میں نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو، آج کھاتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ حضرت بھی فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ میں نے ابتدا ہی سے بہت آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا۔ سب لوگ اٹھ گئے لیکن میں کھاتا رہا حضرت بھی میرے ساتھ برابر کھانے میں مشغول رہے بہت دیر ہو گئی۔ میں نے کھانا بند نہیں کیا حضرت بھی اسی دلچسپی سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ حضرت اب خفا ہو جائیں گے کہ مجھے پریشان کر رہا ہے۔ یہ سوچ کر میں نے کھانا بند کر دیا تو حضرت نے مسکرا کر اب بھی یہی فرمایا کہ: غریب کا کھانا حلق سے نہیں

آخر تا آخر ہاتھ کھینچ ہی لیا! ۔۔۔۔۔۔ (مولانا شمس الدین صاحب مبارکپور)

وہ پدمنی اونٹنی میں ہی ہوں

عموماً طلباء دوران درس حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلف ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے بڑی بے تکلفی سے دریافت کیا کہ :۔ حضرت! سنا ہے کہ آپ قطب العالم ہیں!

حضرت نے طالب علم کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے سبق کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا لیکن طالب علم نے انتہائی جسارت سے اپنے سوال کو دہراتے ہوئے کہا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ کا قول ہے " وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ " لہٰذا اگر آپ قطب العالم ہیں تو تحدیث نعمت ہونی چاہیئے!' ۔۔۔۔۔ اس کی بات سن کر آپ نے فرمایا :۔ اونٹنیوں میں ایک اچھے نسل کی شریف اونٹنی ہوتی ہے جسے پدمنی کہتے ہیں۔ یہ خبر ایک اونٹ کے بچے کو ہوگئی تو اس نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اماں! پدمنی اونٹنی کسے کہتے ہیں؟؟ تو ماں نے جواب دیا کہ وہ پدمنی اونٹنی میں ہی ہوں!' ۔۔۔۔۔ حضرت کا یہ جواب سن کر طلباء مسکرانے لگے اور سبق شروع ہو گیا ۔۔۔۔۔ (مولانا عبدالرشید صاحب مونگیری)

خوابی صحابی

ایک طالب علم نے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ :۔ حضرت! جن لوگوں نے ایمان کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ تو صحابہ ہیں لیکن اگر کسی نے بحالت ایمان خواب میں حضور کی زیارت کی تو کیا وہ بھی صحابی ہے؟' ۔۔۔۔۔ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ :۔ جی ہاں! وہ خوابی صحابی ہے!' ۔۔۔۔۔ (انفاس قدسیہ)

مجھے بھی خواب ہی میں پنکھا جھل دینا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور! آپ پنکھا جھلنے کو منع فرماتے ہیں، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بحالت خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پنکھا جھلا ہے ۔۔۔۔۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا :۔ 'تو پھر آپ بھی مجھے خواب ہی میں پنکھا جھلئے گا! میں بیداری کی بات کر رہا ہوں اور آپ خواب کی۔ (ایضاً)

یہ شریفہ ہے

مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط راوی ہیں کہ سورت میں ایک

صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شریفہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا "ھٰذِہٖ شَرِیْفَۃٌ لَا یَأْکُلُھَا اِلَّا الشُّرَفَاءُ" یعنی یہ شریفہ ہے اور اسے شرفاء ہی کھاتے ہیں" یہ سن کر آپ نے فرمایا: "لَا نَأْکُلُھَا لِاَنَّ الشَّرِیْفَ قَدْ اٰذَانِیْ کَثِیْرًا" میں اسے نہیں کھاؤں گا کیونکہ شریف (مکہ) مجھے بڑی ایذائیں دے چکا ہے۔ (ایضاً)

کیا غسل سے انکار کر رہے تھے

دیوبند کی ممتاز اور پرمزاح شخصیت صوفی محمود حسن صاحب کا انتقال ہوا۔ موصوف کا جنازہ احاطہ مولسری میں نماز کی غرض سے رکھا ہوا تھا اور لوگ جمع ہو رہے تھے اسی اثناء میں استاد دارالعلوم مولانا عبدالاحد صاحب انتہائی سادگی کے ساتھ حضرت شیخ سے فرمانے لگے کہ: "حضرت! صوفی جی کو غسل بڑی مشکل سے دیا گیا ہے!" یہ سنتے ہی حضرت نے برجستہ فرمایا: "کیا صوفی جی غسل کرنے سے انکار کر رہے تھے؟!"

(ایضاً)

عجیب معاملہ ہے

ایک مرتبہ اثنائے درس بخاری کسی بات پر فرمایا:- عجیب معاملہ ہے؟ لوگ چلتی کو گاڑی اور ماوے کو کھویا کہتے ہیں! (ایضاً)

نبی خیز علاقہ

ایک مرتبہ تقریر کے دوران آپ نے فرمایا:- یہ علاقہ (سہارنپور دیوبند مظفر نگر وغیرہ) دوآبہ کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ ولی خیز ہے۔ (پھر مرزا غلام احمد قادیانی کی جانب طنزیہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لیکن) پنجاب کا علاقہ نبی خیز ہے۔ (ایضاً)

چند لطیفے

(۱) ایک پیر صاحب کے مکان پر لوگوں نے حضرت سے بیعت کی درخواست کی تو فرمایا: "پیر کے گھر پیرائی اور چور کے گھر چھچھور۔" (۲) ایک سجادہ نشین کوئی چیز دم کرانے کے لئے لائے تو حضرت نے فرمایا کہ: یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے؟ (۳) ایک مرید نے کہا کہ میں بیعت آپ سے رہنا چاہتا ہوں اور تعلیم فلاں بزرگ سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تو فرمایا:- میری بیعت ادھر لاؤ اور جہاں

جی چاہے چلے جاؤ۔ (۴) بعض مہمان جو کہیں دور دراز سے آئے تھے ان سے فرمایا کہ:۔
آپ سفر میں لوٹا نہیں رکھتے ہیں تو کیا نمازیں کھاتے ہیں؟ (ایضاً)

اور آپ یہ سمجھے کہ آپ کی کرامت کا ظہور ہوا

دارالعلوم کے ایک مشہور استاد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں موجود تھے۔ دیگر حاضرین کی تعداد بھی معتد بہ تھی۔ دوران گفتگو استاد موصوف فرمانے لگے کہ: حضرت:۔ جنگ کے زمانے میں جبکہ مٹی کا تیل پرمٹ سے ملتا تھا میں دوکاندار کے پاس گیا اور اس سے کچھ زائد تیل خریدنا چاہا لیکن میرے شدید اصرار کے باوجود اس پر راضی نہ ہوا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آنے والی رات ہی میں اسکے یہاں چوری ہو گئی'۔۔۔ حضرت یہ سُن کر پہلے تو مُسکرائے پھر فرمایا کہ "جی ہاں! اس کے گھر چوری ہوئی اور آپ یہ سمجھے کہ آپ کی کرامت کا ظہور ہوا"۔ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ حاضرین مجلس میں بے ساختہ ہنسی کی لہر دوڑ گئی اور متکلم کافی خفیف ہوئے۔

(۴)
تاثرات

اہل اللہ واہل علم کی نظر میں

جب ہم نے اس مرد مجاھد کو دیکھا

"بھائی حضرت شیخ مدنی کا ذکر کیا پوچھتے ہو پہلے تو ہم یوں ہی سمجھتے رہے مگر وقت کی نزاکتوں اور ھنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کی جانب نگاہ کی تو جہاں شیخ مدنی کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا ہوا دیکھا"

(حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ)

اولیاء اللہ کے امام

"مولانا حسین احمد صاحب (مدنی) اس زمانے میں اولیاء اللہ کے امام ہیں"

(مولانا احمد علی صاحب لاہوری مفسر قرآن نور اللہ مرقدہ)

شوال ۱۳۶۰ھ بمقام لاہور

اللہ کے نزدیک جو ان کا مرتبہ ہے میں اس کو جانتا ہوں

مجھے حضرت مولانا مدنی کی سیاسیات سے اتفاق نہیں کیونکہ وہ میری سمجھ میں نہیں آئی ہیں، اگر سمجھ میں آسکتیں تو میں ان کے جوتے اٹھا کر ان کے پیچھے پیچھے چلتا کیونکہ اللہ کے نزدیک ان کا جو مرتبہ ہے میں اسکو جانتا ہوں اور مخالفت ان کی اس لئے نہیں کرتا

کہ میں جہنّم کی آگ اپنے اوپر حلال کرنا نہیں چاہتا میں دوزخ کی آگ خریدتے ہوئے ڈرتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

یگانۂ زمانہ

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانۂ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان انکی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے۔ وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں ان کی مذہبی اور وطنی خدمات سے تمام مسلمانان ہند واقف ہیں اور ان کے اخلاص و دیانت کے مخالفین بھی معترف ہیں۔

(حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی)

شریف طبیعت

"حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہیں۔ باوجود سیاسی اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہیں سنا گیا۔"

جوش عمل

"میں اپنی جماعت میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔"

ہمّتِ مردانہ

"میں ان مولانا مدنی جیسی ہمتِ مردانہ کہاں سے لاؤں۔"

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی)

ابو حنیفۂ زمانہ

"میرے نزدیک ابو حنیفۂ زمانہ . . . مولانا مدنی کی مدح میں کچھ لکھنے والا مادح خورشید مداح خود است ۔ کا مصداق ہے ۔ میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل و کمال ۔ تبحر فی العلم والسلوک سے شاید ہی کسی اہل بصیرت کو اختلاف ہو ۔ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنی ہی رشد و ہدایت اور علم و فضل کے درخشاں آفتاب ہیں"۔

(حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور)

ایثار و قربانی کے پیکر

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی ذات گرامی جن صفات حمیدہ اور گوناگوں اوصاف و محاسن کی حامل تھی اور منجانب اللہ زندگی کے ہر شعبہ میں جو فضائل و کرامات امتیازی اور اعلیٰ خصائص ان کو ودیعت فرمائے گئے تھے ان کے پیش نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

درحقیقت حضرت اس دور کی عظیم المرتبت اور مقبول ترین ہستی تھے ۔ علم و عمل کے مہر عالم تاب تھے . . . . انکی ایک زندگی میں بہت سی زندگیاں جمع ہو گئی تھیں وہ" اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً" کی مکمل شرح اور تفسیر تھے ایثار و قربانی کا مجسم پیکر اور" خلق عظیم" کا مظہر تھے ۔ (حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مظاہر علوم سہارنپور)

بزرگی اور اتباع شریعت میں عدیم المثال

حضرت پیر غلام مجدد صاحب سندھی شہید (اسیر کراچی) جن کے تقریباً سولہ لاکھ

مریدین درج فہرست تھے۔ زیادہ تر تلاوت قرآن مجید میں مصروف رہتے تھے۔ میری حاضری پر قرآن مجید کو بند کر کے فرمایا" میرے ہاتھ میں تو قرآن مجید ہے بحلف کہتا ہوں کہ جیل میں میں نے جو حالات مولانا مدنی کے بچشم خود دیکھے ہیں ان کی بنا پر میری رائے ہے کہ اس وقت روئے زمین پر مولانا صاحب کا ثانی بزرگی اور اتباع شریعت کے لحاظ سے نہیں ہے۔ آپ ہرگز مولانا صاحب کا دامن نہ چھوڑیئے! اگر مولانا صاحب نہ ہوتے تو میں آپ کو مرید کر لیتا۔" غرضیکہ پیر صاحب کی سعی و سفارش سے حضرت نے مجھے داخل سلسلہ فرمایا۔

(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

اندیشہ

مولانا حسین احمد کی مخالفت کرنے والوں کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔"

(حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

بروایت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

دو خصوصی کمال

ہمارے اکابر دیوبند میں بفضلہ تعالیٰ کچھ خصوصیات رہی ہیں۔ چنانچہ شیخ مدنی میں دو خدا داد خصوصی کمال ہیں، ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اس قدر نہیں اور دوسرے تواضع کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔"

(حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ

بروایت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

خلیفہ حضرت تھانویؒ)

حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلّی ہوئی

"مجھے اپنی موت پر اس بات کا فکر تھا کہ میرے بعد باطنی دُنیا کی خدمت کرنے والا کون ہوگا؟ مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلّی ہوئی یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔"

(حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ

بروایت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی خلیفہ حضرت تھانویؒ)

اگر یہ رکاوٹ نہ ہوتی

اگر اس تبلیغی کام کی رکاوٹ نہ ہوتی تو حضرت مدنی سے بیعت ہو کر ان کے کام میں شریک ہو جاتا اگر کسی وقت مجھ سے یہ کام چھوٹ گیا تو حضرت مدنی کے ساتھ مل کر (سیاسی میدان میں) کام کروں گا اور اگر کسی وقت حضرت مدنی سے کانگریس کا کام چھوٹ گیا تو وہ بھی وہی کام کریں گے جو میں کر رہا ہوں۔"

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلویؒ

بروایت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

رفیق خاص حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ)

دریائے معرفت

"حضرت مولانا مدنی وہ دریا ہضم کئے ہوئے ہیں جس کا ایک جرعہ بھی بیخود بنا دینے کے لئے کافی ہے۔"

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

بروایت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب)

مسلمانانِ عالم کا سچّا رہنما

"حضرت مولانا مدنی نے وطن و ملّت کے لئے عموماً اور لکھنؤ میں مدح صحابہ اور آزادی ہند کے سلسلے میں خصوصاً جو بے غرض خدمات انجام دی ہیں ان کی شرح محال ہے۔ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی ہے مسلمانانِ عالم کا سچا رہنما جو اس الحاد کدۂ ہند میں مشعلِ اسلامی لئے پھر رہا ہے"

(امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رح)

بے مثال خدمت ملک و ملت

"شیخ العرب والعجم امام الاحرار حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے مقدس حالات کوئی کیا لکھ سکتا ہے۔ یہ خدا کا بندہ ہر آن اور ہر دم ملک و ملت اور مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود کی خاطر اپنا عیش و آرام وقف کئے ہوئے ہے۔ (الخ)"

(شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

جماعت کے لئے باعثِ فخر

"مولانا حسین احمد مدنی ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے تقدس اتباعِ سنت اور علم و عمل پر ہماری جماعت کو فخر حاصل ہے۔ جن لوگوں نے مولانا کو نزدیک سے دیکھا ہے ان سے پوچھیے کہ وہ کس پائے کے عالم اور باخدا بزرگ ہیں"

حضرت مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار
بروایت مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی رکن دار الافتاء
دار العلوم دیوبند)

اپنا یقین ہے کہ...

"اپنا یقین ہے کہ اس وقت اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر اگر حسین احمد اور مفتی کفایت اللہ ایماندار اور دیانتدار نہیں ہیں تو پھر کوئی دوسرا مسلمان ایماندار اور دیانتدار نہیں کہا جا سکتا۔"

(حضرت مولانا سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار
بروایت مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی)

چہ نسبت خاک را...

"حضرت مولانا مدنی دام فیوضہم کے مقابلہ میں میرا نام لینا صرف آپ کی چشم محبت کا کرشمہ ہے ورنہ میں تو ان کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے بھی قابل نہیں۔" چہ نسبت خاک را با عالم پاک" بزرگوں کا مشورہ ہے "خاک از تودۂ کلاں بردار" میرے پاس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کے سوا کچھ نہیں۔"

(حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)
(اقتباس مکتوب بنام مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی)
مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۴۶ء از بھوپال

دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے

مولانا حسین احمد صاحب کا درس بحمد اللہ حرم نبوی میں بہت عروج پر ہے اور عزت وجاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علماء کو کیا معنی یمنی اور شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں ہے۔ آپ سراپا خلیق، مہمان نواز، غیور، باحیاء اور بعض ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں جن پر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ (حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی مرحوم) تذکرۃ الرشید ص ۱۰۹

صحابہ جیسی زندگی

"عرصہ ہوا استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ریاض احمد صاحب نے اپنے ایک عزیز شاگرد سے فرمایا تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ (بالفرض) اگر اس دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہندوستان تشریف لائیں تو کہاں قیام فرمائیں گے؟؟ اس کے بعد خود ہی جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ پورے ہندوستان میں صرف دو شخص ہیں جن کے یہاں آپ کا قیام ہوسکتا ہے۔ ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، دوسرے نائب امیر شریعت مولانا محمد سجاد صاحب، کیونکہ یہ دونوں صحابہ جیسی زندگی گذارتے ہیں اور مسلمانوں سے اسی زندگی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔"

(مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی رکن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند)

اصل صورت مستور رہی

مولانا (مدنیؒ) جنگ آزادی کے بہت بڑے قائد اور رہنما تھے لوگوں کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہوگی اور شاید مولانا کی انتہائی مدح اور تعریف سمجھی جائے گی لیکن ایسا نہیں ہے۔ مولانا کی اصل صورت و حیثیت اس کے پیچھے مستور رہی ہے اور اس حجاب نے بڑے بڑے لوگوں کی نگاہوں سے ان کو اوجھل رکھا ہے۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت شیخؒ کی زندگی کا سب سے اعلیٰ اور امتیازی وصف

حضرت مولانا مدنیؒ کی زندگی کا سب سے پہلا، ممتاز اور اعلیٰ وصف اخلاص و للہیت ہے افسوس! کہ الفاظ کثرت استعمال سے اپنی قیمت اور وزن کھو دیتے ہیں

اخلاص بھی انہی لفظوں میں سے ہے۔ ہر معمولی دیندار اور ذرا پابند صوم وصلوٰۃ آدمی کو ہم مخلص کہہ دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک آدمی کی سب سے پہلی تعریف مخلص ہوتی ہے حالانکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مخلص ہونا انسان کی آخری اور انتہائی تعریف ہے۔ "اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کے مقام پر پہنچنا آسان نہیں یہ مقام نبوت کا پرتو ہے۔ میں نے مولانا کی زندگی میں اس جوہر کو بہت نمایاں دیکھا۔ (مولانا ابوالحسن علی ندوی)

دامن دنیاوی منفعت کے داغ سے پاک رہا

جب آزادی کا درخت لگایا جارہا تھا اور اس کی آبیاری کے لئے خون پسینہ کی ضرورت تھی تو وہ پیش پیش تھے لیکن جب اس درخت کے پھل کھانے کا وقت آیا اس وقت وہ اللہ کا بندہ اتنی دور جابیٹھا جہاں اس کی ہوا بھی نہ لگ سکے وہ آزادی سے پہلے بھی ایک مدرس تھے اب بھی وہی مدرس رہے۔ پہلے بھی ایک مختصر سی تنخواہ پاتے تھے اب بھی وہی پاتے رہے۔ آزادی کی جدوجہد کے رفیقوں اور ہمسفروں میں وہی ایک شخص تھے جن کا دامن دنیوی منفعت کے داغ اور آلودگی سے پاک رہا اور بلاواسطہ کسی طرح اپنے صاحب اقتدار و با اختیار رفیقوں کے ممنون نہیں ہوئے۔ (ایضاً)

بلند حوصلگی

دینی وعلمی حلقہ میں مولانا جس چیز میں ممتاز تھے وہ بلند حوصلگی ہے جس چیز کو رضائے الٰہی کے لئے ضروری سمجھا اس کو انہوں نے بڑی خوش دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا اور برداشت کیا بلکہ دعوت دی خواہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ صبر آزما اور ہمت شکن ہو۔ انہوں نے اس وقت کئی کئی برس جیل میں کاٹے ہیں۔ جب جیل جانا کوئی آسان کام نہ تھا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی بڑی چیز اور بظاہر زیادہ سخت چیز کا مقابلہ کر لیتا ہے لیکن بعض چھوٹی چھوٹی باتوں سے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حکومت سے ٹکر لینا اور اس کی سختیوں اور مظالم کو برداشت کرنا آسان ہے لیکن گھریلو معاملات اور گھریلو تعلقات کے سامنے پاؤں پھسل جاتے ہیں لیکن مولانا نے ہر چیز کا مقابلہ کیا اور انہوں نے کوئی کام اپنی زندگی میں اس لئے چھوڑنا کیا معنی ملتوی نہیں کیا کہ وہ مشکل ہے۔

دینی انہماک و مصروفیت

حضرت مولانا مدنیؒ کے دینی انہماک اور مصروفیت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان سے کچھ قریب رہے ہیں۔ ایسا مسلسل اور انتھک کام کرنے والا اور نہ اکتانے اور نہ گھبرانے والا انسان بہت کم نظر آیا ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو مولانا کی مصروفیت کو دیکھتے وہ گھبرا جاتے تھے اور پریشان ہو جاتے تھے کہ مولانا اتنا کام کیسے کرتے ہیں۔ سینکڑوں آدمیوں سے ملنا، درجنوں مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا ایک سے ایک مطلب اور ضرورت کی بات کرنا، حتیٰ کہ تعویذ چاہنے والوں کو تعویذ دینا پھر اسی میں درس کی تیاری کرنا اور پھر کبھی کبھی وقت صبح و شام، ظہر، بعد عشاء اور کافی رات تک درس دینا اور درس بھی ایسا عالمانہ، فاضلانہ جو ان کے منصب کے مطابق تھا، پھر خطوط کا جواب دینا، جب تک خود لکھ سکنے کے قابل رہے خود ہی جواب لکھتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ دینی شخصیتوں میں سے کسی کے پاس اتنی ڈاک نہ آتی ہوگی جتنی مولانا کے پاس آتی تھی۔ اس لئے کہ مولانا کی حیثیت سیاسی لیڈر کی بھی تھی اور ایک عالم دین کی بھی، مہمانوں کا اکرام، ایک ایک شخص کی طرف خصوصی توجہ، اس کی ضرورت پوری کرنا اور وہ بھی پوری بشاشت و انبساط اور انشراح کے ساتھ کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک بہت بڑا کارنامہ

مولانا کا ایک بڑا کارنامہ جس کی اہمیت کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے، یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں اور اس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی بقاء و قیام کا ایک بڑا ظاہری سبب مولانا ہی کی ہستی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ بڑے بڑے کوہ استقامت جنبش میں آگئے۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ اب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں دو چار ہی دور ایسے گذرے ہیں جب مسلمانوں اور اسلام کی بقا کا سوال آگیا ہے۔ ۴۷ء کا ہنگامہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حق میں اسی نوعیت کا تھا۔ اصل مسئلہ سہارنپور کے مسلمانوں کا تھا اور سارا دارومدار ان پر تھا یہ اپنی جگہ چھوڑتے تو یو۔پی کے مسلمانوں کے قدم لغزش میں آجاتے۔ سہارنپور کے مسلمانوں کا انحصار سارا کا سارا دو ہستیوں حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور حضرت مولانا مدنی پر تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ جمنا کے کنارے ہونا تھا لیکن یہ دو صاحب عزم مجاہد بندے وہاں جمے رہے۔ ایک رائے پور کی نہر کے کنارے بیٹھ گیا اور ایک دیوبند میں۔ آپ کو معلوم ہوگا یہ رائے پور اور دیوبند مشرقی پنجاب کے ان اضلاع سے متصل ہیں جہاں کشت وخون کا ہنگامہ گرم تھا لیکن یہ اللہ کے بندے پورے عزم و استقلال کے ساتھ جمے رہے، اور انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ اسلام کو یہاں رہنا ہے اور رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ: "مسلمانوں کا یہاں سے نکلنا صحیح نہیں اگر تم مشورہ چاہتے ہو تو ہم مشورہ دیتے ہیں اگر فتویٰ کی ضرورت ہے تو ہم فتویٰ دینے کو تیار ہیں!۔"

اس وقت جو ہندوستان میں اسلام اور مسلمان قائم ہیں۔ یہ انہی بزرگوں کا احسان ہے، ہندوستان میں جو مسجدیں اس وقت قائم ہیں اور ان میں جو نمازیں پڑھی جارہی ہیں اور پڑھی جاتی رہیں گی یہ ان کا طفیل ہے۔ ہندوستان میں جتنے مدرسے اور خانقاہیں قائم ہیں اور جو فیوض و برکات ان سے صادر ہورہے اور ہوتے

رہیں گے انہیں کے رہین منت ہوں گے اور ان سب کا ثواب ان کے اعمال نامے میں لکھا جاتا رہے گا۔ اس سلسلے میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ نے سارے ملک کا دورہ بھی کیا۔ ایمان آفریں اور ولولہ انگیز تقریریں کیں اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ اپنی تقریروں اور خود اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو اس ملک میں رہنے، اپنے ملک کو اپنا سمجھنے اور حالات کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا۔

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم)

انسانی بلندی

مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ علمی و سیاسی حیثیت سے جس قدر بلند ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہیں۔ لکھنے والے ان گوشوں پر لکھیں گے، لیکن میرے خیال ناقص میں ان کی جو حیثیت سب سے زیادہ روشن ممتاز اور مسلمہ ہے وہ ان کی انسانی بلندی ہے۔ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

کہ عنقارا بلند است آشیانہ

ہندوستان کی جنگ آزادی میں مولانا (مدنیؒ) نے جو سرفروشانہ اور قائدانہ حصہ لیا اور اس راستے میں انہوں نے جو مصائب اور تکلیفیں برداشت کیں ان میں صرف انگریزوں کے بغض (جن کو وہ اسلام اور مسلمانوں کا عدو اکبر سمجھتے تھے) ہندوستان کی آزادی اور اس سے دیگر ممالک اسلامیہ کی آزادی میں سہولت اور اسلاف اکابر خصوصاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کی اطاعت کا جذبہ کام کر رہا تھا اسکے علاوہ کسی مادی منفعت اور ذاتی مصلحت کا تصور اور خطرہ بھی شاید ان کے دل میں نہ آتا ہو، چنانچہ جب ہندوستان آزاد ہوگیا تو وہ اپنے اصل کام (درس و تدریس اور تزکیہ و ارشاد) میں ایسے مصروف اور سیاسی جدوجہد کے میدان سے ایسے کنارہ کش ہوگئے

جیسے ان کا کام ختم ہو چکا ہو، صفِ اوّل کے قائدین میں (میرے علم میں) تنہا وہ ایک شخص تھے جنہوں نے اپنی پچھلی سیاسی زندگی اور قربانیوں کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ قیمت بھی وصول نہیں کی اور نہ وقت سے فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ جب ان کو جمہوریۂ ہند کی طرف سے سب سے بڑا اعزازی خطاب عطا کیا گیا تو اس کو قبول کرنے سے صاف معذرت کردی اگرچہ ان کے طبعی انکسار نے یہ وجہ بیان کی کہ: "یہ ان کے اسلاف کرام کے شیوہ اور مسلک کے خلاف ہے" مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ اپنے دامنِ اخلاص پر خفیف سے خفیف داغ بھی گوارا نہیں کرسکتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے اس فیصلہ نے پھر ایک بار اس حقیقت کا اظہار کردیا

"کہ عنقا را بلند است آشیانہ"

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

پوری زندگی احتساب و اخلاص میں گذار دی

جو لوگ حقیقت سے آشنا اور حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ (دارالعلوم) دیوبند کی تنخواہ (جس کا مولانا اپنے دنیا دار ہونے کے ثبوت میں بار بار اعلان فرماتے تھے) وہ ان کے وسیع مہمان خانے کے ایک ہفتہ بلکہ شاید نصف ہفتہ کا بھی خرچ نہیں تھی اور اس کا بڑا حصہ سفروں کی غیر حاضری کی بنا پر کٹ جاتا تھا اور برائے نام وہ ان کے حصہ میں آتی تھی۔ انہوں نے دراصل اپنی پوری زندگی احتساب و اخلاص میں گذار دی اور اخفائے حال کے لئے مدرسہ کی تنخواہ کا پردہ ڈال رکھا تھا۔

وسعت قلب

مولانا (مدنیؒ) خاندانی یا ذاتی حیثیت سے کوئی رئیس و متمول شخص نہ تھے مگر اللہ نے ان کو بادشاہوں جیسا حوصلہ اور ظرف (خدا مجھے معاف کرے میں نے غلط کہا) بلکہ

اہل اللہ اور نائبین انبیاء جیسا حوصلہ اور ظرف عطا فرمایا تھا۔ ساری زندگی "الید العلیاء خیر من ید السفلیٰ" پر عمل رہا۔ وہ بہت کم دوسروں کے ممنون ہوئے اور انہوں نے ایک عالم کو ممنون کیا۔ ان کا مہمان خانہ ہندوستان کے وسیع ترین مہمان خانوں اور اُن کا دسترخوان ہندوستان کے وسیع ترین دسترخوانوں میں تھا اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا قلب اس سے بھی زیادہ وسیع تھا۔ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

تاثرات: مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دینی اور روحانی تحریک کی آخری کڑی

۱۸۵۷ء کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام سے جس تعلیمی دینی، روحانی اور اجتماعی تحریک کا آغاز ہوا تھا اس کے کئی دوروں اور انقلابوں کی تکمیل مولانا مدنیؒ کی ذات پر ہو کر ۱۹۵۷ء پر اس کی انتہا ہوگئی۔ ابتدائی کڑی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تھی جس سے اس نئے دور کا آغاز ہوا، درمیانی کڑی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے اسے شباب تک پہنچایا اور آخری کڑی حضرت شیخ الاسلام تھے جنہوں نے اسے انتہا کو پہنچایا اور اس طرح ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک سو برس کے عرصے میں اس تحریک کا ایک دور مکمل ہو کر ختم ہوگیا۔

اسلامی علوم و معارف کے علمبردار

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اسلامی علوم و معارف اور ایشیائی فنون و آداب کے علمبردار تھے اور آپ کی ہمت ظاہری و باطنی سے ملک اور بیرون ملک ہزاروں علماء اس علمی امانت کے امین بن گئے جو اس مرکز علم و فن (دارالعلوم دیوبند) سے آپ کی بدولت نشر ہوتی رہی، آپ اپنے اساتذہ و شیوخ کے ابتدا ہی سے معتمد علیہ اور مرکز توجہ

رہے اور بلا استثناء ان کے تمام اکابر و شیوخ انہیں اطمینان و اعتماد اور امید بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ اس لئے آپ مختلف ماہر فن اساتذہ و شیوخ کی علمی و عملی یادگار تھے، قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر، ادب و خطابت، منطق و فلسفہ کی مہارت و حذاقت آپ کے قول و فعل سے نمایاں رہتی تھی۔ آپ کی اس جامعیت نے علمی دنیا کو جو فائدہ پہنچایا اس پر صدیوں کام ہوتا رہے گا اور دنیا اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتی رہے گی۔ باطنی سلسلوں میں پارسائی، پاکیزگی نفس، تقویٰ و طہارت، ضبط اوقات، تکمیل معمولات اور باوجود متفرق دینی و قومی مشاغل کے ان کی ہمہ وقت پابندی آپ کا ایک سہل ممتنع مشغلہ تھا۔ حب الوطنی آپ کے نزدیک صرف ایک سیاسی نظریہ ہی نہ تھی بلکہ ایک علمی اور اخلاقی اور خود ان کے الفاظ میں ایک دینی جذبہ کی حیثیت سے آپ کا جوہر نفس تھی اور دین کی یہ تعلیم کہ "اچھا مسلمان دنیا کا ایک اچھا شہری بھی ہو" آپ کی ذات گرامی میں عملی صورت سے ہر وقت نمایاں رہتی تھی۔

فیضانِ علم

حضرت شیخؒ ممدوح کا فیضان نہ صرف ہندوستان کی چہار دیواری تک محدود رہا بلکہ عرب و عجم میں پھیلا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علم سے فراغت پاکر حرم نبوی میں درس قرآن و حدیث اور تدریس علوم و فنون کا آغاز فرمایا اور دس بارہ برس اس سرچشمہ علوم نبوت میں بیٹھ کر علوم نبوت کی خدمت کی جس سے عرب و عجم کے لوگ فیض یاب ہوئے اور آپ کے تلامذہ ایشیائے کوچک سے لے کر یوربین ٹرکی تک پہنچے اور آخر کار عمر کے آخری حصہ میں تینتیس ۳۳ برس کامل دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس پر فائز رہ کر مشرق و مغرب کے لوگوں کو علوم کے آب حیات سے سیراب فرمایا۔

آپ کو پوری قوم نے جانشین شیخ الہند تسلیم کیا

دینی سلسلوں کے ساتھ حضرت (شیخ مدنی) محترم ایک عظیم سیاسی رہنما اور زبردست انقلابی مجاہد بھی تھے جنہوں نے عدم تشدد کے اصول پر ہندوستان میں انقلاب لانے

کی سرگرمیوں میں قائدانہ حصّہ لیا۔ آپ اس سلسلے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانی دار العلوم دیوبند کے تاریخی، سیاسی فلسفہ اور حکمت کے امین اور اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے حکیمانہ جوش عمل کے علمبردار تھے جس سے آپ کو پوری قوم نے جانشین شیخ الہند تسلیم کیا اور آخر کار شیخ الہندؒ کے لقب سے یاد کئے جانے لگے۔

جدوجہد کی نوعیت

ان کی آزادی کی جدوجہد سیاسی تھی اور اس کی روح اخلاقی اسی لئے جہاں آزادی کی جنگ ان کے دست و بازو کا اثر تھی وہیں اخلاق کی تعمیر سے قلوب کی تربیت اور فطرت الٰہیہ کی عطا فرمودہ حدود و قیود کے دائروں میں انہیں محدود و مقید رکھنے کی جدوجہد بھی ان کے عمل کا ایک جزو لاینفک تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مشرق و مغرب کے مزاج الگ الگ ہیں لیکن مغربی اقتدار کے غلبہ نے مشرق کے مزاج کو فاسد کر دیا ہے۔ اگر یہ بیماری زائل ہو گئی تو بعد چندے مشرق کے اصل مزاج کی صحت عود کر آئے گی۔ یہی وہ نظریہ تھا جس پر شیخ الاسلام نے اپنے بزرگوں کی ظاہری و باطنی رہنمائی میں کام کیا اور علم و تحقیق کا ایک نیا باب کھول کر اس کا عملی نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

آپ کی مساعی کا مرکز

حضرت شیخؒ کی مساعی کا مرکز (و محور) ملک کی آزادی ایشیا کی آزادی، مشرق کی آزادی اور آخر کار اخلاق و انسانیت کی آزادی تھی یہ نظریہ ان کا عقیدہ تھا جو انہیں وراثت میں ان کے شیوخ سے ہاتھ آیا تھا اور وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ مغرب کی ان مادی قوتوں کی برقراری کی صورت میں اخلاقی قوتیں اور انسانیت کی جوہری قدریں کبھی نہیں ابھر سکتی ہیں۔

ان کی محبوبیت میں فرق نہ آتا تھا

حضرت شیخؒ اس دور الحاد و بیدینی میں روشنی کا ایک مینار تھے اور اگر بقول

امیرامان اللہ خاں (سابق بادشاہ افغانستان) "شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ ایک نور تھے" تو شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی اس نور کی ضیا اور چمک تھے۔ یہ نور ان سے منتشر ہوکر ان کے ماحول اور ملک میں پھیلا اور اس نے ماحول کو روشن کر دکھایا۔ ان کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جسم مادہ کی قوتیں کارفرما تھیں۔ منکرات پر جلال کے ساتھ نکیر فرماتے تھے جس سے بغض فی اللہ کے جذبات صاف مترشح اور محسوس ہوتے تھے پھر بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ جوش و جلال کے باوجود ان کی محبوبیت میں فرق آتا نہ مطلوبیت میں۔

زندگی بھی خوب موت بھی پاکیزہ

(حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی) زندگی بھی خوب گذری اور موت بھی پاکیزہ پائی "طاب حیًا و میتًا"۔ بعد مردن چہرہ پر نورانیت اور چمک غیر معمولی تھی۔ روشنی میں چہرہ کی چمک دمک اور اس کا جمال نگاہوں کو سیر نہیں ہونے دیتا تھا۔ لبوں پر ایک عجیب مسکراہٹ تھی جسکی کیفیت الفاظ میں نہیں آسکتی جو یقیناً مقبولیت عند اللہ اور اسی کے ساتھ موت کے وقت بشاشت و طمانیت کی کھلی علامت تھی، جو مقبولیت زندگی میں تھی وہی موت کے بعد بھی رہی اور باقی ہے اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے کہ وصال کی خبر آناً فاناً ہوا پر دوڑ گئی۔ دنیا کے بڑے بڑے ممالک نے ریڈیو پر وصال کی خبر نشر کی اور ہندو بیرون ہند سے تعزیتی فون، تار اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ وصال کے بعد ایک بجے شب تک خدا ہی جانتا ہے کہ انسانوں کا ہجوم کہاں سے ٹوٹ پڑا کہ دار العلوم کا وسیع احاطہ ہجوم سے اُبل پڑا، ہجوم اور جنازہ پر کنٹرول دشوار ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وابستگان حق اور محبوب القلوب ہستیاں زندگی اور موت دونوں ہی میں محبوب القلوب رہتی ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ اللہ والے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ صدیاں گذر جانے پر بھی دلوں میں انکی روح دوڑتی رہتی ہے اور ان کی محبوبیت بدستور قائم رہتی ہے۔ ان کی معنویت فنا نہیں ہوتی اور وہ مرکر بھی زندہ ہی بنے رہتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند)

قوت نسبت

متضاد اوصاف و کمالات کا ایک شخص میں بیک وقت جمع ہوجانا شاید مشکل اور عجیب سا نظر آئے لیکن تعلق مع اللہ اور حق تعالیٰ سے نسبت قائم ہوجانے کے بعد یہ اجتماع کوئی مشکل یا عجیب بات نہیں رہتی . . . حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی طاقت یہی نسبت مع اللہ تھی جس سے وہ کہیں گرم اور کہیں نرم۔ کہیں آگ کہیں پانی کہیں خلوت گزیں کہیں جلوت نشیں، کہیں منفرد اور کہیں مجتمع اور جامع نظر آتے تھے اور جہاں بھی ہوتے تھے وہی ان کے لئے اس نسبت کے سبب رضاء حق کا مقام ہوتا تھا ان کی نسبت کی قوت اور معنوی مضبوطی کے متعلق میں نے اپنے خسر مولوی محمود صاحب مرحوم رامپوری سے سنا (جو حضرت مدنی کے تمام کتابوں میں ساتھی اور بے تکلف دوستوں میں تھے) جب حضرت مدنی کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت و خلافت عطا فرمائی تو اس وقت عام اہل نسبت بزرگوں کی رائے اس پر متفق تھی کہ مولانا مدنی کی نسبت قوت میں حضرت حاجی صاحب کی نسبت کے مشابہ اور نوعیت میں ان سے ملتی جلتی ہے۔

(مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

نسبت کی عمومیت و ہمہ گیری

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے اسلامی جزئیات سے اپنوں کی تکمیل و تربیت کرکے انہیں اسلام پر جمایا ہے اور حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے بیضۃ اسلام اور مجموعہ دین کی حفاظت کرتے ہوئے اسے اغیار سے محفوظ رکھنے اور اغیار کو اس کی طرف کھینچنے کی جدوجہد فرمائی ہے۔ اسلام کی سرحدات کو حجت و برہان سے مستحکم کیا اور اپنی تقریر و تحریر سے اصول اسلام اور دین کا تحفظ کرکے اسے اعدا کی دست برد سے مامون کیا ہے جس سے ان کی نسبت کی ہمہ گیری اور عمومیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس لئے مولانا سندھی حضرت گنگوہیؒ کو فقیہ الاسلام اور حضرت نانوتویؒ کو

حکیم الاسلام کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

مولانا مدنیؒ کی نسبت کی اس عمومیت وہمہ گیری ہی کا یہ اثر تھا کہ ان کا ظاہری و باطنی فیضان ملک گیر بنا اور ملک سے باہر بھی پہنچا۔ وعظ و تلقین سے بھی ملک کا کوئی گوشہ خالی نہ چھوڑا بیعت وارشاد سے بھی کسی چپہ کو خالی نہ رہنے دیا اور اسی طرح سیاسی نصب العین کی تلقین سے بھی کسی گوشۂ ملک کو خالی نہ باقی رکھا۔ دنیا بھر میں خود بھی گھوم گئے اور دنیا بھر کو اپنی طرف بھی کھینچ بلایا۔ دیوبند اور غیر دیوبند میں ان کے گرد وپیش ایک میلہ سا لگا رہتا تھا اور ایک مقناطیسی کشش تھی کہ جس میں ذرا سا بھی آہنی مادہ ہوتا وہ ان کی طرف کھینچ کر چلا آتا مگر اس عمومیت کے باوجود خصوصیت کی قیدیں کسی وقت ڈھیلی نہ پڑتی تھیں جہاں مسترشدین کی تربیت فرماتے جو جزئیات اور جزئیت پسندی سے ہوتی ہے تو اس میں جزدی روک ٹوک بھی پورے شد ومد کے ساتھ ہوتی تھی۔ داڑھی کا مسئلہ سامنے آگیا تو داڑھی منڈانے پر خفا بھی ہو رہے ہیں۔ نکاح میں مہر کا قصہ سامنے آیا تو بڑی مقداروں کو رد کر کے مہر فاطمی پر زور دے رہے ہیں کفن کا قصہ سامنے آیا تو کھدر پر زور دے رہے ہیں، صلیب کے نشان کا قصہ سامنے آیا تو اس کے مٹانے کی غصہ سے تاکید فرما رہے ہیں وغیرہ۔ لیکن اگر ملکی مفاد یا اجتماعی مسئلہ سامنے آیا تو پورے توسع سے کام لے رہے ہیں اور ہر طبقہ کے لوگوں کو جمع کئے ہوئے ہیں۔ اس وقت وہ مسترشدین اور مریدین والی روک ٹوک ہمہ گیری سے بدل جاتی تھی جس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا تھا لیکن یہ سیاسی مقاصد کی حد تک ہوتا تھا۔ مخلوط افراد کے جمع ہو جانے کا قدرتی نتیجہ مشترک عمل اور مشترک ثقافت ہی کی صورت میں نکل سکتا تھا جس کی اس مجمع کو تلقین کی جاتی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ معاذ اللہ دین کو مخلوط کر دیتے تھے یا دینی خصوصیت کا جذبہ اس وقت مضمحل ہو جاتا تھا بلکہ جب ہر پلیٹ فارم کی خصوصیات الگ ہوتی ہیں سیاسی اور مخلوط پلیٹ فارم پر انہی ہی بات کی تبلیغ ہو سکتی تھی جو سب قوموں کے درمیان مشترک ہو، اس سے دینی تبلیغ کے خلط ملط کر دینے کا وسوسہ کسی کم فہم کو بھی نہ گذرنا چاہیئے، بہرحال حضرت ممدوحؒ کا تقید بھی اتنا ہی قوی تھا جتنا کہ ان کا توسع مگر ہر ایک کیلئے محل اور موقع جدا جدا تھا جس کی وہ رعایت فرماتے تھے۔

(حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

منفرد و بے مثال

مشاہیر اسلام میں کسی کو "بدیع الزماں" کے لقب سے پکارا گیا ہے اور کسی کو مؤرخین "نادرۃ العصر" لکھتے ہیں۔ جن مشاہیر کو ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے ان کے کسی ایک کمال کے لحاظ سے یہ القاب حقیقت پر مبنی ہوں تو ہوں مگر ان کے تمام اوصاف کے لحاظ سے خالی از مبالغہ نہیں لیکن شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے جملہ اوصاف کے لحاظ سے بدیع الزماں، نادرۃ العصر اور یکتائے روزگار تھے۔ وہ اپنے متنوع علمی کمالات و باطنی مقامات، بے شمار محاسن اعمال اور بے انتہا بلند اخلاق و کردار کے لحاظ سے بالکل منفرد و بے مثال تھے۔ (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی)

عظیم روحانی قوت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی (ثم الدھلوی) رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ عالم جذب میں مولوی ظہیر الحسن ایم۔اے کاندھلوی مرحوم سے خود ان کے مکان پر فرمایا کہ:۔
میاں ظہیر! لوگوں نے مولانا حسین احمد کو پہچانا نہیں، خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اگر وہ اس طاقت سے کام لے کر انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنا چاہیں تو نکال سکتے ہیں لیکن چونکہ یہ عالم اسباب ہے اس لئے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ان کو وہی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اس دنیا میں برتے جاتے ہیں۔ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم۔اے۔ مدیر ماہنامہ برہان دہلی)

جامع اسلوب تدریس

حضرتؒ کتنی محنت اور جد و جہد سے معانی عالیہ کو طلباء کے ذہنوں میں اتارتے تھے

اس کو وہی حضرات اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں جو میدان تعلیم کے شہسوار اور منزل تحقیق و تلاش کے شناسا ہیں۔

مجھے تو اپنے زمانہ تعلیم میں برابر حیرت رہی کہ حضرت مطالعہ کس وقت کر لیتے ہیں۔ باہر مہمانوں کا ہجوم۔ درجنوں خطوط کے روزانہ جوابات۔ بیعت ہونے والوں کو تلقین اور استغفار کا اہتمام اور اس کے ساتھ ساتھ اتنا شاندار محققانہ درس، یہ سب کثرت ذکر، اتباع سنت اور بزرگوں کی توجہات کی برکات تھیں کہ حیرت انگیز طریقہ پر امور مہمہ کو روزانہ پوری قوت و شوکت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ درس حدیث میں قرآن کے معانی بھی حل ہوتے تھے۔ سیرت نبوی کے گوشے بھی نمایاں ہوتے تھے۔ فقہ کے مسائل بھی سمجھائے جاتے تھے معانی و بیان سے بھی آگاہ اور اسماء الرجال اور علم لغت سے بھی شناسا کیا جاتا تھا۔ تاریخ و جغرافیہ سے بھی تعلق پیدا کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ دارین کے فوائد مرتب ہوتے تھے اور یہیں سے تزکیہ نفس اور احسان و تصوف کی بھی لگن پیدا ہو جاتی تھی۔

(مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی)

اخلاص کامل

جس سال آپ آخری حج سے واپس تشریف لائے تو دیوبند تقریباً ۳ بجے شب پہنچے اسی دن صبح کے وقت اعلان کر دیا کہ سبق ہو گا۔ دنیا سفر سے واپس آ کر ایک ایک ہفتہ آرام کرتی ہے۔ مہینہ مہینہ بھر آرام کرتی ہے لیکن یہاں راحت و آرام کا نام ہی نہیں۔ ہر وقت اپنی ڈیوٹی اور فرض منصبی کا خیال ہے کیا یہ کیفیت بغیر اخلاص کامل کے پیدا ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔

مہتمم صاحب (دارالعلوم دیوبند) ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دن حالت مرض میں آپ کی خدمت میں تنخواہ کے تقریباً ڈیڑھ ہزار روپے پیش کئے گئے۔ آپ نے فوراً انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب میں نے کام ہی نہیں کیا تو تنخواہ کیوں لوں؟؟

ہم جیسے لوگوں کی تو ڈیڑھ ہزار روپیہ دیکھ کر رال ٹپک جاتی لیکن ایک صاحب اخلاص کے یہاں ان چیزوں کا خیال تو درکنار۔ اس قسم کے حالات (کے شائبہ) سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ دارالعلوم میں جتنے ایام پڑھاتے تھے اتنے ہی دن کی تنخواہ لیتے حالانکہ کام سب سے زیادہ کرتے تھے اور رات کے بارہ بجے تک اسباق پڑھاتے رہتے تھے۔

(مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجاز حضرت شیخ رحمہ)

ممتاز بلند اور نمایاں

کسی بھی میدان کو لیجئے؛ حضرت مولانا (مدنیؒ) اس میں ایک ممتاز بلند اور نمایاں ہی مقام رکھتے تھے سیاست کا میدان پُرخار ہو یا حکم و حکمت کا پُر بہار و خوشنما گلزار عزیمت وجہاد کی سنگلاخ وادیاں ہوں یا سلوک و تصوف کی پُر پیچ و نازک شاہراہیں وہ ہر ایک جولانگاہ میں یکساں تگ و تاز کے مالک تھے۔ ہر ایک راہ میں وہ رہرو ہی نہیں رہبر تھے۔ ایسے باامتیاز رہبر جن سے ہر میدان کے رہبر بھی رہبری حاصل کریں اور ان کے اسوۂ عمل کو اپنے لئے شمع راہ بنائیں۔

(حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور)

مجھے معلوم نہ تھا کہ.....

مولانا مدنیؒ کی اسارت کی خبر پر حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے کسی قدر رنج وحزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے"

اور جب حضار مجلس میں سے کسی خادم نے یہ عرض کیا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت نے فرمایا: "آپ مجھے اس جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں۔ کیا حضرت

حسینؓ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے۔ مگر آج تک کون ایسا شخص ہوگا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو۔"

(روایت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی زیدمجدہم)

جامعیت

حرم مدینہ نے آپ میں جمعیت کی روح پھونکی۔ مالٹا نے آپ میں جامعیت کی لہر دوڑائی اور دارالعلوم دیوبند نے آپ کو اجتماعیت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

(حضرت قاری محمد طیب صاحب زیدمجدہم بروایت جناب عبدالرحمٰن صاحب لدھیانوی)

اصول ترک نہیں کیا

آپ عزیمت واستقامت کے پہاڑ تھے۔ اخلاقی جرأت اور حق گوئی آپ کا خاص جوہر تھا جس سے دنیا کی سب سے بڑی سلطنت بھی آپ کو باز نہ رکھ سکی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں آپ نے برطانیہ کے موافق اور ترکوں کے خلاف فتویٰ دینے سے انکار کر دیا اور حضرت شیخ الہند کی معیت میں حریت وطن اور ترک موالات کی آواز اس وقت اٹھائی جب کانگریس نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے بے باکی سے اعلان کیا کہ میرے نزدیک کسی مسلمان کے لئے انگریزی فوج اور پولیس میں نوکری کرنا جائز نہیں ہے۔

تقسیم ملک کے سلسلے میں مسلمانوں کی اکثریت آپ کے سیاسی مسلک سے متفق نہیں تھی۔ اس مسلک کی صحت وعدم صحت کی بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اگر آپ مقبول اور ہردلعزیز بننا چاہتے تو اکثریت کی تائید کرتے۔ لیکن آپ نے طنز وملامت اور استہزاء کی پروا کئے بغیر وہ راستہ اختیار کیا جسے آپ حق سمجھتے تھے۔ آپ کی توہین وتذلیل کی گئی، نظم ونثر میں ہجو لکھی گئی۔ آپ کے خلاف فتویٰ شائع کئے گئے اور جھوٹے الزام

لگائے گئے۔ لیکن آپ نے کسی طاقت سے مرعوب و متاثر ہو کر اپنا اصول ترک نہیں کیا۔

(جناب مولانا احمد صاحب ایم۔ اے فاضل دیوبند)

باری تعالیٰ نے آپ کو صفات مرضیہ کا وافر حصہ عطا فرمایا

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی بہت سی صفات مرضیہ سے بڑے بڑے حصے نصیب فرمائے تھے اور اپنے دین کے شعبوں میں سے بہت سے شعبوں کو ان کے ذریعے چلایا تھا جو حقیقت میں ان کی ذات سے نہیں چلے تھے بلکہ ان کی ذات جن صفات محمدیہ کی حامل تھی۔ اس کے ذریعہ جو زبردست نصرت خداوندی ان کے ساتھ تھی اس کے ذریعے سارے شعبے چل رہے تھے۔ انہوں نے ساری عمر کفر و شرک و باطل کے مقابلے میں گذاری انہیں باطل کے ساتھ قلبی غیظ تھا۔ انہوں نے بہیمیت کے خلاف آواز بلند کی تھی۔

(امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

دینی غیرت و اسلامی حمیّت

حضرت (مدنی) مرحوم کی دینی غیرت و اسلامی حمیّت اور دینی تعلیم کی اہمیت کا شدید ترین احساس بھی ہمارے لئے سرمایۂ عبرت تھا مجھ کو یاد ہے کہ ہمارے قصبہ کے ایک ممتاز عالم نے جب اپنے لڑکے کو حضرت کے سامنے پیش کرتے ہوئے امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کی درخواست کی تو حضرت نے پوچھا کہ کیا پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ انگریزی۔ حضرت یہ سن کر سخت برافروختہ ہوئے اور بڑی برہمی سے فرمایا کہ: اپنے لئے جنت کا راستہ تجویز کیا ہے اور لڑکے کیلئے جہنم کا!

میری نظر میں یہ نکیر شدید نفس انگریزی تعلیم پر نہیں تھی بلکہ اس کے عمومی آثار و نتائج کے پیش نظر طبقۂ علماء کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ کرنا تھا کہ وہ کیوں دینی تعلیم پر انگریزی تعلیم

کو ترجیح دیتے ہیں حضرت اقدس کو دینی تعلیم کے ساتھ ایسا شغف تھا اور دینی مدارس کے قیام اور ان کی بقاء واستحکام کا ایسا بے پناہ جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے کہ دُور دراز مقامات کے دینی مدارس کی دعوتیں بھی نہایت خندہ پیشانی سے قبول کرتے تھے اور ریل کے لمبے سفر کے بعد بیس بیس، تیس تیس میل کے کچے راستے لاری یا موٹر کے ذریعے طے کر کے ان کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے اور کارکنان مدرسہ کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اس کے ماسوا ان کے لئے چندہ کی اپیلیں شائع کراتے تھے اور اہل خیر حضرات کے نام سفارشی خطوط بھی لکھ دیتے تھے۔ (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی)

اخلاص اور جذبۂ خدمت

۱۹۲۰ء میں جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر صدارت دہلی میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس ہو رہا تھا حضرت مدنیؒ سے پہلی بار ملاقات ہوئی، اس وقت آپ حضرت شیخ الہند کے مخلص خادم تھے اور میری نگاہ میں یہی آپ کے دو خصوصی وصف ہیں۔ اخلاص اور جذبۂ خدمت۔ آپ بارگاہ امدادیہ سے فیض یاب ہوئے اور آپ نے دربار رشیدی سے فیوض حاصل کئے اور اس کے بعد تا آخر حضرت شیخ الہندؒ سے کسب کمال کیا۔ غرض ہر طرح دولت اخلاص سے بھرپور اور بادۂ عشق سے مخمور ہو گئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس دریا کا ایک پیالہ بھی ضبط کرنا مشکل ہے (حضرت مدنیؒ) سات سمندر چڑھائے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ضبط موجود ہے کیا مجال ہے کہ ساغر چھلک جائے۔ (حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی)

حضرت کے باطنی مراتب کا سمجھنا — اہل باطن کا کام ہے

حضرت کے باطنی مراتب کا سمجھنا اہل باطن کا کام ہے۔ میں اس کوچہ سے نابلد

ہوں مجھے اس کا ادراک کیونکر نصیب ہو سکتا ہے اتنا ضرور ہے ؎

احبّ الصالحین ولست منھم　　　لعل اللہ یرزقنی صلاحا

خدا توفیق دے کہ ہم میں اس کے سمجھنے کی طاقت بھی پیدا ہو جائے .... آج نماز فجر کے بعد تلاوت کر رہا تھا جب فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ پر پہنچا تو یک بیک دل میں خیال آیا کہ شاید " فی روضۃ یحبرون " سے سال وفات کے اعداد برآمد ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی رُکا اور رُک کر حروف کے اعداد پر غور کیا تو ٹھیک ۱۳۷۷ھ برآمد ہوئے۔

(حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی)

کامل اتباع سنت

ہوا میں اُڑنا، دریا میں چلنا، آگ سے گذرنا اور خرق عادات کا ظہور نہ مقصود ہے نہ مطلوب ہے۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں نہ قدم جادۂ شریعت سے باہر ہو اور نہ کوئی عمل خلاف سنت ہو۔ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے اعمال و افعال، کردار و گفتار کا بغور مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہ سنت کی پیروی آپ کی طبیعت ثانیہ کی حیثیت رکھتی تھی۔　　(حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری)

غنائے قلب کی دولت سرمدی

حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ کا سارا سرمایہ کمال ذکر اللہ، مناجات اور نوافل کی کثرت میں مضمر تھا۔ یہ ذکر اور عبادت آپ کی زندگی کے معمولات بن چکے تھے اور ہر حالت میں آپ پوری جمعیت خاطر سے ادا فرماتے تھے۔ غرض تعلق باللہ کی اسی لازوال دولت کو لے کر آپ زندگی کے ہر محاذ پر جم گئے اور غنائے قلب کی سرمدی دولت

سے سرشار ہو کر کوئی ایسا میدان نہ تھا جس کو مسکراتے ہوئے طے نہ فرمایا ہو۔
(حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی)

زہد فی الدنیا اور عبادت کا ذوق

زہد فی الدنیا کی یہ کیفیت کہ آج تک مولانا کے پاس اتنا مال جمع نہیں ہوا کہ زکوٰۃ فرض ہو، عبادت خداوندی کا یہ ذوق کہ اس شدید مرض (وفات) کی حالت میں بھی نماز فجر میں طوال مفصل ہی پڑھا کرتے تھے یہ سنت پرستیدائیت اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی کہ جن امور کو ادنیٰ تعلق بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اس پر عمل کرتے تھے . . . . دار العلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ؟ . . . . تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے بیعت لی تھی جو بیعت رضوان کے نام سے زبان زد خاص و عام ہے یہ درخت اسی کی یادگار ہے۔ (حضرت مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی)

اندازہ و تصوّر سے زیادہ مکمل پایا

(ہم نے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی) تو گھر میں جدّ محترم حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب فضلی کا سایۂ رحمت خاندان میں حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوری کا دامن گھر بار، سرپرستوں میں حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب کی نگاہ دلنواز اور اساتذہ میں حضرت مولانا مدنی کی آغوش رحمت کھلی ہوئی تھی، کچھ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی زیارت کرنے اور حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کی جوتیاں سیدھی کرنے کا موقع بھی پایا تھا وہ بھی سامنے تھا ان سب باتوں کے باوجود دیوبند سے چلا تو طبیعت اس پر اٹل تھی کہ پیری مریدی کے چکر میں نہیں پھنسنا ہے لیکن اب گردن میں اس پھندے کو ڈالنے کی ضرورت

محسوس بھی ہوئی تو حضرت مولانا ضرغام الدین صاحب نے "جہاں تمہارا علم مطمئن ہو جائے وہاں بیعت ہونا" یہ فرما کر پیروں میں اتنی سخت زنجیریں ڈالدیں کہ قرابت، پڑوس، شہرت، تصنیف، تقریر اور کرامت جیسی کوئی طاقت انہیں توڑ نہیں سکی اور پھر تقریباً تین سال تک میری اور برادر محترم مولوی ضیاءالحق اعظمی مرحوم کی سخت ردوکد اور بحث وحجت نے ہمیں لے جاکر جہاں ڈال دیا وہ آستانہ تھا شیخ الاسلام حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کا۔ کیونکہ ہم نے اس عرصہ میں تعلق، محبت، رشتہ، بزرگ پرستی اور خام خیالی کی ہر سطح سے بلند ہو کر صرف اپنی معلومات اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہا اور جو کچھ دین اور اہل دین کے لئے پڑھا اور سنا تھا اس کا مجسمہ تلاش کیا تو ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ہماری نظریں حضرت مدنیؒ کے سوا ہمیں اور کہیں نہ ٹھہر اسکیں، ہم نے جہاں سے حضرت شیخ کو دیکھا اندازہ و تصور سے زیادہ مکمل پایا حتیٰ کہ (مفسر قرآن) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی اس بات میں کوئی مبالغہ نظر نہ آیا جو انہوں نے (شوال ۱۳۷۰ھ میں) اثنائے درس فرمائی تھی کہ: "مولانا حسین احمد صاحب (مدنی) اس زمانے کے اولیاء اللہ کے امام ہیں۔"

(مولانا افضال الحق صاحب قاسمی اعظمی)
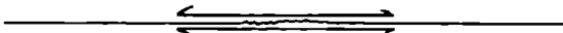
مشاہیر کی زبان سے

(تاثرات:
مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ)

ناقابل فراموش

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرحوم نے ملک کی جو خدمتیں کی ہیں ان کی بڑی قدر و قیمت ہے اور وہ اس قدر شاندار ہیں کہ ہم انہیں فراموش نہیں کر سکتے۔ ابھی ان کی عمر چھوٹی تھی کہ ان کے والد فیض آباد سے حجاز چلے گئے تاکہ زندگی کے آخری دن مدینہ منورہ میں بسر کر سکیں۔ یہ بھی ان کے ہمراہ چلے گئے جو لوگ حجاز چلے جاتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے گذارہ کے لئے اوقاف پر اعتماد کرتے ہیں لیکن ان کے خاندان نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے بساطی کی دکان کی اس سے خاندان کا خرچ چلا اور اسی حالت میں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ ہندوستان آئے مگر پھر مدینہ منورہ چلے گئے اور پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہے۔ اس وقت ان کا سیاست سے تعلق نہ تھا۔ ۱۹۱۶ء میں شیخ الہند محمود الحسنؒ حجاز گئے یہ وہ زمانہ تھا جب شریف مکہ برطانیہ سے مل کر بغاوت کا انتظام کر رہا تھا۔ ان کی موجودگی میں بغاوت کا نعرہ بلند ہوا۔ اسے مولانا محمود الحسنؒ برداشت نہ کر سکتے تھے۔

کسی طرح یہ خبر سنی گئی کہ وہ (حضرت شیخ الہندؒ) بغاوت کے خلاف ہیں۔ شریف حسین نے انہیں جدہ لا کر برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ ان کی گرفتاری ہوئی تو مولانا حسین احمد مدنی نے اکیلے رہنا پسند نہ کیا اور انہوں نے بھی اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ چنانچہ مالٹا میں دونوں کو نظر بند کر دیا گیا۔ جنگ ختم ہوئی اور مولانا محمود الحسن صاحب اور ان کے

ساتھیوں کی رہائی عمل میں آئی۔ وہاں سے وہ ہندوستان آئے۔ کچھ دن بعد کلکتہ کی جامع مسجد میں میں نے مدرسہ کھولا تاکہ عدم تعاون کے سلسلے میں جن طلبار کو کالج چھوڑنا پڑا تھا ان کی تعلیم کا انتظام ہو سکے۔ اس مدرسہ میں مولانا حسین احمد مدنی مدرس اول رہے اور وہاں کام کرتے رہے لیکن وہ سیاسی جلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے اور سرگرم پارٹ ادا کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انہوں نے اپنے تئیں آزادی کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ کانگریس تحریک میں انہوں نے مردانہ وار حصہ لیا اور قید و بند کی مصیبتیں سہیں اس سے بھی زیادہ وہ مصیبتیں تھیں جو اپنے ہی ہم مذہبوں کے ہاتھوں انہیں پیش آئیں۔

۱۹۴۶ء میں جب الیکشن ہوا تو انہوں نے کانگریس کی طرف سے دورہ کیا اور اپیل کی کہ مسلمان کانگریس کو ووٹ دیں۔ ان کی انتہائی غیر شریفانہ طریقہ سے مخالفت کی گئی۔ ضلع ہبلی کے مقام پر تو ان کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ریلوے پولیس نے مداخلت نہ کی ہوتی تو جان کا خطرہ تھا۔ لیگیوں نے عوام کو دھوکا دے کر مذہبی پاگل پن کو اجاگر کیا اور جب عوام میں پاگل پن ہو جائے تو اس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ لیکن مولانا مدنی پہاڑ کی طرح جمے رہے اور ان کی استقامت میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے یو۔پی کا دورہ کیا وہاں بھی بعض مقامات پر پتھر پھینکے گئے لیکن وہ اپنے اصول پر قائم رہے۔ انہوں نے جو روش اختیار کر لی تھی اور جسے ایمان سمجھتے تھے اس پر قائم رہے۔

(حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ)

ہمہ جہت برتری

اسلام میں اعلیٰ اور مکمل زندگی کا تصور یہ ہے کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے ساتھ فکر و نظر کی بلندی اور جہد و عمل میں پختگی اور ہمہ گیری ہو اور یہ سب کچھ تعلق باللہ کے واسطے سے ہو۔ مولانا اس دور میں اس معیار پر جس طرح پورے اترتے تھے ہند و پاک تو کیا پورے عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ علم و فضل کا یہ عالم کہ اسرار و غوامض شریعت و طریقت ہر وقت

ذہن میں مستحضر، کسی سائل نے کوئی مسئلہ پوچھا نہیں کہ معلومات کا سمندر ابلنے لگا۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی طرح حضرت مولانا کے مکتوبات جو کئی جلدوں میں چھپ چکے ہیں اور جو سب کے سب بے ساختہ اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں۔ علم و فضل اور حکمت ربانی کا گنجینہ ہیں۔ علوم شریعت و تصوف کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ اور بین الاقوامی سیاسیات حاضرہ اور علی الخصوص مشرق وسطیٰ کی سیاسیات پر بڑی گہری اور مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے اور اس پر برابر غور و فکر کرتے رہتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ کلکتہ میں ناگا قبائل کا تذکرہ آگیا تو مولانا نے ان قبائل کی تاریخ اور ان کی جغرافیائی پوزیشن پر اس قدر عالمانہ اور مبصرانہ تقریر کی کہ سننے والے حیران رہ گئے۔ عربی زبان خالص عربی لب و لہجہ میں بولتے اور گھنٹوں اس میں برجستہ تقریر کر سکتے تھے ۔ ترکی زبان سے واقف اور مگدھی زبان سے آشنا تھے۔ اس زبان کے بعض گیت اور اشعار یاد تھے ۔ سلوک و معرفت میں یہ حال تھا کہ لاکھوں مسلمانوں نے تجلیہ باطن کا فیض حاصل کیا اور روحانی مقامات طے کئے ۔

(مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم، اے)

ارباب عزیمت کی زندگی

جہد و عمل کے میدان میں مولانا کی زندگی سرتاپا ارباب عزیمت کی زندگی تھی۔ مالٹا کی اسارت سے لے کر ملک کی آزادی کے حصول تک یہ زندگی جو ورع و تقدس کی مکمل آئینہ دار تھی ہمیشہ دار و رسن کے خطرات سے کھیلتی رہی۔ مصائب و آلام اور شدائد و محن کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکتب خیال کے ایک فرد فرید ہونے کی حیثیت سے اپنے مرشد حضرت شیخ الہند کے ساتھ مولانا نے حریت و استخلاص وطن کی راہ میں دار و رسن کو اس وقت لبیک کہا جبکہ ابھی کانگریس کی زبان کا ل آزادی کے لفظ سے آشنا بھی نہیں ہوئی تھی۔

(مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی)

پیکر اتباع سنت

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعاً و مزاجاً جتنا زیادہ قریب ہوگا اسی قدر اس میں حکمت زیادہ ہوگی یعنی اس کی قوت نظری و قوت عملی دونوں کا کمال بھی اسی درجہ کا ہوگا۔ اس معیار پر حضرت (شیخ الاسلام) مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کی شخصیت عظمیٰ کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت مرحوم سعادت حقیقی کے اس مرتبہ علیا پر فائز تھے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراری اتباع یا پیروی سے حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا ذکر و فکر، طور طریق، نشست و برخاست معاملات شجاعت و جرأت، شوق جہاد و غزا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بے تابی اور بے چینی، دشمنوں کیساتھ بھی محبت، دوستوں کے ساتھ مخدومانہ نہیں خادمانہ برتاؤ یہ اشداء علی الکفار کے ساتھ رحماء بینہم کی مکمل تصویر، ذاتی طور پر بیحد متواضع اور فروتن لیکن اسلامی اور دینی امور میں صددرجہ متشدد اور غیور و خوددار۔ رات رات بھر تہجد و نوافل کے ساتھ قید و بند بھی اور دار و رسن کا خیر مقدم بھی، اصلاح باطن اور روحانی ارشاد و ہدایت بھی، خدام و گھر والوں کے ساتھ حسن معاشرت، خندہ جبینی اور لطف مزاح اور کسی امر شرعی کے عدم امتثال پر زجر و توبیخ بھی اور پھر سب کچھ کسی حظ نفس کی خاطر نہیں بلکہ اللہ اور صرف اللہ کے استرضاء اور اسوۂ رسول کے اتباع کے لئے!

غور کرنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں سعادت حقیقی اور حکمت ربانی کا ایسا مظہر کامل اور کون ہوگا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع و ہمہ گیر حیات طیبہ کا انعکاس اس طرح نظر آتا ہو۔ (مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی)

حضرت شیخ اس عہد میں اللہ کی محبت اور نشانی تھے

اس میں شک نہیں کہ حضرت شیخؒ اس عہد میں اللہ کی ایک محبت بھی تھے اور اس کی نشانی بھی۔ ان کو دیکھ کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ انھیں جنید و شبلی، حضرت

مسعود سالار اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ کی شخصیتیں اس طرح مجتمع ہو گئی تھیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ جو کچھ لکھا گیا صرف ایک متن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر فرصت ہو تو اس کی تشریح میں دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔ بدقسمتی سے مجھ کو حضرت کی صحبت و مجلس میں زیادہ رہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ سال بھر میں دو ایک مرتبہ شرف ملاقات و نیاز حاصل ہو گیا تو ہو گیا اور وہ بھی چند منٹوں کے لئے لیکن ان مختصر لمحات میں بھی جو کچھ میں نے دیکھا اور محسوس کیا ہے اگر اسی کو قلم بند کیا جائے تو ایک طویل مقالہ تیار ہو سکتا ہے اور افسوس کہ اس وقت اس کی نہ فرصت ہے نہ دماغ، البتہ اس موقع پر صرف ایک واقعہ عرض کروں گا جو حضرت کی وفات سے صرف ایک ہفتہ پہلے کا ہے اور جس نے مجھ کو بیحد متاثر کیا۔

۲۳ ر نومبر ۱۹۵۷ء کو میں دیوبند پہنچا اور چند حضرات کی معیت میں دن کے گیارہ بجے حضرت کی مزاج پرسی کے لئے آپ کے مکان پر حاضر ہوا حضرت کئی ماہ سے علیل تھے اور جس روز میں پہنچا ہوں اس سے ایک ہفتہ پہلے سے طبیعت بہت ہی زیادہ خراب تھی۔ سات دن اور راتیں اس طرح گذر گئی تھیں کہ ایک لقمہ حلق سے نیچے نہیں اترا تھا۔ جو کچھ تناول فرماتے فوراً استفراغ کے ذریعہ معدے سے خارج ہو جاتا۔ ایک منٹ کے لئے پلک نہیں جھپکی تھی سونا تو بڑی بات ہے۔ سیدھی کمر کر کے لیٹنا تک میسر نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ لیٹنے سے حوالی قلب میں شدید قسم کا درد اٹھنے لگتا تھا۔ مسہری پر اِدھر اُدھر تکئے لگا دیئے گئے تھے اور بس آپ انہیں کے سہارے ایک ہی وضع اور ایک ہی حالت میں بیٹھے رہتے تھے سوچنا چاہیئے کہ ایک نواسی برس کا ضعیف العمر انسان جس کی ساری عمر جد و جہد ریاضت میں بسر ہوئی اور جس نے راحت و تن آسانی کا کبھی منہ بھی نہ دیکھا ہو اور اب وہ اس قدر شدید بیمار اور چند در چند امراض کا شکار ہو تو اس کی اس وقت کیا حالت ہونی چاہیئے۔ لیکن بایں ہمہ جب مجھ کو زنانخانہ میں حضرت کے پاس پہنچایا گیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی میں نے دیکھا کہ میرے سامنے بجائے کسی زار و نحیف مریض کے وہ وقار و جلال بیٹھا ہوا تھا جو تاہ بھی نہ کراہ۔ چہرے پر پژمردگی کے بجائے ایک خاص قسم کا جلال اور نور تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ

کھیل رہی تھی۔ میں نے سلام کیا اور مصافحہ کر کے سر جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔ اس ڈر سے مزاج پرسی تک نہ کی کہ حضرت کو بولنے میں تکلیف ہوگی لیکن حضرت جن کو خدام کی دلجوئی کا اس عالم میں بھی ہر وقت خیال رہتا تھا کہاں چپ رہنے والے تھے۔ فوراً ایک مزاحیہ فقرہ چست کر دیا میں اس مرتبہ ایک مدت کے بعد دیوبند گیا تھا اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نیم تبسم کے ساتھ فرمایا: "اب تو آپ دیوبند کی سردیوں کو بھی بھول گئے ہوں گے"۔

۲۵ نومبر کی شام کو پانچ بجے کے قریب سہارنپور کے مشہور ڈاکٹر برکت علی صاحب نے حضرت کا بہت مفصل اور بڑی توجہ کے ساتھ معائنہ کیا اور اس کے بعد مردانہ نشست گاہ میں آکر جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے علاوہ بیسیوں علماء اور خدام کے ساتھ میں بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بیان کیا کہ حضرت میں اب کچھ رہا نہیں۔ بس چند روز کے مہمان ہیں اب صرف اپنی قوت ارادی کے سہارے زندہ ہیں اور یہ قوت ارادی اس غضب کی ہے کہ اسی کے ذریعہ مرض کا مقابلہ کر رہے ہیں اور کسی پر اپنے اندرونی کرب کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس رپورٹ کے بعد شیخ الحدیث حضرت کی زیارت کے لئے زنانخانے میں جانے لگے تو پھر خاکسار بھی ساتھ ہو لیا۔ اندر پہنچ کر سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لیے حضرت کا دست اقدس ہاتھ میں لیا تو بس دل بیٹھ گیا۔ جو ہاتھ کل تک کافی گرم تھے اس وقت برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔ اب حضرت رحمہ اللہ شیخ الحدیث کی طرف متوجہ ہو گئے اور چند منٹ تک ان سے کچھ فرماتے رہے جس کو موخر الذکر خاموشی کے ساتھ گردن جھکائے سنتے رہے۔ کیا فرمایا؟ میں نے نہ اس کو سنا اور نہ پاس ادب سے اس کو سننے کی کوشش کی۔ اس کے بعد حضرت نے پوچھا: کیا آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟؟ شیخ الحدیث نے جواب نفی میں دیا تو حضرت نے فرمایا: "اچھا! جائیے نماز پڑھئے ——" اب شیخ الحدیث کے ساتھ یہ خاکسار بھی باہر آگیا۔ یہ بس زندگی میں حضرت کی آخری زیارت تھی۔ ان چند منٹوں میں قلب و دماغ نے جو کچھ محسوس کیا اس کو نہ بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ (مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم۔اے)

زہد وتقویٰ

حضرت مولانا کو برٹش حکومت ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کیلئے پانچ سو روپے ماہوار پیش کرنا چاہتی ہے مگر آپ اس کو قبول نہیں فرماتے۔ حکومت مصر (غالباً برطانیہ کے اشارے پر) جامع ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ دے رہی ہے۔ ایک ہزار پانچ سو روپے ماہوار مشاہرہ، مکان، موٹر اور سال میں ایک مرتبہ ہندوستان آنے جانے کا کرایہ دینے کی پیش کش کرتی ہے۔ مگر مولانا وہاں تشریف لے جانے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور دیوبند کی معمولی سی تنخواہ پر قناعت کرتے ہیں۔ مولانا کے پاس مال آتا تو بہت جلد مستحقین کے پاس پہنچ جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی زندگی میں کبھی اتنا مال نہیں جمع ہوا کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو۔ مولانا کے زہد وتقویٰ کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

(مولانا محی الدین الوائی فاضل جامعہ ازہر مصر)

اسلاف کا مکمل نمونہ

(عربی سے ترجمہ)
(از مولف)

تاریخ کے اوراق پر ہمیں بے شمار صورتیں ابھرتی اور دھندلاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کوئی ماہر سیاست داں کی حیثیت سے مشہور ہے تو کوئی دلیر مجاہد کے روپ میں نمایاں ہے کوئی علمی نقطہ نظر سے یکتائے روزگار ہے تو کوئی تقویٰ و پرہیزگاری کے لحاظ سے یگانۂ زمانہ۔ لیکن ایک طویل مدت سے تاریخ کے اوراق کسی ایسی ہستی کے تذکرہ سے خالی تھے جو مختلف خوبیوں کا سنگم اور ان اسلاف کا مکمل نمونہ ہو جو "رہبان فی اللیل وفرسان فی النہار" کے صحیح مصداق تھے۔ قدرت نے مولانا مدنی علیہ الرحمۃ کے ذریعہ سیاست کو نوازا، مسند علم کو رونق بخشی، خلوص وللّٰہیت کو آشکارا کیا، جذبۂ جہاد حریت کو عزت دی اور تاریخ تصوف میں زرین باب کا اضافہ فرمایا۔ (شیخ عبدالمنعم النمر استاذ جامعۂ ازہر قاہرہ)

(عربی سے ترجمہ)
از مؤلف

جبلِ استقامت

قید و بند کی صعوبتوں اور برطانوی حکومت کے جبر و استبداد کے باوجود نہ تو آپ کے جوشِ جہاد میں کمی آئی اور نہ جذبۂ حب الوطنی میں اضمحلال پیدا ہوا۔ حالات کی تیز و تند ہواؤں نے بڑے بڑے کوہ پیکر اہلِ عزائم کو کنکریوں کی طرح اچھال دیا۔ لیکن آپ ایسے مواقع پر بھی ایک مستحکم چٹان کی طرح اپنی جگہ جمے رہے۔ مالٹا اور ہندوستان کے زندانوں کی سلاخیں اور انکی سنگلاخ دیواریں آج بھی آپ کے آہنی عزم و ارادے اور غیر متزلزل صبر و استقلال کی شہادت دیتے ہیں۔

(الشیخ عبدالنعم النمر استاذ جامعہ ازہر قاہرہ)

آپ کی شخصیت بے نظیر تھی

حضرت مدنیؒ کی ذاتِ اقدس نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی مشہور و معروف ہے۔ دنیائے اسلام تسلیم کرتی ہے کہ حدیث و تفسیر، دینی علوم اور زہد و تقوے ارشاد و سلوک اور مکارم اخلاق میں آپ کی شخصیت بے نظیر تھی، جس ہستی کا علم اتنا وسیع، مرتبہ اتنا بلند اور شخصیت ایسی برگزیدہ تھی، لاکھوں انسان اس کے سامنے نذرِ عقیدت پیش کر رہے تھے اس کے سامنے ایسے مسئلے آئے کہ اگر وہ عوام کے رجحانات کی پیروی کرتے تو کروڑوں گردنیں ان کے سامنے جھک سکتی تھیں اگر وہ خاموش رہتے تو اپنے ارادت مندوں کی نظر میں اونچے ہو سکتے تھے لیکن آپ نے حمایتِ حق اور اپنے ضمیر کی آواز کو بلند کرنے میں نہ اعزاز و احترام کا خیال کیا اور نہ برگشتگی عوام کا خوف اُن کے پائے عزیمت میں کوئی جنبش پیدا کر سکا۔ یہی عزیمت و ہمت اور حمایتِ حق و صداقت کی مردانہ جرأت تھی جس نے کبھی آپ کو مالٹا میں نظر بند کیا اور کبھی کراچی اور سابرمتی کے جیل خانوں میں محبوس۔ جب دو قومی نظریہ کے شور سے فضائے ہندوستان پر آشوب تھی تو اس نے خود اپنوں کی اکثریت کے خلاف وہ کیا جو اس کے نزدیک حق تھا جو اس کی ضمیر کی آواز تھی۔ اس نے مسلم لیگ کی بھی مخالفت کی اور جب

انڈین نیشنل کانگریس نے مجبور ہو کر ملک کا بٹوارہ تسلیم کر لیا تو یہی حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ جمعیۃ العلماء کے صدر کی حیثیت سے اس کی مخالفت کرتے ہوئے تنبیہ فرمادی کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی ایسے فیصلے کو منظور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جو اپنے پہلو میں لاکھوں انسانوں کی ہلاکت و تباہی اور کروڑوں انسانوں کی پریشانیوں کا مستقبل لئے ہوئے ہو۔

آپ نے سامراجی طاقت کو مٹانے کے لئے اس ہمت وجرأت سے جان کی بازی لگائی کہ آپ کے عزم واستقلال کی حرارت نے دوسروں میں بھی گرمی پیدا کی تاکہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ وہ تمام ممالک جو سامراجی پنجہ میں گرفتار ہیں غلامی سے نجات پائیں اور اس قابل ہوں کہ اپنا مستقبل خود بنا سکیں۔

افسوس میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں نذر عقیدت پیش کر سکوں۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ واعلیٰ درجاتہ فی العلمین۔

(مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند وممبر پارلیمنٹ)

مایۂ ناز فرد

بیسویں صدی ملک وملت کے جن چند ممتاز ترین فرزندوں پر فخر کر سکتی ہے ان میں سے ایک مایۂ ناز فرد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ بھی تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے ملک وملت پر اتنے احسان کئے ہیں کہ سرزمین وطن ان کی شکر گذاری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ آپ کا شمار صف اول کے ان قائدین میں ہوتا تھا جن کے طفیل برطانیہ جیسی جابر وقاہر طاقت کے پنجۂ آہنی کی گرفت سے ملک آزاد ہوا۔ ایک عظیم المرتبت پیشوائے دین کی حیثیت سے آپ نے مسلمانوں میں آزادی کی روح پھونکی۔ ان کے دل و دماغ تک اسلام کی حقیقی اسپرٹ پہنچانے کی زبردست کوشش کی اور مذہب کی اجتماعی تعلیم کو مجاہدانہ شان کے ساتھ اجاگر کیا۔ آپ کے سینے میں ایک ایسا دل تھا جو مخلوق خدا کی خدمت کے لئے ریشم سے زیادہ نرم رہتا ہے لیکن حق وباطل کے معرکہ میں فولاد سے

بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم —— رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

حضرت مولانا کی شخصیت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کے لئے موجب افتخار تھی۔ آپ کا شمار دنیائے اسلام کے چند گنے چنے رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ آپ کی ہستی میں خلوص و شفقت، عظمت و وقار، حلم و عفو، عزم و ہمت، عجز و فروتنی، صبر و استقلال، غرضیکہ شریعت و طریقت کے تمام جوہر کچھ اس طرح یکجا ہو گئے تھے کہ ایک فرد میں ان خصوصیتوں اور کمالات کا اجتماع مشکل ہی سے ہوتا ہے۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام کی زندگی کی خصوصیات کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ (حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب)

عظیم الشان کارنامہ

سب سے پہلی میری ملاقات حضرت مدنی مرحوم سے ۱۹۱۶ء میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ہوئی تھی۔ اس وقت مولانائے مرحوم مدینہ میں درس دیا کرتے تھے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب جرمنی کی پہلی جنگ شروع ہوئی تھی اور ترک جرمنی کا حلیف تھا۔ میرے دہلی واپس پہنچنے کے کچھ دن بعد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہاں جاکر جو کچھ ہوا وہ کم و بیش عام حضرات کو معلوم ہے۔ شریف مکہ کی بغاوت حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا حسین احمدؒ اور دیگر رفقا کی گرفتاری اور مالٹا میں نظر بندی پھر ان بزرگوں کی مالٹا سے ہندوستان واپسی اور تحریک آزادی کی سرپرستی کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی علالت اور ڈاکٹر انصاریؒ کی کوٹھی پر رحلت۔ حضرت شیخ الہند کی رحلت کے بعد مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہٗ کا تحریک آزادی میں انہماک، علی برادران، ڈاکٹر کچلو وغیرہم کے ہمراہ کراچی کی عدالت میں مقدمہ اور دو دو سال کی قید کے بعد جیل سے رہائی اسکے بعد حضرت مدنی کی بار بار گرفتاری، لیگیوں کے خطرناک حملے، غرض ان واقعات کی تفصیلات ایسی نہیں جن کو تھوڑے وقت میں منضبط کیا جا سکے۔ تاریخ لکھنے والے جب ان حالات کو

مفصل لکھیں گے تو یہ آنے والی نسلوں کے لئے درس حیات کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگا ان تمام مجاہدات کے بعد ان کی وہ تعلیمی خدمات جو انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں انجام دی ہیں اور اس اندرونی خلفشار کے زمانہ میں جبکہ دارالعلوم کی حیات خطرے میں تھی۔ دارالعلوم کی سرپرستی فرما کر دارالعلوم کو سنبھالا اور بچایا ہے۔ حضرت شیخ کا یہ ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی عظمت و صداقت کا صلہ دربار رسالت سے تو مولانا مدنی کو ملے ہی گا لیکن دارالعلوم کے در و دیوار اور وہاں کی خاک پاک کے ذرے بھی مولانا مدنی کے خلوص پر قیامت کے دن شہادت دیں گے ان تمام دینی اور وطنی خدمات کے باوجود ان کی عبادت و ریاضت اور کشف و کرامات کے حالات وہ حضرات بخوبی جانتے ہیں جنہوں نے رمضان شریف کی راتیں حضرت اقدس کی خدمت میں گذاری ہیں یا جن کو جیلخانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں ان کے ہمراہ رات بسر کرنے کا موقعہ نصیب ہوا ہے میں ایک دور افتادہ علم و عمل کی روشنی سے محروم اس پر کیا لب کشائی کر سکتا ہوں۔ صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں جو ان کی خبر وفات پر میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام آزادیٔ وطن کے ایک جانباز جرنیل تھے اور بین الاقوامی شخصیت اور علم و عمل اور زہد و تقوی اور ایثار و قربانی کے مجسم پیکر اور اخلاق و انسانیت کا سب سے بلند و بالا مظہر اور سلف صالحین کی ایک زندہ یادگار تھے۔ (سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ دہلوی)

آپ کی خدمات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ چمکیں گی

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ کی خدمات جلیلہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ چمکیں گی آپ کا حلقہ درس جس کی ابتدا گنبد خضراء کے زیر سایہ اس مسجد اقدس سے ہوئی تھی جس کے ذروں کو بھی وہ تابانی حاصل ہے کہ آفتاب کی کرنوں کو شرما دے۔ آپ کے فیض سے پہلے حجاز و یمن، مصر و شام، افغانستان و ترکستان کے تشنہ لبان علم سیراب ہوئے۔ پھر اسکے چشمے مشرقی بنگال اور آسام سے جاری ہوئے اور آخر میں ۳۲ سال تک دارالعلوم دیوبند کے بحر محیط سے اس کی موجیں لہراتی رہیں . . . . میں نے

مولانا مرحوم کی بہت قریب سے زیارت کی ہے میں نے حضرت کو انتقال سے چند دن پہلے بھی دیکھا میں جیل میں بھی مہینوں ساتھ رہا۔ اس عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق کیا کہوں۔ اللہ اللہ اخلاص میں اگلوں کا نمونہ تھے۔ انکسار تو رگ رگ میں بھر دیا گیا تھا میرے ساتھ کیسی شفقت کرتے تھے کیا کہوں۔ اس محبت کے میدان میں بھی وہ واقعی شیخ الہند کے صحیح جانشین تھے۔

(مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری

خانقاہ حضرت شاہ اجمل صاحب الہ آباد)

بچپن سے ہی جہاد کی تیاری شروع کر دی تھی

میری عمر غالباً بارہ برس کے قریب ہوگی کہ مراد آباد مسلم اسکول کے ایک استاد مسمی اصطفا کریم نے مجھے کلام پاک کا درس دینا شروع کیا۔ ابتداء پارۂ عم یا سورۂ بقر سے نہیں بلکہ سورۂ صف اور سورۂ جمعہ سے ہوئی اور درس کا منشا محض اسقدر تھا کہ میں جہاد کی تعلیم اور جدوجہد آزادی کے سلسلے میں اپنے فرائض سے باخبر ہو جاؤں۔ اسی مقصد کے لئے تھوڑے دن بعد ایک خفیہ جماعت حزب اللہ کے نام سے بنی اور میں نے اس میں شریک ہو کر جہاد کا حلف لیا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ اصطفا کریم صاحب نے علی گڑھ سے بی اے پاس کرنے کے بعد نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں مولانا عبید اللہ صاحب سے تفسیر قرآن کا درس لیا تھا اور یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی سیاسی تحریک سے وابستہ ہیں۔ یوں سمجھئے کہ حضرت مولانا سید حسین احمد سے بھی میرا بالواسطہ غائبانہ تعارف ہو گیا۔ بالآخر جنگ عظیم کے بعد حضرت مولانا محمود الحسن، مالٹا سے ہندوستان واپس آئے اور جب تحریک ترک موالات کی ابتدا میں جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالنے کے لئے علی گڑھ کالج وارد ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر رہا اس کے بعد جامعہ کی زندگی میں مجھے خواجہ عبد الحیٔ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا جو اصطفا کریم صاحب کی طرح مولانا عبید اللہ کے شاگرد رہے تھے۔ . . .

۲۷ء میں وکالت کے خیال سے جب میں اپنے راجپوت عزیزوں کے پاس

ضلع مظفر نگر پہنچا تو مجھے حضرت مولانا حسین احمد کے بعض عقیدتمندوں سے مولانا کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے۔ شاید کم لوگوں کو اس کا علم ہو گا کہ مرحوم نے بچپن ہی سے جہاد کی تیاری شروع کر دی تھی اور نوجوانی میں ان کا معمول تھا کہ مئی جون کی تپتی دھوپ میں گھنٹوں ریت یا پتھر کے فرش پر چلا کرتے تھے اور کڑاکے جاڑوں میں نیم برہنہ بیٹھے رہتے تھے بعض دوستوں نے جب لاابالی پن کا سبب پوچھا تو فرمایا: آئندہ جیلوں میں اس سے زیادہ سختیاں بھگتنی پڑیں گی۔ (ڈاکٹر محمد اشرف صاحب کمیونسٹ

مولانا حسین احمد کا عزم واستقلال ہمیشہ یادگار رہیگا

مجھے حضرت مولانا کے ساتھ صوبوں کے ضمنی انتخابوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ جب مسلم لیگی حضرات کی نگاہ میں ایمان سے زیادہ ووٹ کی قیمت تھی اور ہمارے باہمی اختلافات، مباحثہ مناظرہ یا مجادلہ سے بڑھ کر کبھی کبھی مقاتلہ کی منزل تک پہنچ جاتے تھے چنانچہ بسا اوقات مسلم لیگی "مجاہدوں" کے حلقوں میں حضرت مولانا کے قتل کے منصوبے بھی بنائے گئے اور حافظ ابراہیم کے انتخاب میں کئی عزیز مسلم لیگیوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے لیکن حسین احمد کی زبان سے کبھی اُف نہ نکلی اور ان حضرات کے حق میں صرف ہدایت کے لئے خدا سے دعائیں مانگیں۔ مجھے آزمائش کی ان گھڑیوں میں حضرت مولانا حسین احمد کا عزم و استقلال ان کا سکون و صبر، ان کا بے مثال تحمل ہمیشہ یاد رہے گا۔ (ڈاکٹر محمد اشرف صاحب)

بزم ملکوتی میں سب سے زیادہ روشن ستارہ

دسمبر ۱۹۱۶ء میں شریف مکہ کی بغاوت نے انگریزی ہتھیاروں کی بدولت حج بیت اللہ کا راستہ کھول دیا میں مصر میں تھا اور حالات کچھ ایسے تھے کہ انگریزی حکومت مجھے ہندوستان آنے دینا نہیں چاہتی تھی۔ حج کے بہانے میں حجاز پہنچا اور مقام منیٰ میں حضرت شیخ الہند

کی زیارت ہوگئی ۔

سبحان اللہ آسمان پر بھی کسی فرش فروش کا کوئی انتظام ہے ؟ صوفے بچھے ہیں ! شاندار فرنیچر کی سجاوٹ ہے؟ ان آنکھوں نے ایک سادہ سی مجلس برپا دیکھی ۔ایک آفتاب جلوہ گر تھا اور ستارے حلقہ بنائے اس آفتاب جہانتاب پر نثار ہو رہے تھے ۔ایک منحنی سا آدمی بیٹھا تھا ۔صدر نہیں تھا لیکن صدر بنا ہوا تھا غیرت حق کی شعاعیں ناتواں جسم سے پھوٹ پھوٹ کر مجلس کو بقعۂ نور بنائے ہوئے تھیں ۔عزم حیدری ، شجاعت فاروقی ، استقامت صدیقی کے جلوے تھے کہ پڑے برس رہے تھے ۔ یہ تھی مجلس شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کی اور اس بزم ملکوتی میں ایک ستارہ سب سے زیادہ روشن سورج سے سب سے زیادہ قریب بلکہ سورج پر پروانے کی طرح ٹوٹا پڑتا دکھائی دیا ۔ یہ ستارہ حسین احمد کے سوا اور کون ہو سکتا تھا ۔

(مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی)
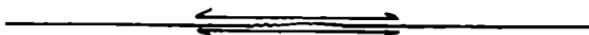
اہل وطن کی نگاہ میں

مولانا مدنیؒ بڑے لیڈروں میں تھے

”مجھے پرانا زمانہ یاد آتا ہے۔ جب مولانا حسین احمدؒ نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ مولانا سے تیس پینتیس برس سے کچھ میرا بھی تعلق رہا۔ وہ ایک زمانہ تک کانگریس کے بڑے لیڈروں میں رہے۔ میں جب اس وقت کا خیال کرتا ہوں تو کئی تصویریں میرے سامنے آجاتی ہیں۔ شروع میں خلافت کا سوال اٹھا پھر عدم تعاون کی تحریک شروع ہوئی۔ بڑھتے بڑھتے سوراج کی تحریک شروع ہوئی۔ ساری تحریکوں میں وہ ہمارے ساتھ رہے اور ہم نے طرح طرح کے تجربے حاصل کئے۔ مولانا مدنی کے گذر جانے سے اس زمانہ کی اور آج کے زمانہ کی ایک کڑی اور نکل گئی جو باقی کڑیاں ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ نکل جائیں گی اور پھر آج ہی کے نوجوانوں کو سارا بار اپنے کندھوں پر لینا ہوگا وہ اس بار کو کیسے سنبھالیں گے؟ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ پرانے زمانہ نے ہمیں کچھ سبق دیئے ہیں جو اس نئے زمانہ کو یاد رکھنے چاہئیں اور ان سبق دینے والوں میں مولانا مدنی بڑے لیڈروں میں تھے۔“

(آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند)

جن کا نام لیکر دوسروں میں جرأت پیدا ہوتی ہے

”مولانا حسین احمد مدنی دار العلوم دیوبند کے کرتا دھرتا اور بہت بڑے عالم اور مذہبی رہنما تھے۔ وہ ان بڑے لوگوں میں تھے جن کا نام لے کر دوسروں میں جرأت پیدا ہوتی

ہے بعض لوگ مذہب کے نام پر پھوٹ پیدا کرتے ہیں اور بعض وقت دیکھا بھی جاتا ہے کہ جھگڑا کرنے والے مذہب کا نام لے کر جھگڑا کرتے ہیں لیکن مدنی صاحب جیسا مذہب کو جاننے والا مشکل سے ہوگا انہوں نے اس کے باوجود ملک کی یکجہتی اور اتحاد کے لئے کام کیا۔ وہ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا بیشتر وقت پڑھانے اور تہذیب سکھانے میں گذرتا تھا۔ وہ مدینہ میں بھی گئے اور وہاں پرنسپل رہے اور وہیں سے گرفتار ہوئے پھر ہندوستان آئے اور عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لیا اور سات سال کی سزا پائی۔ وہ برابر مصیبتیں جھیلتے رہے۔ جس وقت تقسیم (ملک) کی بات آئی وہ جگہ جگہ گھومے۔ انہوں نے تقسیم کی مخالفت کی اور بڑی لگن کے ساتھ جگہ جگہ جا کر لوگوں کو سمجھایا اور انہیں کانگریس میں رکھا۔ وہ کانگریس کے بڑے لیڈر تھے ہمارے (اتر) پردیش میں وہ پردیش کمیٹی کے نائب صدر رہے اور ان عظیم ہستیوں میں سے تھے جن کی ہندو مسلمان سبھی عزت کرتے ہیں"

(آنجہانی پنڈت گووند بلبھ پنت وزیر داخلہ ہند)

جو ملا ان کا گرویدہ ہوا

مولانا حسین احمد مدنی ایک بے مثال ہستی تھے۔ ساری عمر ملک کی خدمت میں صرف کی۔ علمیت اور قربانی ان کے اوصاف تھے۔ جو کوئی ملا ان کا گرویدہ ہوا۔ سادہ طبیعت اور محبت کا نمونہ تھے۔ حضرت نے کافی عمر پائی لیکن جتنا بھی وہ زندہ رہتے کم تھا۔

(اجیت پرشاد جین گورنر کیرالا)

ان کی انسانیت ہمارے لئے روشن مثال تھی

ایک زمانہ تھا جب ہمیں انگریزوں اور فرقہ پرستی کا مقابلہ کرنا تھا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس جو بڑا خزانہ تھا۔ اس خزانے میں بہت سے پتے تھے۔ ان میں سے

ایک پتا دہیرا، تھا مولانا مدنی ؒ انہوں نے اپنی ساری زندگی ملک کے لئے وقف کر دی تھی وہ مختلف ملک میں گھومے۔ ان کے دل میں ایک تمنا تھی کہ میرے ملک کا جھنڈا اونچا رہے اور عوام آزاد ہوں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جبکہ ہندوستان میں فرقہ پرستی کی ہوا چلی جس میں بہت سے لیڈر بہ گئے لیکن مولانا نے خواب میں بھی نہیں سوچا کہ اپنی پالیسی سے ہٹیں!

جب ہم چھوٹے تھے راجہ مہندر پرتاپ جی کے ساتھ ہم ان کا نام سنا کرتے تھے کہاں افغانستان کہاں بھی ایشیا! وہ گھومتے تھے ایک پیغام لے کر ہندوستان کی آزادی کا۔ مالٹا میں کئی سال وہ گرفتار رہے۔

.... ہماری کانگریس ورکنگ کمیٹی کے وہ ممبر تھے۔ انہوں نے اپنا سارا جیون غلامی اور فرقہ پرستی کا سامنا کرنے میں بتایا نیشنلزم کا ترنگا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہمیشہ سلامت رہا جیل میں انہوں نے بڑی مصیبتیں سہیں اور آزادی کے بعد بھی ملک کی خدمت کرتے رہے۔ تعلیم کے معاملے میں جو کہ ملک کا بنیادی سوال ہے وہ اس میں بھی پوری طرح مصروف رہے۔

مولانا مدنی ایک سپاہی تھے۔ دیش کی کھڑی فوج کے سالار تھے اور ساتھ ساتھ وہ ہمارے ہندوستان کے ایک بڑے انسان تھے اور عالم بھی تھے۔ ان کی انسانیت ہمارے لئے ایک روشن مثال تھی۔ وہ اپنے آدرشوں کے لئے مرمٹنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ان کا سارا جیون ایک قربانی تھی، ہمارے لئے خوشی کی ایک بات یہ تھی کہ جن سپنوں کے لئے ہم کوشش کرتے تھے وہ ہمارے بیچ میں تھے اور جب ہندوستان آزاد ہوا تب بھی وہ ہمارے بیچ میں رہے اور ہم کو سہارا دیتے رہے۔

(یو۔ این۔ دھیبر صدر کانگریس)

ان کا ڈھنگ نرالا تھا

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو مذہبی عالم ہوتے ہیں انہیں سیاسی باتوں سے دلچسپی نہیں

رہتی وہ اپنی کتابوں میں لگے رہتے ہیں کبھی کوئی عالم نکل آتا ہے جس کو اس دنیا سے بھی واسطہ رہتا ہے اور ملک کی حالت کے پیشِ نظر کتابوں کو الگ رکھ کر میدان میں نکل آتا ہے تو ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ ان ہی میں مولانا حسین احمد مدنیؒ تھے۔ میں ان کے ساتھ جیل میں رہا ہوں۔ ان کا ڈھنگ نرالا تھا۔ اکیلے کبھی نہ کھاتے تھے بلکہ دوسرے معمولی قیدیوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے اور بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ میں نے انہیں دیوبند میں بھی دیکھا وہاں وہ طلباء کو پڑھاتے تھے جس طرح ان کے طلبہ کو ان سے محبت تھی اس پر ایک ادھیاپک کی حیثیت سے مجھے رشک ہوتا تھا۔ (اچاریہ کرپلانی)

وہ اپنے اصولوں پر قائم رہے

حضرت شیخ نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں کیا کیا حصہ لیا اور کس حیثیت سے حصہ لیا یہ بہت بڑی تاریخ ہے ۱۹۲۰ء میں تحریک موالات میں جب انہوں نے حصہ لیا تو ان کا نام ملک کے کونہ کونہ میں پہنچ گیا لیکن وہ اس سے بہت پہلے سے جنگ آزادی میں حصہ لے رہے تھے جب آزادی کا نام لینا بھی ہندوستان میں محال تھا۔ اس وقت انہوں نے حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے کے لئے ایک انقلابی سازش کی لیکن اس امر کا پتہ چل گیا اور شریف مکہ نے انہیں اور حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر کے جدہ میں انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے جب ایک دفعہ تحریک خلافت کے دوران کانگریس سے اشتراک عمل کا فیصلہ کر لیا تو آخر وقت تک اس پر قائم رہے۔ مسلم لیگ کے دور میں بھی انہوں نے اس اصول کو نہیں چھوڑا۔ انہوں نے سیاست اور مذہب کو کبھی مخلوط نہیں کیا۔ ہندوستان کے اتحاد اور آزادی کا جو اصول انہوں نے ایک دفعہ اختیار کیا تھا۔ اس پر آخر وقت تک قائم رہے اور تقسیم و قیام پاکستان کے وقت بھی انہوں نے اس اصول کو نہیں چھوڑا۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو سیاست اور مذہب کو اپنی اپنی جگہ رکھ کر اپنے ملک کی خدمت کریں۔ ان کی عظمت اسی بات میں ہے۔ (ایس۔ اے ڈانگے صدر آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی)

ہم لوگ اپنے درمیان ان کی موجودگی کو فضل خداوندی سے تعبیر کرتے تھے

انگریزی سے ترجمہ

شری مدنی کو ۱۹۴۲ء میں ۱۸ ماہ قید باشقت کی سزا ہوئی تھی اور اے کلاس کے قیدی ہونے کی وجہ سے ان کو نینی سنٹرل جیل (الہ آباد) میں منتقل کر دیا گیا تھا (ہمارے مراد آباد) جیل میں ان کا قیام بیحد دلچسپی کا باعث تھا اور انہوں نے جیل کے عملے سے ہمیشہ تعاون کیا ان کی بات چیت اور گرویدہ کر لینے والے اطوار نے ہر ملنے والے کو مسخر کر لیا تھا۔

انہوں نے مجھ کو کس قدر متاثر کیا اس کی تشریح سے قلم عاجز ہے۔ صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ اپنے درمیان ان کی موجودگی کو فضل خداوندی سے تعبیر کرتے تھے۔

(کے، این۔ بنرجی سپرنٹنڈنٹ جیل، ڈسٹرکٹ جیل سیتاپور)

(اقتباس مکتوب بنرجی موصوف بنام مولانا سعید الحسن صاحب)

مورخہ ۹ جنوری ۵۹ء

جنہوں نے میرے دل پر قبضہ کر لیا

شیخ الہند جناب مولانا حسین احمد صاحب مدنی مرحوم کے قدموں میں بیٹھ کر کام کرنے کا مجھے بھی فخر حاصل ہے۔ نہ صرف قدموں میں بیٹھنے کا بلکہ جیل میں بھی ساتھ رہ کر کام کرنے کا موقع ملا ہے . . . آپ ان محب وطن افراد میں سے ایک ہیں۔ جو ملک کی آزادی کے لئے ۱۹۰۸ء کے پہلے سے ہی ہندوستان کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے موقعہ پر آپ کو مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔

جیل میں مجھے بڑے بڑے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا لیکن ان میں سے جنہوں نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ان میں مولانا مدنی اور گنیش شنکر ودیارتھی تھے۔

..... ہم لوگ نینی جیل میں سرکل ۵ میں رہتے تھے۔ چونکہ سیاسی قیدی بہت چھوٹ چکے تھے اور تھوڑے ہی رہ گئے تھے اس لئے سب کی رائے ہوئی کہ ہم سب سرکل ۱ میں چلے جائیں تو قیدیوں کی تعداد بڑھ جائے گی اور دن اچھی طرح سے کٹیں گے۔ مگر مولانا صاحب نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے لیکن میں جیل والوں سے استدعا نہ کروں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ پر ساتھیوں میں اختلاف ہوا (بتدریج) سب لوگ سرکل ۱ میں چلے گئے اور اکیلے مولانا کے رہنے کی نوبت آئی۔ اس وقت میں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر بہشت میں بھی جانا پسند نہ کروں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صرف دو سیاسی قیدیوں کے لئے جیل والوں کو سرکل ۵ میں دو سپاہی اور دو نمبر رکھنا پڑتا تھا اس لئے جیل والوں نے مولانا سے استدعا کی کہ آپ لوگ سرکل ۱ میں چلے جائیں تو بڑی مہربانی ہوگی تب ہم دونوں خوشی خوشی سرکل ۱ میں چلے گئے۔

بھائی بھائی برابر ہیں۔ یہ کہتے ہوئے بہتوں سے سنا ہے لیکن برابری کا برتاؤ کرتے صرف مولانا کو دیکھا ہے۔ کھانا پکاتے وقت باورچی، باورچی رہتا تھا اور آپ مالک رہتے تھے لیکن کھاتے وقت باورچی اور مالک ایک ہوتے تھے۔ صرف ایک پاؤ گوشت مولانا کو ملتا تھا لیکن کھانے کے وقت جو بھی آکر بیٹھ جائے اس کو کھانے میں حصہ ملتا تھا۔ جیل کی میعاد نہیں تھی اور یہ پتہ نہیں تھا کہ جیل میں کب تک رہنا پڑے گا لیکن اگر کوئی معمولی قیدی کھانے کے وقت آگیا تو اس کا کھانا اور اپنا کھانا ملا کر اس کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔ تندرستی گرنے لگی تو میں نے جیل کے ڈاکٹر سے کہا کہ مولانا اپنا کھانا تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس لئے تندرستی گرتی جا رہی ہے تو انہوں نے پہلے تو یہ کہا کہ میں کیا کروں؟ قاعدہ یہی ہے ان کو صرف پاؤ بھر گوشت مل سکتا ہے لیکن دوسرے دن آکر وزن کیا اور تندرستی گرتے ہوئے دیکھ کر پاؤ بھر گوشت اور بڑھا دیا۔ اس کے مطابق مولانا کا خرچ بھی بڑھ گیا اور (پہلے سے زیادہ) لوگ کھانے میں شریک ہونے لگے۔ ایک روز ایک قیدی نے آکر فریاد کی کہ نماز پڑھتے وقت میرے پاس فلاں قیدی بھی تھا اس نے میری انگھنی چرالی۔ مولانا نے فرمایا میں کیا کروں! میں بھی تمہاری طرح قیدی ہوں۔ لیکن جب اسے زیادہ رنجیدہ دیکھا تو اپنے پاس سے انگھنی دے کر

رخصت کیا۔ یہ دیکھ کر میں نے برجستہ عرض کیا کہ اب میں آپ کے اس بیرک میں نہ رہونگا کیونکہ آپ کے اخلاق اس قدر وسیع ہیں کہ اگر میں تھوڑے دن اور رہا تو مسلمان ہوجاؤنگا یہ سُن کر مولانا نے فرمایا: تم تو بہت دن سے مسلمان ہو۔ تم کیا مسلمان ہو گے۔

(سیتارام جی شوکل)

ناقابل فراموش

یورپ کی دوسری جنگ عظیم ختم ہونے پر صوبہ سرحد کو تیسری بار انتخابات کا میدان سر کرنا پڑا تھا۔ اس سے پہلے کانگریس نے دو بار بھاری اکثریت حاصل کرنے پر اپنی وزارت کا جھنڈا لہرایا تھا۔

تیسری بار بھی کانگریس ہی جیت میں رہی، مسلم لیگ اور سرکار پرست جماعتوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ مخالفوں کی شکست کا زیادہ تر سبب مولانا مدنی صاحبؒ کی تشریف آوری تھی۔ آپ کی آمد پر آپ کا ناقابل فراموش جلوس، آپ کا عظیم الشان جلسہ جس میں قبائلیوں نے بھی شرکت کی تھی اور آپ کی معرکۃ الآرا اور پُر اثر دلکش تقریر کی تصویر بھی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ پہلے دن مجھے آپ کی خدمت اقدس میں کانگریس کمیٹی کے سیکریٹری ہونے کی حیثیت سے سپاسنامہ پیش کرنے کی کیفیت پوری طرح یاد ہے۔ دوسرے دن نواب آف ڈیرہ کی عالی شان کوٹھی کے وسیع گراونڈ میں جو عالمانہ اور مورخانہ تقریر آپ نے فرمائی تھی اس کا ایک ایک لفظ آج تک کانوں میں گونج رہا ہے۔ آپ کی پُر اثر تقریر، آپ کا جادو اثر طرز ادا، آپ کی وسیع ترین معلومات کے ساتھ ساتھ آپ کی لاثانی قوت یادداشت پر تمام سامعین مبہوت و ششدر رہ گئے تھے اور ہر زبان سے سبحان اللہ اور جزاک اللہ سُنائی دے رہا تھا۔

(جناب فتح چند صاحب نسیم)
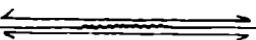
(۵)

حیاتِ شیخ الاسلامؒ

کا

اجمالی خاکہ

مع

شجرۂ طریقت ونسب

حیات شیخ الاسلام کا

ایک

اجمالی خاکہ

ولادت باسعادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء مقام بانگرمئو ضلع اناؤ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی آپ کا تاریخی نام "چراغ محمد" ہے۔ آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب نہایت بزرگ و متقی اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے خلیفہ تھے، آپ کی والدہ محترمہ بھی نہایت پابند شریعت اور ذاکرو شاغل خاتون تھیں۔ آپ کے والدین سید تھے۔ اس لئے آپ نجیب الطرفین حسینی ہوتے ہیں۔ آپ کے چار بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹے بھائی مولانا سید محمود احمد صاحب جدہ کے سابق جج جن کا ۱۹۷۱ء میں مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا۔

تعلیم آپ کا آبائی وطن الہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے لیکن چونکہ آپ کے والد ماجد قصبہ بانگرمئو کے اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے اس لئے آپ کی عمر کے ابتدائی تین سال وہیں گذرے۔ بعد ازاں آپ کے والد صاحب پنشن لے کر اپنے وطن ٹانڈہ تشریف لے آئے اور یہیں آپ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا۔ یہاں آپ کو انبیائے کرام کی ایک سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یعنی بکریاں چرانے کی خدمت انجام دینے کا موقع ملا۔

تیرہ سال کی عمر تھی کہ آپ کو ۱۳۰۹ھ میں حضرت شیخ الہند کی خدمت میں دارالعلوم بھیجدیا گیا۔ آپ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی اور تربیت میں رہتے ہوئے سات سال کے عرصہ میں تمام کتب متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔

دار العلوم سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے ایما پر قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہوگئے۔ اس کے بعد جب ۱۳۱۶ھ میں اپنے والد ماجد صاحب کے ساتھ حجاز تشریف لے گئے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کی خدمت میں رہ کر مراحل سلوک طے فرمائے چند ماہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں رہ کر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اس کے چند ماہ کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا۔

قیام مدینہ

آپ کے والد ماجد نے مدینہ شریف پہنچ کر تمام رقم حصص شرعی کے مطابق اولاد پر تقسیم کردی اور فرمایا: چونکہ میں ہجرت کی نیت کرکے مدینہ منورہ آیا ہوں اس لئے میں تو یہیں زندگی گذاروں گا تمہیں اختیار ہے خواہ یہاں قیام کرو یا ہندوستان واپس چلے جاؤ۔ اگرچہ آپ کے والد صاحب کے علاوہ دیگر افراد خاندان نے ہجرت کی نیت نہیں کی تھی لیکن کسی فرد نے بھی والد ماجد کو تنہا چھوڑنا گوارا نہ کیا اور سب حضرات مدینہ ہی میں قیام پذیر رہے۔ اب گذارے کا مسئلہ سامنے آیا۔ یوں تو اکثر علمائے مدینہ اور مہاجرین کو ترکی حکومت کی جانب سے وظائف ملتے تھے لیکن حضرت شیخ الاسلام اور آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند نہ فرمایا اور ایک پرچون کی چھوٹی سی دکان کرلی گئی لیکن اس کی آمدنی خانگی مصارف کے لیئے ناکافی تھی۔ اس لئے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو نقل کتب کا مشغلہ بھی اختیار کرنا پڑا۔ اس کے باوجود نہایت صبر و قناعت کے ساتھ پورے خاندان کو گزارا کرنا پڑ رہا تھا۔

حصولِ خلافت

۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق آپ ہندوستان تشریف لائے اور حضرت امام ربانیؒ نے کچھ دنوں کے بعد آپ کو اور آپ کے بھائی صاحب کو خلافت عطا فرمادی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً بائیس سال تھی بعد ازاں ۱۳۲۲ھ میں آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

آپ کے درس کی مقبولیت

مسجد نبوی میں درس کے متعدد حلقے قائم تھے اس لئے کسی نئے حلقۂ درس کا قیام کچھ آسان

بات نہ تھی خصوصاً اس لئے بھی کہ یمنی و شامی اور حجازی علماء کی مادری زبان عربی تھی اور آپ ہندی نژاد تھے لیکن آپ کی مقبولیت عند اللہ کا کرشمہ دیکھئے کہ کچھ عرصہ تو آپ کا حلقۂ درس معمولی حالت میں رہا لیکن اس کے بعد اس میں جب ترقی شروع ہوئی تو دوسرے تمام حلقہ ہائے درس ماند پڑ گئے۔ صبح سے لے کر عشاء کے وقت تک آپ صحاح ستہ اور تفسیر و فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہتے اور ہر چہار طرف طلباء کا ہجوم رہتا تھا یہاں تک کہ آپ کی شہرت حجاز سے نکل کر دیگر ممالک تک پہنچ گئی اور آپ شیخ الحرم کے خطاب سے معروف ہو گئے۔

ہندوستان آمدورفت

۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے اور دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان تاریخی جلسۂ دستاربندی میں شرکت فرمائی۔ اس مرتبہ آپ نے تقریباً تین سال ہندوستان میں قیام فرمایا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے درس حدیث کی دوبارہ سماعت فرماتے رہے۔ آپ دوران درس کثرت سے اشکالات پیش فرماتے اور حضرت شیخ الہند نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ان کو حل فرماتے تھے۔ اگرچہ حضرت شیخ الہندؒ کو بہت جامع اور مختصر تقریر کی عادت تھی لیکن اس مرتبہ اپنے شاگرد رشید کی وجہ سے ہر ہر مسئلہ پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ الغرض تین برس ہندوستان کے دوران قیام آپ برابر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ فرماتے رہے اور بعد ازاں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ۱۳۳۰ھ میں بھی چند ماہ کے لئے ہندوستان تشریف لائے اور جلد ہی مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔ اس طرح تقریباً تیرہ برس گنبد خضرا کے زیر سایہ آپ نے تدریس حدیث و تفسیر کی خدمت انجام دی۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حجاز میں تشریف آوری

۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا لیکن یہ صرف سفر حج ہی نہیں بلکہ سفر جہاد بھی تھا جس کے ذریعہ آپ برطانوی حکومت کے ایوان جبر و استبداد کو زمیں بوس کرنا چاہتے تھے

چنانچہ ایک طرف تو آپ نے ہندوستان کے ہندو مسلم باشندوں میں تحریک آزادی کی روح پھونک دی اور دوسری جانب آزاد قبائل کو جہاد کے لئے منظم و آمادہ کیا۔ ساتھ ہی حکومت افغانستان، ترکی وغیرہ کو اپنے خاص نمائندے بھیج کر امداد و تعاون کے لئے آمادہ کر لیا۔ دراصل یہ سفر مذکورہ مقاصد کی تکمیل اور مجوزہ پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے بھی تھا۔ چنانچہ ۱۳۳۳ھ میں شیخ الہند رحمۃ اللہ جب حجاز پہنچے تو فریضہ حج کی ادائیگی کے ساتھ دوسرے مقصد کے حصول کی کوشش بھی جاری رہی۔ آپ نے گورنر حجاز غالب پاشا سے متعدد بار ملاقاتیں کیں اور ان کے سامنے پوری صورت حال تفصیل کے ساتھ بیان کی، گورنر حجاز انتہائی احترام اور ہمدردی کے ساتھ پیش آیا اور امداد کے سلسلے میں آپ کو ایک تحریر دی۔ اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے اور اپنے جان نثار شاگرد رشید حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو جو کہ اب تک اس تحریک کے تفصیلی حالات سے ناواقف تھے اپنے خیالات اور لائحہ عمل سے آگاہ کیا۔ ادھر ہندوستان میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسکیم کے مطابق آزاد قبائل برطانوی حکومت کے ساتھ جنگ چھیڑ چکے تھے یہ وہ محاذ تھا جس کی کمان حضرت نے حاجی ترنگ زئی مرحوم کو سپرد فرمائی تھی لیکن دشواری یہ تھی کہ مجاہدین کے پاس گولہ بارود اور ذخیرہ رسد ختم ہو رہا تھا اس لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ کسی طرح استنبول پہنچ کر حکومت ترکی سے امداد حاصل کریں اور وہاں سے براہ ایران و افغانستان آزاد قبائل کے مرکز میں پہنچ کر جنگ کی کمان خود فرمائیں۔

غازی انور پاشا سے ملاقات

ابھی آپ اسی سعی میں تھے کہ بذریعہ تار مدینہ منورہ یہ اطلاع پہنچی کہ غازی انور پاشا اور غازی جمال پاشا کمانڈر انچیف محاذ مصر و حجاز مدینہ منورہ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ حضرات سے ملنے کی خواہش کی چنانچہ گفتگو کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا اور حضرت شیخ الہند نے تمام حالات غازی صاحب موصوف کے سامنے رکھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ تمام ہندوستانی باشندے متحد ہو کر آزادی کے سلسلے میں آواز بلند کریں۔ ہم ہر ممکن طریقہ پر ان کے ساتھ تعاون کریں گے۔ موصوف سے گفتگو اور ملاقات کے بعد حضرت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک جہاد کے مرکز یاغستان پہنچنے کی کوشش کی لیکن آپ کو اس سلسلے میں کامیابی نہ ہوسکی کیونکہ روسی فوجیں ترکی اور افغانستان کے درمیان حائل تھیں، دوسری جانب ہندوستان کی واپسی یوں مناسب نہ تھی کہ انگریزوں کو آپ کی جدوجہد کا علم ہوچکا تھا۔ ہندوستان پہنچتے ہی آپ کی گرفتاری یقینی تھی اور اس تحریک کو سخت نقصان پہنچتا، ان تمام باتوں کے باوجود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ کسی طرح جدہ سے بادبانی جہاز کے ذریعہ بمبئی پہنچیں اور خفیہ طریقہ پر وہاں سے بلوچستان ہوتے ہوئے یاغستان پہنچ جائیں۔

حضرت شیخ الہندؒ و شیخ الاسلامؒ کی گرفتاری

اسی اثنا میں حاکم حرمین شریف حسین نے انگریزوں کی سازش سے ترکوں کے خلاف بغاوت کردی اور جب برطانوی حکومت کی امداد سے وہ اپنی بغاوت میں کامیاب ہوگیا تو انگریزوں کے اشارے پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے پاس دستخط کے لئے ایک فتویٰ بھجوایا جس میں ترکوں کی تکفیر کی گئی تھی حضرت شیخ الہندؒ نے دستخط کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اس پر شریف حسین نے آپ کو اور آپ کے ہمراہیوں کو جس میں مولانا حکیم نصرت حسین صاحب، مولانا عزیز گل صاحب اور مولانا وحید احمد صاحب مدنی شامل تھے گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کردیا۔ یہ گرفتاری ۱۳۳۵ھ کو عمل میں آئی حضرت شیخ الاسلامؒ انگریزوں کے خلاف تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کئے جاچکے تھے ان کو بھی جدہ پہنچا کر حضرت شیخ الہند کے ہمراہ کردیا گیا۔ بعد ازاں ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۱۷ء کو یہ اسیران ظلم وستم مصر روانہ کردیئے گئے جہاں ایک خاص سیاسی قید خانہ میں ان کو رکھا گیا۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کال کوٹھری میں بند کیا گیا تھا۔ تقریباً ہر شخص کو یقین تھا کہ پھانسی کی سزا ہوگی لیکن مشیت ایزدی میں آپ حضرات کی حفاظت تھی اس لئے بجائے پھانسی اسارت مالٹا کی سزا تجویز ہوئی۔

مالٹا میں ورود

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو یہ تمام حضرات مالٹا روانہ کردیئے گئے اور ۲۹ ربیع الثانی کو جزیرۂ مذکورہ میں پہنچ گئے۔ اسارتِ مالٹا

کی مدت تقریباً تین سال ہے۔ اس فرصت میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنے استادِ محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر خدمت انجام دی اور اپنی دیرینہ آرزو حفظ قرآن کریم کی تکمیل فرمائی، علاوہ ازیں ترکی زبان بھی سیکھ لی۔ نیز حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو ترجمہ قرآن مجید فرما رہے تھے اس میں آپ معاون رہے۔ جزیرہ مالٹا میں تقریباً تین ہزار قیدی تھے جن کا تعلق جرمنی، آسٹریا، بلغاریہ، ترکی اور شام وغیرہ سے تھا۔ ان قیدیوں میں ہر قسم کی لیاقت اور صلاحیت کے لوگ موجود تھے۔ فوج کے بڑے بڑے افسران، سیاسی لیڈر علمائے دین اور مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی کمی نہ تھی۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا رابطہ مختلف الخیال اشخاص سے رہا اور سبھی حضرات آپ کا اور آپ کے استاد محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے۔ بین الاقوامی مفکرین سے تبادلۂ خیالات کے ذریعہ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرات کو متاثر کر چکے تھے اور اپنی معلومات میں بھی اضافہ فرمایا تھا۔

مالٹا سے رہائی اور ہندوستان واپسی

جنگ عظیم کے اختتام پر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو ان تمام حضرات کی رہائی کا حکم ہوا۔ مالٹا سے روانگی کے وقت لوگوں کا آپ حضرات کے ساتھ والہانہ تعلق قابلِ دید تھا۔ ترکی حکومت کے صدر اعظم اور شیخ الاسلام خیر الدین آفندی سے لے کر نیچے کے عہدہ داروں تک سب کے سب ان حضرات کو باچشم نم رخصت کرنے کے لئے موجود تھے۔ انگریز افسران حیران تھے کہ اس قسم کے اعزاز واکرام اور اظہار مودت کا معاملہ کسی بڑے سے بڑے لیڈر اور قائد کے ساتھ بھی نہیں ہوا۔ پھر ان بوریہ نشینوں میں کیا بات ہے جس نے سبھی کو گرویدہ بنا لیا۔ مالٹا سے روانگی کے بعد یہ حضرات کچھ دن مصر میں قیدیوں کے کیمپ میں رکھے گئے بعد ازاں آپ حضرات کو بمبئی لاکر رہا کر دیا گیا۔ بمبئی پہنچکر حضرت شیخ الاسلام نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حسب مشورہ مدینہ جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی ہوتے ہوئے دیوبند تشریف لے آئے۔ یہاں سے آپ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

آپ حضرات جس وقت ہندوستان تشریف لائے اس وقت خلافت کمیٹی پوری طرح مصروف عمل تھی اور مولانا محمد علی وشوکت علی نیز ڈاکٹر انصاری ومولانا ابوالکلام آزاد وغیرہم کی قیادت میں تحریک آزادی شد و مد کے ساتھ جاری تھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بمبئی پہنچتے ہی تحریک آزادی کی مکمل حمایت کا اعلان فرمادیا، مالٹا کی طویل اسارت اور وہاں کی سخت ترین مشقتیں آپ کے پائے ثبات واستقلال میں کسی قسم کا تزلزل پیدا نہ کرسکیں تھیں۔ اسارت مالٹا کے زمانے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صحت بُری طرح متاثر ہوچکی تھی۔ اس لئے آپ اپنا یہ ارادہ پورا نہ فرماسکے کہ ہندوستان کے طول وعرض کا دورہ کرکے رائے عامہ کو حصول آزادی کے لئے مزید ہموار کیا جائے۔ تقریباً پانچ ماہ علیل رہ کر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر آپ کا وصال ہوگیا اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی کا بار اٹھانا پڑا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت بمبئی نزول فرمایا تھا اسوقت حضرت شیخ الہندؒ وحضرت گنگوہی کے خادم خاص جناب حافظ زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کی صدر مدرسی کے لئے باصرار آمادہ کرلیا تھا اور اس سلسلے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت لے لی تھی۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام کئی ماہ امروہہ میں مقیم رہے لیکن چند ماہ کے بعد ہی حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنے پاس بلالیا اور فرمایا کہ تمہارے بغیر میرے لئے کام کرنا دشوار ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد جب مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے کلکتہ میں سرکاری مدرسہ عالیہ کے مقابلے میں ایک دوسرا تعلیمی ادارہ قائم کیا اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ایسا عالم طلب کیا جو تدریس حدیث میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتا ہو، تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حالات سے مجبور ہوکر بادل ناخواستہ آپ کو اس خدمت کی انجام دہی کے لئے کلکتہ روانہ فرمادیا۔ رخصت کرتے وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ نے آپ کے ہاتھوں کو سر اور آنکھوں سے لگایا اور نہایت رقّت آمیز کیفیت کے ساتھ معانقہ کرکے آپکو رخصت کیا۔ یہ الوداعی ملاقات دراصل جانشینی کی طرف واضح اشارہ تھی۔ آپ استادِ محترم

سے رخصت ہو کر ابھی امروہہ ہی پہنچے تھے کہ حضرت شیخ الہند کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع موصول ہوئی۔ آپ فوراً دیوبند واپس پہنچے لیکن حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین ہو چکی تھی۔ دیوبند میں چند روز قیام کے بعد حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جب کلکتہ جانے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم نے اس بات پر اصرار فرمایا کہ آپ دارالعلوم ہی میں فرائض تدریس انجام دیں۔ چونکہ حضرت شیخ الہند کی حیات ہی میں مجلس شوریٰ یہ طے کر چکی تھی کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ جس وقت بھی حجاز سے واپس تشریف لائیں گے دارالعلوم میں بحیثیت مدرس فرائض تدریس انجام دینگے اس لئے حضرت حافظ احمد صاحبؒ نے اس بات پر خاص طور سے زور دیا کہ دارالعلوم دیوبند ہی میں رہیں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی شدید بیماری میں جبکہ وہ خود میری حاضری اور موجودگی کی ضرورت محسوس فرماتے تھے۔ مجھے کلکتہ روانگی کا حکم دیا تو اب کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا جائے الغرض آپ نے حافظ احمد صاحبؒ کو کسی طرح راضی کر لیا اور کلکتہ پہنچ کر حدیث کے اسباق شروع فرما دیئے۔ لیکن چونکہ پورے ملک نے آپ کو جانشین شیخ الہند تسلیم کر لیا تھا اور آپ کی فروتنی وانکساری کے باوجود یہ لقب خود بخود زبان زد خاص و عام ہو چکا تھا۔ اس لئے تمام سیاسی مسائل میں قوم کی نگاہیں آپ ہی کی جانب اٹھتی تھیں اور سیاسی اجتماعات کے سلسلے میں برابر آپ کو اسفار پیش آتے رہتے تھے چنانچہ مولوی بازار کلکتہ اور ضلع رنگپور کے عظیم الشان جلسہائے خلافت وجمعیۃ کی صدارت کے فرائض آپ ہی نے انجام دیئے۔ بعد ازاں سیوہارہ ضلع بجنور میں جمعیۃ وخلافت اور کانگریس کے عظیم الشان جلسے ساتھ ساتھ ہوئے تو خلافت کے جلسے کی صدارت کے لئے آپ ہی کو منتخب کیا گیا تھا اس کے بعد مظاہر العلوم سہارنپور کے سالانہ جلسے میں تشریف آوری ہوئی بعد ازاں کراچی کے مشہور جلسے میں شرکت فرمائی الغرض مسلسل اسفار اور سیاسی مصروفیات کے باعث آپ سے کلکتہ کی ملازمت نبھ نہ سکی اور وہاں سے معاملہ ختم ہو گیا۔

مقدمۂ کراچی ۸، ۹، ۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء کو کراچی میں خلافت کمیٹی کے عظیم الشان

اجلاس ہوئے جن میں مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی بھی شریک تھے۔ چونکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں ترک موالات کی تحریک چل چکی تھی اور حضرت شیخ الہندؒ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نیز ہندوستان کے تقریباً پانچسو علماء ترک موالات کے سلسلے میں فتوے دے چکے تھے۔ اسی اسپرٹ کو برقرار رکھتے ہوئے مذکورہ اجلاسوں میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تجویز پیش فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ انگریزوں کی فوج میں ملازم رہنا، بھرتی ہونا، یا اس کی دوسروں کو ترغیب دینا حرام ہے اور ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ جو لوگ فوج میں ہیں ان تک یہ حکم پہنچاتے اور فوج سے علیحدہ ہو جانے کی ترغیب دے۔ مولانا محمد علی اور دیگر لیڈروں نے اس تجویز کی تائید کی۔

گرفتاری حکومت کی نظر میں چونکہ مذکورہ تجویز نہایت سنگین جرم تھی اس لئے حضرت شیخ الاسلام، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر کچلو وغیرہ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے۔ حضرت شیخ الاسلام اس وقت دیوبند میں آستانہ حضرت شیخ الہند پر قیام پذیر تھے۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء کو حکومت کے افسران مع مسلح پولیس حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے پہنچے۔ یہ خبر یکایک پورے شہر میں پھیل گئی۔ بازار میں ہڑتال ہو گئی اور ہزارہا ہندو مسلم پبلک آستانہ شیخ الہند پر پہنچکر مزاحمت کے لئے تیار ہو گئی۔ بڑی مشکل سے حالات پر قابو حاصل ہو سکا۔ اس وقت تو آپ کی گرفتاری عمل میں نہ آسکی لیکن رات کے وقت تین بجے انگریز افسران مع مسلح پولیس اور گورکھا فوج آستانہ حضرت شیخ الہند پر پہنچے۔ لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ کسی قسم کی مزاحمت نہ فرمائی۔ اسٹیشن پر اسپیشل موجود تھا۔ آپ کو اس میں سوار کرایا گیا اور وہ فوراً روانہ ہو گیا۔

مقدمہ ۲۶ ستمبر ۲۱ء سے مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مسلح پولیس اور فوج عدالت کے گرد و پیش کثیر تعداد میں موجود تھی۔ ۲۸ ستمبر کو مولانا محمد علی صاحب کا بیان لیا گیا۔ مولانا مرحوم نے ایک طویل تقریر فرمائی اور تسلیم کیا کہ وہ ریزولیشن جس سے انگریزی حکومت کو بغاوت کا اندیشہ ہے جلسہ میں پیش ہوا اور میں نے ایسے شخص کی تائید کی

جس کو میں اپنا آقا، سردار اور بزرگ کہنا باعث فخر سمجھتا ہوں اور وہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کا بیان شروع ہوا۔ لیکن آپ کی تقریر ایسی دقیق اردو میں تھی کہ نہ مجسٹریٹ کچھ سمجھ سکا اور نہ اس کا پیشکار۔ اس لئے اگلے روز ۹؍ستمبر ۱۹۲۱ء کو مجسٹریٹ نے مترجم کا انتظام کیا۔ تب آپ نے بیان دیا۔ بیان کیا تھا "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر" کی عملی تشریح تھی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی رکاوٹ کو برداشت نہ کرے۔ اس لئے ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں احکام خداوندی لوگوں تک پہنچاؤں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے خلاف ناحق ہتھیار اٹھانا حرام ہے۔ فرمایا: چونکہ لائڈ جارج اور چرچل نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ جنگ اسلام اور برطانیہ کے درمیان ہے لہذا ہمارا اہم ترین فرض ہے کہ ہم اعلان کر دیں کہ اسلام دشمن طاقتوں سے مقابلہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ مسلمان گورنمنٹ کے لئے اسی حد تک وفادار ہو سکتا ہے جہاں تک کہ مذہب اجازت دے۔ اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی کے سلسلے میں ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کی تعمیل نہیں کرنا چاہتی ہے تو ہر مسلمان اپنے مذہب پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوگا اور میں پہلا شخص ہوں کہ اپنی جان قربان کر دوں گا!

مذکورہ جملے پر مولانا محمد علی مرحوم نے آگے بڑھ کر حضرت شیخ الاسلام کے قدم چوم لئے۔

ان بیانات کے بعد حضرت شیخ الاسلام معہ رفقاء سیشن سپرد کر دیئے گئے ۲۴؍اکتوبر ۱۹۲۱ء کو مقدمہ جوڈیشنل کمشنر سندھ کی عدالت میں شروع ہوا اور ۲۸؍اکتوبر کو حضرت شیخ الاسلام سے بیان لیا گیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"۱۸۵۷ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے اعلان شاہی جاری کیا تھا جس میں مکمل مذہبی آزادی کی گارنٹی دی گئی تھی۔ اس اعلان کی روشنی میں ہم نے جو کچھ کہا وہ قطعاً جرم نہیں ہے۔ میں اپنے مذہب کو اور ہندو اپنے دھرم کو خوب سمجھتے ہیں۔ یہ مذہبی معاملہ ہے۔ اس کا فیصلہ کرنا لارڈ ریڈنگ کا نہیں بلکہ علماء کا کام ہے۔ حکومت نے اپنے سامراجی مقاصد کی تکمیل کے لئے محکمہ فوج و پولیس قائم کیا ہے اور اس میں

بھرتی ہونے والوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ حکومت کے حکم کی تعمیل میں ہر مسلمان وہندو وغیرہ پر تلوار کھینچ لیں۔ مگر ہر مسلمان کے لئے ایسا کرنا شرعاً حرام ہے۔ اس لئے یہ ملازمت بھی شرعاً حرام اور ناجائز ہوئی۔ قرآن کریم میں سات مقامات پر قتل مسلم کی ممانعت آئی ہے اور مذہبی کتب میں قتل مسلم کو کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً شراب اور سور کا استعمال شرعاً حرام ہے لیکن اگر ان کے عدم استعمال کی صورت میں ہلاکت کا خوف ہو تو ان کے استعمال کی شرعاً اجازت ہے لیکن اپنی جان بچانے کے لئے کسی مسلمان کو ہلاکت میں ڈالنا کسی طرح جائز نہیں خواہ اپنی جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآن کریم کا حکم لوگوں تک پہنچائیں اور چونکہ ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے اعلان ہو چکا ہے کہ مذہبی امور میں مداخلت نہیں کی جائے گی لہذا جن لوگوں نے مداخلت بیجا کر کے ہمیں تنگ کیا ہے دراصل وہی حکم شاہی کی خلاف ورزی کے ذمہ دار ہیں اور میں ایک بار پھر ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے برطانوی فوج کی ملازمت حرام ہے۔

فیصلہ یکم نومبر ۱۹۲۱ئہ کو اس مشہور تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ اور آپ کے رفقاء کو دو دو سال کی قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ آپ کو سابرمتی جیل منتقل کر دیا گیا اور دیگر حضرات دوسرے جیلوں میں رکھے گئے۔ کراچی کے زمانہ اسارت میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے ترجمہ قرآن مجید پڑھا۔

رہائی دو سال کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔ دیوبند وغیرہ میں آپ کے استقبال کے لئے عظیم الشان تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ شہرت سے نفرت اور طبعی تواضع وفروتنی کے باعث رات کے دو بجے بغیر کسی اطلاع کے آستانہ حضرت شیخ الہندؒ دیوبند پہنچ گئے۔ رہائی کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ اور آپ کے رفقاء کو مختلف اور متنوع مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، ایک جانب ارتداد اور شدھی کی تحریکوں کا زور تھا اور دوسری جانب انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کو برقرار رکھنے کی کوششیں جاری تھیں چنانچہ حضرت

شیخ الاسلامؒ اور مولانا محمد علی مرحوم وغیرہ مدبرین نے انتہائی حکمت عملی اور پامردی سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے شدھی اور ارتداد کی تحریک کو ناکام بنا دیا اور انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی کی شدت میں فرق نہ آنے دیا۔

دسمبر ۱۹۲۳ء میں کوکناڈا میں جمعیۃ العلماء ہند کا عظیم الشان پانچواں اجلاس ہوا اور اس کی صدارت کے لئے حضرت شیخ الاسلامؒ کو منتخب کیا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء تک آپ سلہٹ (آسام) کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔

دارالعلوم کی صدارت

۱۳۴۶ھ میں جبکہ دارالعلوم دیوبند اندرونی خلفشار کا شکار ہوگیا اور حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور آپ کے رفقاء کے استعفاء کے باعث دارالعلوم کے وجود ہی کو خطرہ پیدا ہوگیا تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر اراکین مجلس شوریٰ نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے عہدۂ صدارتِ تدریس کو سنبھالنے کے لئے اصرار کیا اور آپ نے دارالعلوم کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پیش کش کو چند شرائط کے ساتھ قبول فرما لیا اس طرح درس و تدریس کے ساتھ ہی سیاسی تحریکات میں شرکت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور جمعیۃ علماء ہند اور کانگریس کی ہر قسم کی جدوجہد میں قائدانہ حصہ لیتے رہے۔

۱۹۳۲ء میں جب کانگریس اور جمعیۃ العلماء نے حکومت کے خلاف ستیہ گرہ کیا تو جمعیۃ العلماء کی طرف سے آپ ڈکٹیٹر بنائے گئے اور جب کہ آپ دیوبند سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ مظفر نگر اسٹیشن پر آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور تقریباً ڈیڑھ ہفتہ کے بعد رہا کر دیا گیا۔

مسلم لیگ کے ساتھ تعاون

۱۹۳۶ء میں مسٹر جناح اور دوسرے لیگی لیڈروں نے دہلی میں جمعیۃ علماء کے اکابر سے مل کر لیگ اور جمعیۃ کے اتحاد کے لئے کوشش کی۔ ممتاز لیگی حضرات نے اکابر جمعیۃ کو یقین دلایا کہ وہ

حکومت پرست افراد سے سخت بیزار ہو چکے ہیں اور مسلم لیگ سے غلط اور خوشامد پسند و حکومت نواز اشخاص کو نکال کر حریت پسند اور وطن دوست افراد کو لیگ میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اراکین جمعیۃ العلماء ہند نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر مسٹر جناح حکومت پرست افراد سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے حریت پسند گروپ کے ساتھ مل جاتے ہیں تو مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ متحد ہو جائے گا اور مسلمانوں کے اندرونی اختلافات ختم ہو جائیں گے حضرت شیخ الاسلام کو (جبکہ آپ پنجاب کے دورہ پر تھے) بذریعہ تار دہلی طلب کیا تاکہ صورت حال آپ کے سامنے بھی رکھی جائے۔ چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جماعتی مشوروں پر عمل پیرا ہونے کیلئے تیار رہتے تھے آپ نے اراکین جمعیۃ کے ساتھ اتفاق فرمایا اور اس کے نتیجے میں مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء کا اتحاد عمل میں آیا۔ بعد ازاں آپ نے پورے ہندوستان کا دورہ فرما کر مسلم لیگ کے لئے میدان ہموار کیا اور اس جماعت کے تن نیم جان میں ایک نئی روح پھونک دی جس کا اعتراف پورے انشراح کے ساتھ چودھری خلیق الزماں کو بھی اپنے بعض مکاتیب میں کرنا پڑا لیکن الیکشن میں نمایاں کامیابی کے بعد مسٹر جناح اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکے اور جن لوگوں کو حکومت پرست اور ٹوڈی کہہ کر مسلم لیگ سے نکال دیا تھا ان سے دوبارہ تعلق قائم کر لیا نیز شرعی امور میں جمعیۃ العلماء کی رائے کے احترام کا جو وعدہ کیا گیا تھا اسے بھی نظر انداز کر دیا گیا جب الیکشن میں کامیابی کے بعد مسٹر جناح کو ان کے عہد یاد دلائے گئے تو انہوں نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ وہ سب تو پولیٹیکل وعدے تھے۔ ان کا اعتبار کیا؟ حضرت شیخ الاسلام نے جب یہ مایوس کن صورت حال دیکھی تو آپ مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔

جمعیۃ العلماء کی صدارت اور ۱۹۴۲ء میں گرفتاری

۱۹۴۰ء میں جب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (سابق صدر جمعیۃ علماء ہند) خرابی صحت کی بنا پر جمعیۃ العلماء کی صدارت کے لئے تیار نہ ہوئے تو حضرت شیخ الاسلام کو جمعیۃ العلماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا۔ جون ۱۹۴۲ء میں آپ کو ایک خلافِ قانون تقریر کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اور عدالت سے چھ ماہ بامشقت اور پانچسو روپے جرمانے کی سزا دی گئی۔ چھ ماہ پورے ہونے کے بعد اگرچہ آپ کی سزا کی میعاد ختم ہو گئی لیکن

حکومت نے آپ کو رہا نہیں کیا بلکہ غیر معینہ مدت کے لئے نظر بند کر دیا۔ پھر ۲۴ر جنوری ۱۹۴۳ء کو آپ مراد آباد جیل سے نینی جیل الہ آباد منتقل کر دیئے گئے اور وہاں تقریباً انیس ماہ نظر بند رہے۔ دو سال دو ماہ کی یہ مدت اسارت اس وقت ختم ہوئی جبکہ ۲۶ اگست ۱۹۴۴ء کو آپ بلا شرط رہا کر دیئے گئے۔ اس وقت ہندوستان شدید ترین سیاسی بحران سے دوچار تھا۔ ایک جانب تحریک آزادی پورے شباب پر تھی اور دوسری جانب مسلم لیگ نے پاکستان کا شگوفہ چھوڑ دیا تھا۔ ان نازک حالات میں حضرت شیخ الاسلام اور آپ کی جماعت کا موقف یہ تھا کہ کوئی ایسا فارمولا تسلیم نہ کیا جائے جس سے ہندوستان کے کسی مخصوص علاقہ کے باشندوں کو فائدہ پہنچے اور دیگر حصۂ ملک کے مسلم باشندے تباہی اور بربادی کا شکار ہو جائیں۔ اس لئے مسئلہ کا حل اس طرح ہونا چاہیئے کہ تمام علاقوں کے مسلمان باعزت طریقہ پر رہ سکیں۔ کیونکہ تقسیم ملک کی صورت میں مسلم اقلیت کا مسئلہ بدستور الجھا رہے گا جبکہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیت اس قدر موثر ہوگی کہ وہاں کی مسلم اکثریت ان سے متاثر ہونے پر مجبور ہوگی اور اگر تبادلہ آبادی کی نوبت آتی ہے تو نہایت تباہی و بربادی کے مناظر سامنے آئیں گے اور چونکہ ہندوستان میں مسلم اقلیت آٹے میں نمک کے برابر ہوگی اس لئے قطعاً غیر موثر ہوگی اور یہاں کی اکثریت اپنی من مانی کرنے میں آزاد ہوگی۔ مزید براں یہ بات بھی کھٹکتی تھی کہ پاکستان میں اسلامی حکومت کا نعرہ محض ڈھونگ ہے کیونکہ جن لوگوں کے ہاتھوں زمام اقتدار ہوگی وہ قطعاً شریعت سے بیگانہ ہیں اور ان کی پوری زندگی شرعی احکام کی خلاف ورزیوں میں گذری ہے۔ اسی کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مکاتیب میں اس امر کی پیشین گوئی بھی فرمادی تھی کہ پاکستان کی علاقائی، سیاسی اور اقتصادی پوزیشن کچھ اس نوعیت کی ہوگی کہ وہ کبھی اپنے قدموں پر کھڑا نہ ہو سکے گا جس کے نتیجے میں کسی دوسری بڑی حکومت امریکہ یا روس وغیرہ کا آلۂ کار بن جائے گا۔

بہر حال اس قسم کے بہت سے امور ایسے تھے جن کی بنا پر آپ نے ہمیشہ تقسیم ملک کی مخالفت فرمائی اور بجائے تقسیم ملک آپ نے ایک جامع اسکیم پیش فرمائی جو مدنی فارمولا کے نام سے مشہور ہے اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبے درج ذیل امور کے علاوہ

اپنے تمام معاملات میں خود مختار ہوں، مرکز کی تشکیل میں ہندو اور مسلم ممبران مساوی ہوں اور دس سیٹیں پسماندہ طبقوں کے لئے ریزرو کردی جائیں۔ اس طرح ہندو اور مسلمان ہر ایک کو ۴۵ فیصد سیٹیں ملتی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ شرط بھی تھی کہ کوئی قانون جس کا تعلق مسلمانوں سے ہوگا وہ اس وقت تک پاس نہ ہو سکے گا جب تک کہ مسلم ممبران کی اکثریت اس کے حق میں نہ ہو۔

اسی فارمولے کے بارے میں سر اسٹیفورڈ کرپس نے کہا تھا کہ حقیقت میں یہ بہترین حل ہے اور اگر یہ فارمولا تسلیم کرلیا جاتا تو آج تمام ہندوستان مسلمانوں کے لئے پاکستان ہوتا لیکن اس وقت مسلمانوں پر برطانوی پروپیگنڈے نے کچھ ایسا جادو کیا ہوا تھا کہ انہوں نے تمام دلائل اور مستقبل کے خطرات سے آنکھیں موند لیں اور حضرت شیخ الاسلامؒ اور آپ کی جماعت کے خلاف الزام تراشیوں، دھمکیوں اور ایذا رسانی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ آخر کار برطانوی سازش کامیاب رہی اور ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوگیا۔

اب حضرت شیخ الاسلام نے تقسیم ملک سے پیدا ہونے والے جن خطرات کی جانب اشارہ فرمایا تھا ایک ایک سامنے آنے لگے مسلمانوں کے لئے عرصۂ عافیت تنگ ہوگیا۔ پنجاب، دہلی اور مغربی یو۔پی کے بعض اضلاع کو قیامت خیز تباہیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمانوں کی واحد نمائندگی کے دعویدار مسلم لیگی لیڈر راہ فرار اختیار کر گئے۔ اندیشہ تھا کہ مشرقی پنجاب کی طرح مغربی یو۔پی کا پورا علاقہ بھی مسلمانوں سے خالی نہ ہوجائے ان حالات میں حضرت شیخ الاسلام نے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ گھوم کر مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے اور خدا پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی، دوسری جانب اعلیٰ حکام اور وزراء کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ روزانہ ٹیلیفون کھڑکھڑاتے ان سے جاکر ملاقاتیں کرتے اور جن علاقوں میں فسادات کا خطرہ ہوتا وہاں پہنچکر فرماتے کہ تم خود حملہ مت کرو۔ کسی کو نقصان مت پہنچاؤ! لیکن اگر کوئی تم پر چڑھ کر آئے تو اسے ایسا دنداں شکن جواب دو کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ غرضیکہ اس بوڑھے مجاہد نے قوم وملت کی خیر خواہی کے لئے دن رات ایک کردیا اور مسلمانوں میں اعتماد و استقلال کی روح پھونک دی۔

بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے مغربی یو۔پی میں مسلمانوں

کے قیام اوران کی بقا کا سہرا آپ ہی کے سر ہے جس طرح کہ دہلی میں فسادات کے دوران مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی خدمات یادگار ہیں گی ورنہ فرقہ پرستوں کی تو اسکیم یہ تھی کہ یو۔پی کا اکثر حصہ اور تمام شرقی پنجاب و دہلی کو مسلمانوں سے خالی کرالیا جائے تاکہ اسلامی تہذیب وتمدن کے مراکز کا ہندوستان میں نام ونشان باقی نہ رہے۔

الغرض حضرت شیخ الاسلام نے ۱۹۴۷ء کے پُرآشوب دور میں مسلمانوں میں استقلال وخوداعتمادی کا جذبہ پیدا فرمایا اور اس کے بعد وصال تک برابران کی اصلاح وروحانی تربیت، فلاح وبہبودی میں مصروف رہے (نور اللہ مرقدہٗ وانزل علیہ شآبیب رحمتہ الیٰ یوم الدین)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بالواسطہ وبلا واسطہ تلامذہ کی تعداد شاید لاکھوں تک پہنچ جائے۔ صرف دارالعلوم میں جن حضرات کو آپ نے حدیث کی اجازت دی اور انہوں نے سند فراغت حاصل کی ان کی تعداد تین ہزار آٹھ سو چھپن ہے ایک سو سڑسٹھ ۱۶۷ سالکین ومریدین کو آپ نے اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔ آپ کی تصانیف میں الشہاب الثاقب، سفرنامہ اسیر مالٹا، متحدہ قومیت، نقش حیات، مکتوبات، مشہور ومعروف ہیں ان کے علاوہ بھی بعض مطبوعہ خطبہائے صدارت اور تقاریر دستیاب ہیں۔

شجرۂ طریقت

اگرچہ حضرت شیخ الاسلام چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا کرتے تھے لیکن یہاں صرف شجرۂ مشائخ چشت پیش کیا جاتا ہے ــــ

اسماء	جائے ولادت یا سن پیدائش	سن وفات	مقام دفن
۱۔ شیخ الاسلام سیدنا و مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ	قصبہ بانگرمئو ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء	۱۲ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات	مقبرۂ قاسمی دیوبند
۲۔ قطب الزماں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	گنگوہ ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ	۹ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ	گنگوہ ضلع سہارنپور یوپی
۳۔ حضرت حاجی شیخ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ	تھانہ بھون ضلع مظفرنگر	۱۲ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ	مکہ معظمہ
۴۔ حضرت شیخ نور محمد صاحب جھنجھانویؒ	جھنجھانہ ضلع مظفرنگر	۴ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ	جھنجھانہ ضلع مظفرنگر
۵۔ حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب شہیدؒ	افغانستان	۷ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ	پنجتار صوبہ سرحد
۶۔ حضرت شیخ عبدالباری امروہویؒ	قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد	۶ محرم ۱۲۲۶ھ	قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد

اسماء	جائے ولادت یا سن پیدائش	سن وفات	مقام دفن
۷۔ حضرت شیخ عبدالہادی صاحب امروہوی	قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد	۳ر رمضان المبارک سنہ ۱۱۹۰ھ	قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد
۸۔ حضرت شیخ عضدالدین امروہوی	” ” ”	۲۷ر رجب سنہ ۱۱۲۰ھ	” ” ”
۹۔ حضرت شیخ محمد مکی	مکہ معظمہ	۱۱ر رجب × ×	” ” ”
۱۰۔ حضرت شیخ شاہ محمدی	قصبہ امروہہ ضلع مرادآباد	۳ر رجب × ×	اکبرآباد مونگ گڈھ
۱۱۔ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی	صدر پور	۹ر رجب × ×	الہ آباد
۱۲۔ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی	گنگوہ ضلع سہارنپور	سنہ ۱۱۴۰ھ	گنگوہ ضلع سہارنپور
۱۳۔ حضرت شیخ نظام الدین بلخی	تھانیسر ضلع کرنال پنجاب	سنہ ۱۰۳۵ھ	بلخ
۱۴۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری	ولادت سنہ ۸۹۴ھ	سنہ ۹۸۹ھ	تھانیسر ضلع کرنال پنجاب
۱۵۔ حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی	قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی یوپی سنہ ۸۹۱ھ	سنہ ۹۴۰ھ یا سنہ ۹۲۵ھ	گنگوہ ضلع سہارنپور
۱۶۔ حضرت شیخ محمد ردولوی	ردولی ضلع بارہ بنکی	۱۰ر صفر سنہ ۹۸ھ	ردولی ضلع بارہ بنکی یوپی
۱۷۔ حضرت شیخ احمد عارف ردولوی	” ” ”	۱۰ر صفر سنہ ۸۶۲ھ	” ” ”
۱۸۔ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی	” ” ”	۱۵ر جمادی الثانی سنہ ۸۳۷ھ	” ” ”

اسماء	جائے پیدائش یا سن ولادت	سنہ وفات	مدفن
۱۹ حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی	پانی پت ضلع کرنال پنجاب	۷۶۵ھ	پانی پت ضلع کرنال پنجاب
۲۰ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رح	ترکستان	۷۱۶ھ	" " "
۲۱ حضرت شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر رح	۵۹۳ھ	۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ	پیران کلیر شریف ضلع سہارنپور یوپی
۲۲ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رح	ملتان رمضان المبارک ۵۶۹ھ	غالباً ۶۶۸ھ	پاک پٹن شریف
۲۳ حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رح	اوش توابع فرغانہ	۶۶۳ھ	دہلی مہرولی شریف
۲۴ حضرت شیخ المشائخ مرکز الطریقت معین الدین حسن سنجری رح	سجستان یا سیستان	غالباً ۶ رجب ۶۳۲ھ	اجمیر شریف
۲۵ حضرت شیخ عثمان ہارونی رح	قصبہ ہارون توابع خراسان		مکہ معظمہ
۲۶ حضرت شیخ سید شریف زندنی رح	زندانہ توابع بخارا	۳ رجب ۶۲۱ھ	زندانہ بخارا
۲۷ حضرت شیخ مودود الچشتی	چشت ۴۳۰ھ	غالباً ۵۲۷ھ	چشت
۲۸ حضرت شیخ ابو یوسف چشتی رح	" ۳۷۵ھ	یکم جمادی الاولیٰ ۴۵۹ھ	"
۲۹ حضرت شیخ ابو محمد محترم چشتی رح	" ۳۳۱ھ	۴۱۱ھ	"
۳۰ حضرت شیخ ابو احمد ابدال چشتی رح	" ۲۶۰ھ	۳۵۵ھ	"

اسماء	سن ولادت یا جائے پیدائش	سنہ وفات	مدفن
۳۱۔ حضرت شیخ ابو اسحاق شامیؒ	شام	سنہ ۳۲۹ھ	مکہ نزد عکہ۔ شام
۳۲۔ حضرت شیخ ممشاد علوی الدینوریؒ	دینور	سنہ ۲۹۹ھ	قصبہ دینور
۳۳۔ حضرت شیخ ابو ہبیرہ بصریؒ	بصرہ سنہ ۱۶۲ھ	۷ شوال سنہ ۲۷۵ھ	بصرہ
۳۴۔ حضرت شیخ حذیفہ مرعشیؒ	قصبہ مرعش نواح دمشق	شوال سنہ ۲۵۲ھ	بصرہ نزد بعض
۳۵۔ حضرت شیخ سلطان ابراہیم ادہم بلخیؒ	× × ×	یکم شوال سنہ ۱۸۷ھ	شام علی الاصح
۳۶۔ حضرت شیخ فضیل بن عیاضؒ	سمرقند	محرم سنہ ۱۷۷ھ	جنت المعلیٰ مکہ معظمہ
۳۷۔ حضرت شیخ عبد الواحد ابن زیدؒ	مدینہ منورہ	صفر سنہ ۱۷۶ھ	بصرہ
۳۸۔ حضرت شیخ المشائخ امام الاولیاء خواجہ حسن بصریؒ	مدینہ منورہ	سنہ ۱۱۰ھ	〃
۳۹۔ حضرت امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ	مکہ معظمہ	۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ	نجف اشرف غالباً
۴۰۔ حضرت سید الانبیاء والمرسلین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مکہ معظمہ بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاول عام الفیل	دوشنبہ ۹ ربیع الاول ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ	مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً

شجرۂ نسب
سیدنا و مولانا سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سیدنا امام علی زین العابدین
سید حسین اصغر
سید علی
سید موسیٰ حمصہ
سید حسین
سید محمد مدنی المعروف بہ سید ناصر ترمذی
سید حسین
سید علی
حضرت مخدوم سید شاہ احمد توختہ ختنال رسول
سید شاہ محمد
سید شاہ عمر
سید شاہ ابوبکر
سید شاہ حمزہ
سید شاہ احمد زاہد
سید شاہ زید
شاہ نور الحق رحمہم اللہ تعالیٰ
شاہ محمد زاہدی
شاہ عبد الواحد
شاہ راجو
شاہ منور
شاہ قلندر
شاہ لدھن
شاہ محمود
شاہ محب اللہ
شاہ صفۃ اللہ
شاہ خیر اللہ
شاہ محمد ماہ شاہی
شاہ مدن
سید شاہ نور اشرف
سید جہانگیر بخش
سید پیر علی
سید حبیب اللہ
سیدنا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ وقدس اسرارہم

منظوم

سوانحی اشارے

دلاور نگار صاحب ایم اے کی ایک دلچسپ اور معیاری نظم "بزم خیال" تبدیلی عنوان کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کے یہ اشعار اپنی روانی و برجستگی اور حسن محاکات کے لحاظ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ موصوف نے زبان شعر سے سوانحی نشیب و فراز اور مختلف مناظر حیات کی اس طرح بھرپور اور بے ساختہ عکاسی کی ہے کہ ناظرین کے پردۂ تخیل پر حسن عقیدت و رنگینیٔ بیان کی ملی جلی قوس قزح سی چمکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ہم موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے معمولی حذف و اضافات پر معذرت خواہ ہیں (مؤلف)

پھر دل میں ایک کھوئی ہوئی یاد آئی ہے
پھر ہم نے ایک بزم تصور سجائی ہے

وہ دن کہ کھو چکی تھی جنہیں گردش حیات
جانے کہاں سے آج انہیں ڈھونڈ لائی ہے

○

انیسویں شوال ہے ہجری ہے تیرھویں
گیارہ بجے ہیں شب کے ابھی دور ہے سحر

اُناؤ کے ضلع میں کوئی گاؤں ہے جہاں
اک چاند اُتر رہا ہے فلک سے زمین پر

○

بندوں پہ مہربان ہے پروردگار پاک — باب کرم ہے باز کہ رحمت کا وقت ہے
پیدا ہوئے ہیں آج کے دن شیخ مسلمیں — اللہ کے ولی کی ولادت کا وقت ہے

○

کس درجہ خوش ہیں حضرت سید حبیب آج — آئی ہے اک خبر کہ تولّد ہوا پسر
بچے کے رُخ پہ کھیل رہی ہے شعاعِ نور — بچہ جوان ہوگا تو کیا ہوگا کیا خبر!

○

میں دیکھتا ہوں ایک چراگاہ ہے جہاں — میدان میں کھڑا ہے کوئی بکریاں لئے
گو بکریاں چرانے پہ مامور ہے مگر — لڑکا ہے شان و شوکت شہزادگاں لئے

○

یہ شہر دیوبند ہے سرچشمۂ علوم — یہ شہر دیوبند کی اک درسگاہ ہے
داخل ہوا ہے آج یہاں ایک ماہ وش — سورج سے فیضیاب مہ نیم ماہ ہے

○

تعلیم جس نے پائی تھی دارالعلوم میں — وہ طفل اب بفضل خدا ہوگیا جواں
انسان لحظہ لحظہ ترقی پذیر ہے — کونپل سے غنچہ، غنچہ سے گُل، گُل سے گلستاں

○

لایا ہے مجھ کو سوئے مدینہ مرا خیال — یہ دیکھیے یہ ملک دیار حبیب ہے
پیشِ نگاہ ہے کوئی پرچون کی دکاں — اور مالک دُکاں کوئی ہجرت نصیب ہے

○

پہلے تو صرف فقر تھا اب فقر و فاقہ ہے — یہ نعمتِ گراں بھی بہر حال مل گئی
یہ صبر یہ رضا، یہ قناعت تو دیکھیے — روٹی کا غم نہیں ہے اگر دال مل گئی

○

جس نے غمِ معاش سے اوروں کو دی نجات — وہ خود غمِ معاش کا مارا ہے آج کل
عالمِ عظیم کہ ہے صاحبِ کتب — نقل کتب پہ اس کا گذارا ہے آج کل

○

یہ کس کا خاندان مقیم حجاز ہے — کرتے ہیں کام خورد و کلاں اپنے ہاتھ سے
اک پیروِ رسول دیارِ حبیب میں — تعمیر کر رہا ہے مکاں اپنے ہاتھ سے

یہ سوئے مصر کون چلا ہے حجاز سے
ہر دل کو ناگوار خیال فراق ہے
اہلِ حجاز ہی کو نہیں صدمۂ فراق
آل نبیؐ کا ہجر حرم پر بھی شاق ہے

○

وہ شیخ جس پہ ملّتِ بیضا کو ناز ہے
صد حیف آج داخلِ زندانِ مصر ہے
یوسف کو مصریوں نے گرفتار کر لیا
یہ احترامِ یوسفِ کنعانِ مصر ہے

○

تاریک کوٹھری میں بعربہ بیا حضور
اٹھنے پہ روک ٹوک ہے چلنے پہ قید و بند
وِردِ کلام پاک میں اب بھی کمی نہیں
"ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"

○

اب ہم ہیں اور تصور زندان مالٹا
وہ مالٹا جو ظلم کی آماجگاہ ہے
ہاں ہاں! اسی قفس میں مقید ہے ایک شیخ
جس کی زباں پہ اشہد ان لا الٰہ ہے

○

اربابِ حق پرست کا زنداں ہے مالٹا
زنداں میں عالمانِ جہاں کا ہجوم ہے
شیخ الحرم بھی اب اسی زنداں میں آ گئے
زنداں نہیں ہے اب تو یہ دار العلوم ہے

○

سینہ ہے ضو فگن تو ضیا بار ہے جبیں
یہ کون مالٹا میں تہجّد گزار ہے
حیرت سے پوچھتے ہیں نگہبان بند و دام
کیا یہ حسین احمد شب زندہ دار ہے؟

○

حالانکہ وہ رہینِ غمِ مستقل ہے آج
لیکن اسے کسی کی اعانت نہیں قبول
منظور ہر جفا ہے گوارا ہے ہر ستم
لیکن فرنگیوں کی اطاعت نہیں قبول

○

سوچا تھا دشمنوں نے مٹا دیں گے نامِ شیخ
لیکن خود ان کی زیست فنا میں بدل گئی
پابندِ جبر رہ نہ سکا "ہائے اختیار"
زنجیرِ جبر سرخ پڑی اور گل گئی

اب مالٹا سے شیخ حرم لوٹ آئے ہیں
مرشد نے آج ان کو گلے سے لگا لیا

بنگال جا رہے ہیں وہ مرشد کے حکم پر
یہ کیا معاملہ ہے، زمانے کو کیا خبر

ہر ہر قدم پہ لاکھ مراحل سہی مگر
چہرے پہ ایک نور تھا آنکھوں میں اک چمک

اک پختگی سی حوصلۂ مستقل میں تھی
روحانیت کی شمع مبیں اس کے دل میں تھی

روشن کیا اسی نے دل خانقاہ کو
مجموعۂ محاسن و اوصاف جس کی ذات

طاقِ حرم پہ اس نے فروزاں کیے چراغ
خوش فہم و خوش مزاج و خوش اخلاق و خوش دماغ

وہ حریت پسند تھا اپنے مزاج سے
آزاد زندگی کو وہ کہتا تھا زندگی

اس کی نظر فراز تھی اس کی خودی بلند
مجبور زندگی سے اسے موت تھی پسند

اس سے عیاں تھی ہر صفتِ احمد و حسین
اپنی کہاں بساط کہ اس تک پہنچ سکیں

وہ باغ مصطفےٰ میں گل انتخاب تھا
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آفتاب تھا

شیخ الحرم کو نام و نمائش نہیں پسند
یہ عاجزی کی شان تو دیکھو کہ آپ کو

احساس برتری کو خطا جانتے ہیں آپ
شیخ الحرم کہو تو برا مانتے ہیں آپ

دنیا میں اب بھی اس کے ہزاروں مرید ہیں
"پیدا کہاں ہیں ایسے فرشتہ مزاج لوگ"

ایسے بھی ہیں کہ جن کی یہ قسمت نہیں رہی
افسوس ہم کو شیخ سے صحبت نہیں رہی

صیاد اس کو لائے کراچی کے جیل میں
جاری ہے جیل میں بھی تلاوت کا سلسلہ

لیکن وہاں بھی عزم "حسینی" جواں رہا
مہریں لگیں لبوں پہ تو دل کلمہ خواں رہا

میں غرق ہوں تصورِ بزمِ حسینؒ میں
جس سمت دیکھتا ہوں اجالے ہی چھائے ہیں
قندیل معرفت ہو کہ ہو شمع بندگی
جتنے چراغ ہیں اسی محفل سے آئے ہیں

○

یہ کس کے گھر میں بزم ضیافت ہے منعقد
دعوت میں حاضرین کی اک خاص شان ہے
خادم ہے ان میں کوئی نہ مخدوم ہے کوئی
ہر میہمان اپنی جگہ میزبان ہے

○

اس میکدہ میں بادۂ عرفاں کے میگسار
سرشار ہو رہے ہیں حسینی ایاغ سے
سینہ بسینہ بڑھتا چلا جا رہا ہے نور
جیسے کوئی چراغ جلائے چراغ سے

○

ممکن نہیں کہ اہل جہاں اسکو بھول جائیں
ہنگام نزع جس کو زمانے کی فکر ہے
دم ہے لبوں پہ، نبض بھی کچھ سست ہے مگر
وہ ہے کہ میہمانوں کے کھانے کی فکر ہے

○

روشن تھی جس سے بزم وہی بزم میں نہیں
اب اپنی بزم خانۂ ظلمت فروش ہے
تاریک ہو گئی ہے شبستانِ اولیاء
"اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے"

○

شیخ حرم بھی دارِ فنا سے گذر گیا
دنیا کو اعتبار ہے اس کے وصال کا
دنیا کے اس خیال سے ہم متفق نہیں
یعنی ہمیں یقین نہیں انتقال کا

○

نامِ حسین مٹ نہ سکے گا قضا کے بعد
اس کو بقا نصیب ہوئی ہے فنا کے بعد

دلاور فگار ایم۔اے